

مارچ 2025
خواتین اور دوشیزاؤں کیلئے اپنی طرز کا پہلا ماہنامہ
خواتین ڈائجسٹ

خواتین ڈائجسٹ

MEMBER APNS CPNE
رکن آل پاکستان نیوز پیپرز سوسائٹی
رکن کونسل آف پاکستان نیوز پیپرز ایڈیٹرز

آپ سے کیا پردہ

خاتون کی ڈائری

انٹرویو

ناول

مکمل ناول

افسانے



نظمیں غزلیں

پکوان

رنگا رنگ پھول

میری بیاض سے

خط و کتابت کا پتہ

خواتین ڈائجسٹ

37- اردو بازار کراچی

مارچ 2025

جلد 52 شمارہ 10

قیمت 150 روپے

زرِ سالانہ بذریعہ رجسٹری

پاکستان (سالانہ) —— 1,800 روپے

امریکا، کینیڈا، آسٹریلیا، یورپ — 25000 روپے

سالانہ خریداری کے لیے ای میل کریں

subscriptions@khawateendigest.com

نفسیات

بیوٹی بکس

کہی اَن کہی

خواتین ڈائجسٹ مارچ کا شمارہ لیے حاضر ہیں

اس بار موسم بہار کی دستک کے ساتھ قدرت کی کرم نوازی ہوئی ہے۔ رحمتوں اور برکتوں کا مہینہ رمضان المبارک سایہ فگن ہے۔

رمضان المبارک کی عظمت کا اندازہ اس سے لگایا جا سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس کو اپنا مہینہ کہا ہے۔ اس کا تقدس، اس کی برکتیں دوسرے سب مہینوں سے بڑھ کر ہیں۔ یہ نیکیوں کا موسم بہار ہے۔

اللہ تعالیٰ اس مہینہ میں ہمیں موقع دیتا ہے کہ ہم زیادہ سے زیادہ اپنی نیکیوں میں اضافہ کر سکیں۔ اسی لیے اس میں عبادتوں اور نیک اعمال کا اجر دس گنا سے سات سو گنا تک بڑھا دیا جاتا ہے۔

قرآن پاک رمضان المبارک میں نازل ہوا۔ اللہ تعالیٰ سے قرب حاصل کرنے اور نیکیاں بڑھانے کا بہترین ذریعہ قرآن پاک ہے۔ یوں تو قرآن پاک کی تلاوت کا بھی بہت ثواب ہے اور اسے سننا بھی عبادت ہے۔ لیکن اسے سمجھ کر پڑھنا، اس پر غور و فکر کرنا قرآن پاک کی اصل روح ہے۔ ہمیں علم ہونا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں کیا پیغام دیا ہے۔ قرآن پاک میں دنیا میں رہنے اور آخرت کو سنوارنے کا جو طریقہ بتایا گیا ہے۔ اسے جاننا بہت ضروری ہے۔ قرآن پاک کو ایک بار سمجھ کر توجہ سے اس کی تفسیر اور ترجمہ کے ساتھ ضرور پڑھیں۔

اللہ تعالیٰ نے رمضان المبارک کے بابرکت اور مقدس مہینے میں ہی برصغیر کے مسلمانوں کو دنیا کا سب سے قیمتی تحفہ عنایت فرمایا۔ غلامی سے نجات اور اپنا وطن پاکستان۔ 23 مارچ 1940 جب نظریہ پاکستان کی بنیاد پر یہ قرارداد منظور کی گئی۔ اس وقت ناممکن لگتا تھا کہ یہ خواب حقیقت بنے گا لیکن صرف سات سال بعد پاکستان معرض وجود میں آ گیا۔ بلاشبہ یہ قدرت کا معجزہ اور ہمارے لیے انعام ہے۔

سالگرہ نمبر

اس شمارے کے ساتھ خواتین ڈائجسٹ نے اپنی عمر عزیز کا ایک اور سال مکمل کر لیا ہے۔ اپریل کا شمارہ سالگرہ نمبر ہوگا۔ سالگرہ نمبر میں پرانی مصنفین کے ساتھ نئی مصنفین کی تحریریں بھی شامل ہوں گی۔ مصنفین سے درخواست ہے کہ اپنی تحریریں جلد از جلد بھجوا دیں تاکہ سالگرہ نمبر میں جگہ پا سکیں۔

اس شمارے میں

☆ راشدہ رفعت کا مکمل ناول...... آئینے اور گرد ☆ آسیہ رئیس خان کا مکمل ناول...... نقش مہر و ماہ

☆ نمرہ احمد کا مکمل ناول...... مالا ☆ سمیرا احمید کا مکمل ناول...... پردیس

☆ انگنا پھول کھلیں گے۔ راحت جبیں کا ناول

☆ حمیرا شفیع، جویریہ حیدر ملغانی، لبنیٰ آصف، قرۃ العین سکندر، نادیہ جہانگیر اور عقیلہ ہاشمی کے افسانے

☆ امت العزیز شہزاد سے ملاقات ☆ رمضان المبارک پر قارئین سے سروے

☆ کرن کرن روشنی اور دیگر مستقل سلسلے شامل ہیں

قرآن پاک زندگی گزارنے کے لیے ایک لائحہ عمل ہے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی قرآن پاک کی عملی تشریح ہے۔ قرآن اور حدیث دین اسلام کی بنیاد ہیں اور یہ دونوں ایک دوسرے کے لیے لازم و ملزوم کی حیثیت رکھتے ہیں۔
قرآن مجید دین کا اصل ہے اور حدیث شریف اس کی تشریح ہے۔
پوری امت مسلمہ اس پر متفق ہے کہ حدیث کے بغیر اسلامی زندگی نامکمل اور ادھوری ہے، اس لیے ان دونوں کو دین میں حجت اور دلیل قرار دیا گیا۔ اسلام اور قرآن کو سمجھنے کے لیے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث کا مطالعہ کرنا اور ان کو سمجھنا بہت ضروری ہے۔
کتب احادیث میں صحاح ستہ یعنی صحیح بخاری، صحیح مسلم، سنن ابوداؤد، سنن نسائی، جامع ترمذی اور موطا مالک کو جو مقام حاصل ہے، وہ کسی سے مخفی نہیں۔
ہم جو احادیث شائع کر رہے ہیں، وہ ہم نے ان ہی چھ مستند کتابوں سے لی ہیں۔
حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث کے علاوہ ہم اس سلسلے میں صحابہ کرام اور بزرگان دین کے سبق آموز واقعات بھی شائع کریں گے۔

کرن کرن روشنی

ادارہ

جانور کی زکوۃ

حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔
''اونٹوں، بکریوں یا گایوں کا جو مالک ان کی زکوۃ ادا نہیں کرتا۔ (اس کے یہ جانور) قیامت کے دن انتہائی بڑے اور موٹے ہو کر آئیں گے۔ وہ اسے سینگوں سے ماریں گے اور پاؤں سے روندیں گے، جب آخری جانور گزر چکیں گے تو پہلے گزر جانے والے دوبارہ آجائیں گے۔ (اسے یہی عذاب ہوتا رہے گا) حتیٰ کہ (سب) لوگوں کا فیصلہ ہو جائے گا۔''
فوائد و مسائل:
☆ زکوۃ نہ دینا بہت بڑا گناہ ہے۔ ☆ جانوروں میں بھی زکوۃ فرض ہے جس کی تفصیل اگلے ابواب میں آ رہی ہے۔ ☆ کبیرہ گناہوں کے مرتکب افراد کو میدان حشر میں بھی گناہوں کی سزا ملے گی۔ ☆ بعض صورتوں میں ممکن ہے کہ محشر کی یہ سزا ہی اس کے لیے کافی ہو جائے اور جہنم کی سزا نہ بھگتنی پڑے۔ ایک روایت میں یہ الفاظ ہیں'' (اسے یہ عذاب ہوتا رہے گا) اس دن جس کی مقدار پچاس ہزار سال ہے حتیٰ کہ لوگوں کا فیصلہ ہو جائے گا، پھر اسے جنت یا جہنم کا راستہ دکھا دیا جائے گا۔''

قیامت کے دن

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔
''وہ اونٹ جن کا حق (زکوۃ) ادا نہیں کیا گیا، (قیامت کے دن) آئیں گے، اپنے مالک کو سموں سے روندیں گے اور سینگوں سے ماریں گے۔ اور خزانہ گنجا سانپ بن کر آجائے گا۔ وہ قیامت کو جب اپنے مالک سے ملے گا تو مالک اس سے دو دفعہ بھاگے گا، پھر وہ (سانپ) سامنے سے آئے گا تو مالک (پھر) بھاگے گا (اور) کہے گا تو کیوں میرے پیچھے پڑ گیا ہے؟ وہ کہے گا میں تیرا خزانہ ہوں، میں تیرا خزانہ ہوں۔ وہ اس سے بچنے کے لیے اس کی طرف ہاتھ کرے گا۔ تو وہ اس (ہاتھ) کو اپنے منہ میں لے

لے گا۔"

فوائد و مسائل: ☆خزانے سے مراد سونا چاندی وغیرہ ہے جس کی زکوٰۃ ادا نہیں کی گئی۔

☆انسان دنیا میں روپے پیسے کا لالچ کرتا ہے۔ اس کو حاصل کرنے میں حلال حرام کی پرواہ نہیں کرتا اور لالچ کی وجہ سے زکوٰۃ نہیں دیتا۔ اس قسم کا مال قیامت کو عذاب کا باعث ہوگا کہ انسان اس سے جان چھڑانا چاہے گا لیکن وہ نہیں چھوڑے گا۔

☆انسان ہاتھ سے مال لیتا ہے لیکن اسی ہاتھ سے اللہ کی راہ میں خرچ نہیں کرنا چاہتا، اس لیے ہاتھ کو عذاب ہوگا کہ اس کا خزانہ سانپ بن کر اس کا ہاتھ کاٹ کھائے گا۔ اللہ تعالیٰ اپنی پناہ میں رکھے۔ (آمین)

جس مال کی زکوٰۃ ادا کر دی

حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے آزاد کردہ غلام حضرت خالد بن اسلم رحمتہ اللہ سے روایت ہے، انہوں نے کہا میں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ساتھ باہر گیا۔ انہیں ایک بدو ملا، اس نے کہا۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

ترجمہ: "جو لوگ سونا چاندی جمع کرتے ہیں اور اسے اللہ کی راہ میں خرچ نہیں کرتے۔" (اس آیت کا کیا مفہوم ہے)

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس سے کہا۔

"جس نے اسے جمع کیا اور اس کی زکوٰۃ ادا نہ کی اس کے لیے تباہی ہے۔ یہ حکم زکوٰۃ کا حکم نازل ہونے سے پہلے تھا جب زکوٰۃ کا حکم نازل ہوگیا تو اللہ نے اسے مالوں کی پاکیزگی کا ذریعہ بنا دیا۔" پھر متوجہ ہوکر فرمایا۔

"مجھے پروا نہیں کہ میرے پاس احد پہاڑ کے برابر سونا ہو جس کی تعداد (اور مقدار) کا مجھے علم ہو اور اس کی زکوٰۃ ادا کروں اور اس سے اللہ کی فرماں برداری والے کام انجام دوں۔"

فوائد و مسائل: ☆اللہ کی راہ میں خرچ کرنا دین کے اہم مسائل میں سے ہے۔ یہ حکم زکوٰۃ فرض ہونے سے پہلے بھی تھا۔ اب بھی ہے لیکن پہلے اس کی کم از کم مقدار کا تعین نہیں کیا گیا تھا، اس کے بعد یہ مقدار بھی متعین کر دی گئی۔

☆فرض زکوٰۃ اور دیگر واجب اخراجات کے علاوہ نیکی کی راہ میں خرچ کرنا نفلی عبادت ہے۔

☆زکوٰۃ ادا کرنے سے باقی مال پاک ہو جاتا ہے ورنہ سارا مال ناپاک ہوتا ہے۔

☆جائز طریقے سے دولت مند ہونا اللہ کی طرف سے احسان اور نعمت ہے جس کا شکر ادا کرنے کے لیے ضرورت مند افراد کی مدد کرتے رہنا چاہیے۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

"جب تو نے اپنے مال کی زکوٰۃ ادا کر دی تو اپنے فرض سے سبک دوش ہوگیا۔"

چاندی اور سونے کی زکوٰۃ

حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

"میں نے تمہیں گھوڑوں اور غلاموں کا صدقہ معاف کر دیا ہے لیکن (نقدی میں سے) چالیسواں حصہ ادا کرو، یعنی ہر چالیس درہم میں سے ایک درہم۔"

حضرت عبداللہ بن عمر اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم ہر بیس دینار یا (اس سے کچھ) زیادہ میں سے آدھا دینار اور چالیس دینار میں سے ایک دینار وصول فرماتے تھے۔

فوائد و مسائل: ☆جو گھوڑے کام کاج کے لیے ہوں اور جو غلام خدمت کے لیے ہوں، ان کی زکوٰۃ دینا فرض نہیں لیکن اگر کوئی شخص گھوڑوں یا غلاموں کی خرید و فروخت کا کاروبار کرتا ہو تو اسے دوسرے مال تجارت کی طرح ان کی قیمت کا اندازہ کر کے ان کی

زکوٰۃ ادا کرنی چاہیے۔ اس کے بارے میں متعدد روایات موجود ہیں لیکن ان کی سندوں میں کلام ہے، تاہم کہا جاسکتا ہے کہ یہ احادیث باہم مل کر قابل استدلال ہوسکتی ہیں۔ حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمتہ اللہ نے بھی تاجروں سے مال تجارت پر زکوٰۃ وصول کرنے کے احکامات جاری فرمائے تھے۔ امام بیہقی رحمتہ اللہ نے مال تجارت پر زکوٰۃ کے وجوب کو ترجیح دیتے ہوئے فرمایا ہے "اکثر علما کا یہی قول ہے۔"

درہم چاندی کا سکہ تھا جس کا وزن موجود حساب سے 2.975 گرام اور بعض کے نزدیک 3.06 گرام ہے۔ کم از کم دو سو درہم چاندی ہو تو زکوٰۃ واجب ہوتی ہے۔ ارشاد نبوی ہے۔

"پانچ اوقیہ سے کم میں زکوٰۃ نہیں۔" اوقیہ چالیس درہم کا ہوتا ہے۔ اکثر علماء نے دو سو درہم کی مقدار ساڑھے باون تولے بیان کی ہے۔

☆ سونے کا نصاب بیس دینار ہے، جس کی مقدار ساڑھے سات تولے ہوتی ہے۔ جب کہ موجودہ دور کے حساب سے اس کا وزن 85 گرام بنتا ہے۔

☆ سونے اور چاندی میں زکوٰۃ کی مقدار چالیسواں حصہ ہے، مثلاً اگر کسی کے پاس دس تولے سونا ہو تو اسے چوتھائی تولہ (تین ماشے یعنی 2.916 گرام) سونے کے برابر زکوٰۃ ادا کرنا فرض ہوگی۔

☆ نقد رقم کا نصاب سونے کے برابر ہے کیونکہ موجودہ نظام کے مطابق کرنسی نوٹ سونے کے قائم مقام قرار دیے جاتے ہیں، اس لیے بین الاقوامی تجارت میں ممالک ایک دوسرے سے سونا وصول اور ادا کرتے ہیں، تاہم علماء کی اکثریت نے نقد رقم کی زکوٰۃ کے لیے چاندی کے نصاب کو بنیاد بنایا ہے، یعنی کم از کم ساڑھے باون تولے چاندی کی رقم کے برابر جس کے پاس رقم فالتو پڑی ہو اور اس پر سال گزر جائے تو وہ اس میں سے ڈھائی فی صد کے حساب سے زکوٰۃ ادا کرے۔ اس کی وجہ ان کے نزدیک یہ ہے کہ اس نصاب میں غرباء ومساکین کا زیادہ فائدہ ہے کیونکہ اس طرح اہل نصاب زیادہ ہوں گے اور زیادہ زکوٰۃ نکلے گی۔

جس شخص کو (سال کے دوران میں) مال ملے

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے، وہ فرماتی ہیں "میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرما رہے تھے۔"

"کسی مال میں زکوٰۃ نہیں حتیٰ کہ اس پر سال گزر جائے۔"

فوائد ومسائل: ☆ سونے چاندی وغیرہ میں نصاب کا مالک ہونے کے ایک سال بعد زکوٰۃ واجب ہوتی ہے ☆ زرعی پیداوار جب باغ یا کھیت سے اٹھالی جائے تو اس پر زکوٰۃ واجب ہوجاتی ہے، اس میں سال گزرنا شرط نہیں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ "اس کے کاٹنے کے دن اس کا حق ادا کرو۔" ☆ جس کے پاس پہلے کچھ موجود ہو لیکن وہ نصاب سے کم ہو، پھر اسے کچھ اور مال مل جائے اس کی وجہ سے نصاب مکمل ہوجائے تو سال کی ابتدا نصاب مکمل ہونے سے ہوگی۔ اگر اس کے ایک سال بعد اس کے پاس نصاب موجود ہے تو زکوٰۃ ادا کرے گا۔

کن مالوں میں زکوٰۃ واجب ہے

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے، انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ فرمان سنا۔

"پانچ وسق کھجوروں سے کم میں زکوٰۃ نہیں، پانچ اوقیہ (چاندی) سے کم میں زکوٰۃ نہیں اور پانچ سے کم اونٹوں میں بھی نہیں۔"

فوائد ومسائل: ☆ کھجوریں جب خشک کرکے ذخیرہ کرنے کے قابل ہوجائیں، اس وقت اگر ان کا وزن پانچ وسق کے برابر ہو تو ان پر زکوٰۃ واجب ہوگی۔ ایک وسق ساٹھ صاع کے برابر ہوتا ہے اور صاع ایک پیمانہ ہے۔ جس کا وزن تقریباً ڈھائی کلو

بنتا ہے۔ اس حساب سے پانچ وسق کا وزن تقریباً 20 من بنتا ہے۔ جس میں سے ایک من زکوٰۃ ادا کی جائے گی۔ ☆ پانچ اوقیہ دو سو درہم کے برابر ہے، یعنی چاندی کا نصاب دو سو درہم تقریباً ساڑھے باون تولے ہے۔ ☆ اگر کسی کے پاس پانچ سے کم اونٹ ہوں تو ان میں زکوٰۃ فرض نہیں۔ پانچ اونٹ ہوں تو ایک بکری زکوٰۃ کے طور پر ادا کی جائے گی۔

زکوٰۃ کا وقت آنے سے پہلے (پیشگی) ادا کر دینا

حضرت علی ابن ابو طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے واجب ہونے سے پہلے جلدی کرتے ہوئے زکوٰۃ ادا کرنے کی اجازت مانگی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں اجازت دے دی۔

فائدہ: پیشگی ادائیگی کا مطلب یہ ہے کہ سال پورا ہونے سے پہلے زکوٰۃ ادا کردی جائے۔ وقت آنے پر حساب کرکے کمی بیشی پوری کرلی جائے۔ یہ جائز ہے۔ بعض حضرات کے نزدیک یہ روایت حسن ہے۔

جب کوئی زکوٰۃ ادا کرے تو اسے کیا کہا جائے؟

حضرت عبداللہ بن ابی اوفیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے، انہوں نے فرمایا۔ ”جب کوئی شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں اپنے مال کا صدقہ (زکوٰۃ) لے کر حاضر ہوتا تو نبی کریم اس کو دعا دیتے۔ میں اپنے مال کی زکوٰۃ لے کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

”اے اللہ! ابو اوفیٰ کے خاندان پر رحمت نازل فرما۔“

فوائد و مسائل: ☆ سونے چاندی اور نقدی کی زکوٰۃ صاحب نصاب کو خود حاضر ہو کر ادا کرنی چاہیے۔ غلے اور مویشیوں کی زکوٰۃ اسلامی حکومت کا مقرر کردہ افسر صاحب نصاب کے پاس پہنچ کر وصول کرے۔ ☆ اسلامی معاشرے میں عوام اور حکومتوں کے مابین محبت اور احترام کا تعلق ہوتا ہے۔ زکوٰۃ وصول کرنے والے کو چاہیے کہ زکوٰۃ ادا کرنے والے کا شکریہ ادا کرے اور اسے دعا دے۔ ☆ ”آل“ کے لفظ میں وہ شخص خود بھی داخل ہوتا ہے جس کی آل کا ذکر کیا جاتا ہے، اس کے علاوہ اس کی اولاد اور وہ افراد، جو اس کے زیر دست ہیں اور وہ ان کا سردار سمجھا جاتا ہے، وہ بھی ”آل“ میں شامل ہو سکتے ہیں۔ بعض اوقات ”آل“ سے متبعین اور پیروکار بھی مراد لیے جاتے ہیں، جیسے اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ ترجمہ:

”اور جس دن قیامت قائم ہوگی (ہم کہیں گے) فرعون کی آل کو شدید ترین عذاب میں داخل کردو (المومن)“ اس آیت میں آل سے اولاد مراد نہیں کیونکہ فرعون لاولد تھا۔ اور اس کی بیوی (حضرت آسیہ علیہ السلام) مسلمان تھیں۔

زکوٰۃ وصول کرنے والے ملازمین کے مسائل

حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

”زکوٰۃ کے معاملے میں زیادتی کرنے والا زکوٰۃ روک لینے والے کی طرح ہے۔“

فوائد و مسائل: ☆ زکوٰۃ کے معاملے میں زیادتی کرنے والے سے مراد زکوٰۃ وصول کرنے والا وہ اہل کار ہے جو شرعی طور پر مقررہ مقدار سے زیادہ زکوٰۃ طلب کرتا ہے، یا درمیانے درجے کے جانور وصول کرنے کے بجائے بہترین جانور طلب کرتا ہے۔ ☆ ایسا اہل کار اسی طرح گناہ گار ہے۔ جس طرح وہ شخص گناہ گار ہے، جس پر زکوٰۃ واجب ہو اور وہ ادائیگی سے انکار کردے، یعنی یہ کبیرہ گناہ ہے۔ ☆ اس شخص کو زکوٰۃ نہ دینے والے سے اس لیے تشبیہ دی گئی ہے کہ اس کی زیادتی کی وجہ سے لوگوں میں زکوٰۃ نہ دینے کی خواہش پیدا ہوتی ہے اور وہ حیلے بہانوں سے زکوٰۃ روک لیتے ہیں۔ ☆ زکوٰۃ کے معاملے میں زیادتی کرنے والے سے مراد وہ

شخص بھی ہوسکتا ہے جو زکوٰۃ یا صدقات غیر مستحق افراد کو دیتا ہے لیکن وہ شخص اس صورت میں خطا کار سمجھا جائے گا جب اسے معلوم ہو کہ جس شخص کو زکوٰۃ دی جارہی ہے۔ وہ حقیقت میں اس کا مستحق نہیں۔

حضرت رافع بن خدیج رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے، انہوں نے فرمایا۔ ''میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا آپ فرما رہے تھے۔

''حق کے ساتھ زکوٰۃ وصول کرنے والا، اللہ کی راہ میں جنگ کرنے والے کی طرح ہے حتیٰ کہ گھر واپس آجائے۔''

فوائد ومسائل: ☆ حق کے ساتھ زکوٰۃ وصول کرنے کا مطلب یہ ہے کہ اتنی مقدار وصول کرے جتنے شرعاً کسی پر واجب ہیں۔ نہ زیادہ طلب کر کے زکوٰۃ دینے والوں پر ظلم کرے اور نہ کم وصول کر کے مستحقین کی حق تلفی کا باعث بنے۔ ☆ اسلامی سلطنت میں ایمان داری سے سرکاری ملازمین کے فرائض انجام دینا، اسلام اور اسلامی سلطنت کی خدمت ہے ☆ مجاہد اسلامی سلطنت کو دشمنوں سے محفوظ رکھنے کے لیے تگ ودو کرتا ہے اور جغرافیائی سرحدوں کی حفاظت کرتا ہے۔ اسی طرح مالی معاملات کے فرائض انجام دینے والا بھی سلطنت کی معاشی سرحدوں کی حفاظت کر کے اسے مضبوط بناتا ہے جس کی وجہ سے دشمن حملہ کرنے کی جرأت نہیں کرتا، اس لحاظ سے اس کے فرائض بھی کچھ کم اہم نہیں۔ ☆ اپنے فرائض دیانت داری سے انجام دینا بڑے ثواب کا کام ہے۔

خیانت

حضرت عبداللہ بن انیس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ ایک دن حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے زکوٰۃ کے مسئلہ پر ان کی بات چیت ہوئی۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا۔ ''کیا آپ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو زکوٰۃ میں خیانت کا ذکر کرتے ہوئے یہ فرماتے نہیں سنا۔

''جو کوئی اس میں سے ایک اونٹ یا ایک بکری کی خیانت کرے گا، قیامت کے دن اسے اپنے اوپر لادے ہوئے حاضر ہوگا؟''

حضرت عبداللہ بن انیس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا۔ ''ہاں۔'' (سنی ہے)

فوائد ومسائل: ☆ اجتماعی معاملات میں خیانت بہت بڑا جرم ہے۔ جن افراد کے ہاتھ میں مسجد، مدرسہ یا صوبے اور ملک کے مالی معاملات ہوں، انہیں اس ذمے داری کا احساس رکھنا چاہیے۔

☆ زکوٰۃ کی خیانت سے مراد یہ بھی ممکن ہے کہ صاحب مال اپنا پورا مال ظاہر نہ کرے، اسی طرح واجب مقدار سے کم زکوٰۃ دے۔ اس طرح بچائی ہوئی ایک بکری یا ایک اونٹ بھی قیامت کے دن سخت عذاب کا باعث ہوگا۔ یہ مطلب بھی ہوسکتا ہے کہ زکوٰۃ وصول کرنے والا پورا مال بیت المال میں جمع نہ کرائے۔ یا اسے جائز مصروف کے علاوہ اپنی کسی ضرورت کے لیے خرچ کرے تو اسے بھی اس جرم کی سخت سزا ملے گی۔

کن مالوں میں زکوٰۃ واجب ہے؟

حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں (گورنر بنا کر) یمن روانہ کیا اور ان سے فرمایا۔

''غلے میں سے غلہ وصول کرنا، بکریوں سے بکری، اونٹوں میں سے اونٹ، اور گایوں میں سے گائے۔''

حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے، انہوں نے فرمایا۔

''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان پانچ چیزوں کی زکوٰۃ کا حکم جاری فرمایا ہے۔ گندم، جو، کھجور، منقیٰ اور مکئی۔''

☆☆

گرجا گھر کا دربان

انشا جی



پچھلے دنوں ہمارے مخدوم جناب سید ہاشم رضا نے کہ باغ و بہار شخصیت کے مالک ہیں، ہمیں یہ ایک کہانی سنائی اور ہم وہ کہانی آپ کو سناتے ہیں۔

تقریب اس کی یہ ہے کہ پچھلے دنوں ہماری دو نئی کتابیں چھپ کر آئی ہیں۔ بلکہ نواب تیس مار خاں کے کارناموں کو شامل کر کے جو قسطوں میں ان ہی کالموں میں چھپتے رہے ہیں۔ تین کہنا چاہیے۔ بہرحال یہاں جن دو کتابوں کا ذکر ہے۔ ان میں ایک تو سفر نامہ ''آوارہ گرد کی ڈائری'' اور دوسری ''اردو کی آخری کتاب''

اس ''آخری کتاب'' کی تعریف میں ہم اس سے زیادہ کچھ نہیں کہنا چاہتے کہ ٹیکسٹ بورڈ نے اسے دیکھتے ہی نامنظور کر دیا ہے یعنی یکسر رد کر دیا ہے۔ اس کتاب میں تاریخ، جغرافیہ ریاضی، گرامر اور حکایات وغیرہ سب ہی کچھ ہیں اور آخر میں امتحانی سوالات کا پرچہ بھی دیا گیا ہے۔

سوالات تو اس میں آپ کی دلچسپی کے اور بھی بہت سے ہیں۔ مثلاً پانی پت کی پہلی لڑائی کہاں ہوئی تھی؟ مثلث کے چاروں ضلعے برابر کیوں نہیں ہوتے؟ خط نستعلیق خط استوار اور خط وحدانی کا فرق بتاؤ۔ اور محمود غزنوی نے ہندوستان پر سترہ کیا کیے تھے؟ وغیرہ لیکن سید صاحب نے ہمیں وہ کہانی جس سوال کے جواب میں سنائی وہ یہ ہے کہ۔

''تم ان پڑھ رہ کر اکبر بننا پسند کرو گے یا پڑھ لکھ کر اس کا نورتن؟''

☆☆☆

راوی ہیں سید صاحب کہ ایک شخص ایک گرجا گھر کا دربان تھا اور ایک زمانے سے چلا آرہا تھا، کرنا خدا کا یہ ہوا کہ اس کا پرانا پادری مر گیا اور نیا پادری ایسا آیا جسے علم سے بہت محبت تھی۔ اس نے آتے ہی حکم دیا کہ جتنے ان پڑھ ملازمین اور متوسلین اس گرجا میں ہیں سب برخاست۔

دربان صاحب بہت گھبرائے اور عرض کیا کہ ''حضور! ہمارے کام میں لکھنے پڑھنے کا کیا دخل ہے؟ ہمیں تو دروازے کی چوکیداری کرنی ہوتی ہے۔ لوگوں کے، جوتے، چھاتے، ٹوپیاں وغیرہ لے کر رکھنی ہوتی ہیں۔ اب تک یہ نہیں ہوا کہ اس میں غلطی ہوئی ہو۔ یعنی ہم نے ایک کی ٹوپی دوسرے کو دے دی ہو۔ اپنے فیصلے پر نظر ثانی فرمائیں۔''

لیکن نیا پادری چونکہ خود عالم فاضل تھا لہٰذا ان پڑھ ہونے کو ناقابل معافی جرم سمجھتا تھا۔ نہ مانا اور کہا۔

''یہ رہی تمہاری تنخواہ کل سے کام پر مت آنا۔''

کہانی یوں چلتی ہے کہ وہ شخص دل برداشتہ ہو کر

گرجا سے نکل آیا۔ اور دفع الوقتی کے لیے اسے سگریٹ کی طلب ہوئی۔ سامنے کی گلی میں کوئی دکان نہ تھی۔ اگلی گلی میں بھی نہ تھی۔ ادھرادھر کے چوک بھی خالی تھے۔ سگریٹ ملا، لیکن کوئی آدھ میل دور جاکر۔ اس شخص نے سوچا کہ ایسے اور بھی لوگ ہوں گے جن کو سگریٹ کے لیے دور جانا پڑتا ہوگا کیوں نہ سگریٹ کا خوانچہ لگایا جائے۔

صاحبو! اس شخص نے گھوم پھر کر سگریٹ بیچنا شروع کیے۔ اور چونکہ یہ ضرورت کی چیز تھی۔ اس کی اچھی خاصی بکری ہونے لگی۔ لوگ دور جانے کی زحمت سے بچ گئے۔ اس میں ایسی برکت ہوئی کہ اس نے گلی میں چھوٹی موٹی دکنیا کھول لی۔ پھر وہ دوکان بڑی ہوگئی اور عملہ وملا بھی رکھنا پڑا۔ اور یہ شخص چند برس میں مالا مال ہوگیا۔ اس کے سگریٹ ایک قریبی بینک میں بھی جاتے تھے اور اس شاخ کے منیجر سے بھی اس کی صاحب سلامت ہوگئی تھی۔

ایک روز منیجر نے پوچھا کہ ”تم اپنے پیسے کس بینک میں رکھتے ہو۔“

اس شخص نے بتایا کہ ”کسی بینک میں نہیں بلکہ تکیے میں چھپا کر رکھتا ہوں۔“

”منیجر نے کہا کہ ”ان کو ہمارے بینک میں رکھو۔ چوری چکاری کا خطرہ بھی نہ ہوگا۔ اور سود بھی ملے گا۔“

اس شخص نے کہا۔ ”لیکن میری ایک شرط ہے؟“

”وہ کیا؟“

”وہ یہ کہ میں کسی کاغذ یا چیک پر دستخط نہیں کروں گا۔“

منیجر نے بہت کہا لیکن وہ شخص اپنی شرط پر اڑا رہا۔ چونکہ کئی ہزار پونڈ کے ڈیپازٹ کی بات تھی۔ منیجر نے یہ عجیب وغریب شرط مان لی۔

اس شخص نے کہا۔ ”کہ میں خود ہی جمع کرانے آیا کروں گا اور خود ہی نکلوانے آیا کروں گا۔ آپ میری شکل اچھی طرح ذہن نشین کرلیں۔ نہیں تو میری تصویر کھنچوار کھیں۔“

یوں یہ سلسلہ بہت دن تک چلتا رہا۔ ایک روز منیجر نے اس سے کہا کہ ”سیٹھ بیٹھو! چائے پی کر جانا۔“

وہ بیٹھ گیا۔

منیجر نے کہا۔ ”آپ کی شرط تو ہم نے مان لی لیکن آپ اتنی زحمت کیوں اٹھاتے ہیں۔ دستخط کرنے سے اتنا ڈرتے کیوں ہیں؟ بس چیک پر دستخط کر کے بھیج دیا کیجیے۔ سب ہی کرتے ہیں۔ بڑا آسان کام ہے۔“

اس شخص نے کہا۔ ”لیکن مجھے دستخط کرنا کہاں آتا ہے۔ میں تو سراسر ان پڑھ ہوں۔“

منیجر بہت متعجب ہوا اور کہنے لگا ”میں آکسفورڈ یونیورسٹی سے اکنامکس کا گریجویٹ ہوں اور میری تنخواہ یہ ہے۔ آپ کی آمدنی ان پڑھ ہونے کے باوجود میری تنخواہ سے چار گنا زیادہ ہے۔ اگر آپ پڑھے لکھے ہوتے تو جانے کیا ہوتے۔“

اس شخص نے کہا۔ ”میں بتاتا ہوں کہ پڑھا لکھا ہوتا تو کیا ہوتا۔ میں سامنے کے گرجا گھر کا دربان ہوتا۔“

رمضان کی برکتیں

ادارہ

رمضان المبارک کا مقدس اور بابرکت مہینے کا آغاز ہو چکا ہے۔ رمضان المبارک فضیلتوں والا مہینہ ہے۔ اس کی آمد سے مسلمانوں میں خوشی کی لہر دوڑ جاتی ہے...... رمضان المبارک میں ہمارے معمولات یکسر بدل جاتے ہیں۔ گھروں میں سحری اور افطاری کے خصوصی اہتمام کیے جاتے ہیں تلاوت قرآن پاک اور عبادتوں کا دورانیہ بڑھ جاتا ہے۔

آیئے دیکھتے ہیں ہماری قارئین رمضان المبارک کا اہتمام کیسے کرتی ہیں۔

1۔ یہ پرچا آپ کو ملے گا تو رمضان المبارک کا آغاز ہو چکا ہوگا۔ بہت سے گھروں میں شعبان سے ہی رمضان المبارک کی تیاریاں شروع ہو جاتی ہیں۔ گھر کی تفصیلی صفائی، کچن کو نئے سرے سے سیٹ کیا جاتا ہے۔ عبادت کے لیے خاص طور پر نظام الاوقات ترتیب دیا جاتا ہے۔ آپ رمضان المبارک کے استقبال کے لیے کیا تیاری کرتی ہیں؟

2۔ ہر گھر میں افطاری اور سحری میں اپنی حیثیت کے مطابق خصوصی اہتمام کیا جاتا ہے۔ آپ سحری اور افطاری میں کیا بناتی ہیں؟ آپ کے گھر میں سحری اور افطاری میں دستر خوان پر کیا چیز لازمی ہوتی ہے؟

فرخندہ سلیم ...... ملتان

1۔ جیسے ہی رمضان کی آمد قریب آتی ہے، پورے گھر میں ایک ہلچل مچ جاتی ہے، جیسے کوئی بہت بڑا ہنگامی آپریشن ہونے والا ہو۔ ہر کوئی اپنے اپنے محاذ پر ڈٹا ہوتا ہے، مگر سب سے زیادہ سرگرمی مجھے ہی دکھانی پڑتی ہے کیونکہ آخر "گھر کی منیجر" جو ٹھہری! جیسے ہی چاند نظر آنے کی اطلاع آتی ہے، میرے اندر کی "منیجر آن ڈیوٹی" جاگ اٹھتی ہے، اور ساتھ ہی "ماہر امورِ خانہ داری" کی روح مجھ پر نازل ہو جاتی ہے۔

سب سے پہلا مشن ہے صفائی مہم کہ گھر کے افراد کے لیے یہ ایک عام کام ہو سکتا ہے، مگر میرے نزدیک یہ ایک مقدس عبادت ہے، جسے کرنے کے بعد ایسا محسوس ہوتا ہے جیسے جنت ہمارے گھر کی کھڑکیوں سے جھانک رہی ہو! میری صفائی کی شدت کا یہ عالم ہوتا ہے کہ جیسے کسی انویسٹی گیشن ٹیم کو خفیہ اطلاع ملی ہو کہ اس گھر میں کہیں کسی خزانے کا سراغ ملنے والا ہے! الماریوں کے دروازے یوں کھلتے ہیں جیسے کسی "فرمانِ شاہی" کے تحت ضبط شدہ اثاثے برآمد کیے جا رہے ہوں، اور ہر دراز سے ایسی چیزیں نکلتی ہیں جنہیں دیکھ کر یوں محسوس ہوتا ہے کہ پچھلے رمضان کے بعد ان پر فاتحہ پڑھ کر ہمیشہ کے لیے بھلا دیا گیا تھا۔ ڈھول جھاڑنے کے دوران کچھ نوادرات ایسی برآمد ہو جاتی ہیں جنہیں دیکھ کر میوزیم والے بھی رشک کریں۔ اس موقع پر سب سے زیادہ مزاحیہ ردعمل بچوں کا ہوتا ہے۔ ہر سال وہی معصومانہ سوال کرتے ہیں۔

"امی! رمضان میں صفائی کا کیا تعلق؟"

اور ہر سال میرا وہی فلسفیانہ جواب ہوتا ہے،

جیسے میں ہاتھ نچا کر ایسے دیتی ہوں، جیسے کوئی عالمی دانشور تقریر کر رہا ہو:

"بیٹا! یہ صرف صفائی نہیں، یہ ایمان کی تجدید ہے، یہ روح کی پاکیزگی ہے، اور رمضان کے لیے ہمارا پہلا نیک عمل!"

یہ سنتے ہی بچے آنکھیں گھما کر ایک دوسرے کو دیکھتے ہیں اور پھر خاموشی سے صفائی میں جت جاتے ہیں، کیونکہ وہ جانتے ہیں کہ نہ کرنے کی گنجائش نہیں۔

رمضان کی سب سے اہم اور سب سے پیچیدہ عبادت...... "راشن اسٹاکنگ!" جیسے ہی رمضان کی تیاریوں کی فہرست ہاتھ میں آتی ہے، میرے شوہر کے چہرے کے تاثرات ایسے ہو جاتے ہیں جیسے کسی نے انہیں اچانک ملک کی "مہنگائی کی تازہ ترین رپورٹ" تھما دی ہو۔ وہ فہرست دیکھتے ہیں، پھر مجھے دیکھتے ہیں، پھر دوبارہ فہرست پر نظر ڈالتے ہیں، اور آخر کار معصومیت سے سوال کرتے ہیں:

"یہ سب ضروری ہے؟"

میں انتہائی سکون اور سنجیدگی کے ساتھ جواب دیتی ہوں،

"جی بالکل! بلکہ کچھ کم بھی لگ رہا ہے، سوچ رہی ہوں مزید کچھ چیزیں ایڈ کرلوں!"

پھر ہم بازار کا رخ کرتے ہیں، اور وہاں پہنچتے ہی ایسا محسوس ہوتا ہے جیسے کوئی جنگی مہم درپیش ہو، خریداری کا وہ طوفان آتا ہے کہ لگتا ہے جیسے اگلے بارہ مہینے کا راشن اکٹھا کر رہے ہوں، نہ کہ صرف رمضان کے لیے! چاول، آٹا، چینی، گھی، دالیں، بیسن، شربت، مسالے، کھجوریں، دودھ، دہی، دہی بڑے بنانے کا سامان، فروٹ چاٹ کے اجزاء، دہی بھلے، رول، سموسے، کچوریوں کے پتے، روح افزا، لیموں، پودینہ، اور نہ جانے کیا کچھ..... سب کچھ "دو، دو کلو" میں لینا فرض سمجھا جاتا ہے، جیسے ہمارے گھر میں صرف دس افراد نہیں، بلکہ کوئی پوری پلٹن رہتی ہو تو اس طرح تیاریاں ہوتی ہیں اور

شیطان قید ہونے والا ہوتا ہے جو لوگوں کو ورغلاتا ہے۔

2۔ گھر میں افطاری اور سحری میں اپنی حیثیت کے مطابق خصوصی اہتمام کیا جاتا ہے۔

رمضان میں سب سے بڑا امتحان "سحری میں بیدار ہونا" ہوتا ہے۔ مسجد سے آواز آتی ہے "سحری کے لیے اٹھو!" تو میرے دماغ میں یہ سوال گردش کرتا ہے، "یہ خواب ہے یا حقیقت؟" آنکھیں کھولنے کی کوشش کرتی ہوں، مگر نیند ایسی غالب ہوتی ہے کہ لگتا ہے کسی نے پپوٹوں پر وزنی پتھر رکھ دیے ہیں۔

"امی، پانچ منٹ اور!" بچے بستر میں دبک کر کہتے ہیں، اور میں "ماں کا مشہور جملہ" داغ دیتی ہوں، "پانچ منٹ بعد سورج بھی نکل آئے گا، پھر روزہ رکھ لینا!"

سحری میں سب کا یہی حال ہوتا ہے، کوئی آدھی نیند میں پراٹھا کھا رہا ہوتا ہے، تو کوئی ایسے چائے پی رہا ہوتا ہے جیسے دوائی ہو! مگر جیسے ہی فجر کی اذان ہوتی ہے سب کی آنکھوں میں "نیند کا ایسا سیلاب" آجاتا ہے کہ اگلی تین رکعتوں میں تو قیام اور سجدے میں فرق کرنا مشکل ہو جاتا ہے۔

دن کے وقت رمضان میں سب سے زیادہ "صبر اور ضبط" کا امتحان ہوتا ہے۔ سب سے بڑی آزمائش یہ ہے کہ روزے کے دوران "وقت نہیں گزرتا!"

دوپہر میں سوچتے ہیں، "کتنے بجے ہوں گے؟"

گھڑی دیکھتے ہیں، "بس! دو منٹ ہی بڑھے ہیں؟!" ایک بار پھر دیکھتے ہیں، "ابھی بھی ظہر نہیں ہوئی؟!"

بچوں کو کچھ کام کہو، تو وہ جواب دیتے ہیں "امی، روزہ لگا ہوا ہے!"

اب روزے کے دوران گھر میں ماحول کچھ ایسا ہوتا ہے:

کوئی دیوار کے ساتھ ٹیک لگا کر بیٹھا ہے، جیسے کسی قید میں ہو۔

بچے روزے کے نام پر ایسا معصوم چہرہ بناتے ہیں کہ ''فرشتے بھی شرما جائیں!''

جیسے ہی مغرب کی اذان ہوتی ہے، تو سب کی ''افطاری پر دھاوا بولنے'' کی خواہش بے قابو ہو جاتی ہے!

کھجور اور پانی۔ سب سے پہلے سنت کے مطابق کھجور کھائی جاتی ہے، پھر یوں پانی پیا جاتا ہے جیسے کسی نے تین دن کے پیاسے کو نخلستان میں چھوڑ دیا ہو!

فروٹ چاٹ......اس میں اتنے پھل ڈال دیے جاتے ہیں کہ لگتا ہے کوئی ''فروٹ مارکیٹ'' ہی پلیٹ میں ڈال دی گئی ہو! پکوڑے اور سموسے۔ رمضان میں پکوڑوں کے بغیر افطاری ایسے ہی ہے جیسے شادی میں دولہا غائب ہو!

دہی بڑے۔ نرم ونازک دہی بڑے جو اندر جاتے ہی روح تک پہنچ جاتے ہیں!

کریم چاٹ۔ ہائے ظالم کریم چاٹ جس پہ سب جان چھڑکتے ہیں۔

رمضان ہمیں صبر، عبادت اور قربانی سکھاتا ہے، مگر سب سے زیادہ ہمیں ''نیند کی قربانی'' دینا سکھاتا ہے! لیکن جیسے ہی افطاری کے دسترخوان پر بیٹھتے ہیں، تو ساری تھکن دور ہو جاتی ہے۔ اللہ ہمیں ہر سال یہ بابرکت مہینہ نصیب کرے، نیکیاں کرنے کی توفیق دے، اور ہاں! پکوڑوں کی جگہ صبر کرنے کی ہمت بھی عطا کرے آمین!

سونیا ربانی......قاضیاں محلہ بالا

1۔ اس پاک ذات کا شکر ہے کہ اس نے مقدر میں پھر سے یہ دن رکھے۔ کہ رمضان المبارک کے دن قریب سے قریب تر آرہے ہیں ورنہ ہم مسلمانوں کے جو حالات ہیں۔ ہم اس قابل نہیں ہیں ایسی، ایسی خبریں ملتی ہیں کہ انسان سوچ میں پڑ جاتا ہے۔ کہ کیا ہم سچ مچ مسلمان ہیں؟

کتنے ماہ بیت گئے، بارش کو ترس رہے ہیں، اور جب بھی بارش ہوئی وہ جانوروں پہ رحم کھا کر دی جائے گی انسانوں کے اعمال ایسے نہیں ہیں۔

میرے سسرال میں تو سارے گھر کی ہی صفائی ہوتی ہے کچن کو نئے سرے اور رمضان کے حساب سے سیٹ کیا جاتا ہے رمضان سے پہلے رمضان کی خریداری کی جاتی ہے۔

(وہاں خیر سے رمضان میں کھایا بہت جاتا ہے)

میری کوشش ہوتی ہے کہ اشو جائے نماز پہ میرے ساتھ بیٹھ جائے۔ رمضان المبارک میں دعائیں لمبی ہو جاتی ہیں۔ ہر وقت تو یہ مانگتی رہتی ہوں اور میں رمضان میں بازار سے کچھ نہیں لاتی۔ بچوں کے کپڑے جوتے رمضان سے پہلے ہی لے آتی ہوں۔

2۔ میری افطاری کا اہتمام؟

میں آپ کو سچی بات بتاؤں۔ پڑھ کر حیرت ہوگی سب کو۔ مگر اب حالات اور لوگ مختلف ہیں۔ یہی کوئی پچیس سال پیچھے کی بات ہے میں دس برس کی تھی۔ ہم گاؤں رہا کرتے تھے۔

ابو بیس روپے دیتے تھے۔ دس روپے کے پانچ سموسے آتے تھے اور ہم پانچ لوگ تھے گھر میں امی ابو، میں، رضی اور چھوٹا سا نومی۔ مالک چاچا پانچ سموسے ڈالتے اور اسی شاپر میں تھوڑے سے پکوڑے یا پھر جلیبی ڈال دیتے کہ روزے دار کھائیں گے ثواب ملے گا۔ اور اب دکان دار کہتے ہیں روزے دار ہیں، یہ چیز تو لینی ہی پڑے گی ان کی تو خوب کھال اتارو۔

پھر ہم فروٹ والے چاچا کے پاس جاتے تھے۔ (وہ رفیق کے ابا) مجھے ان کا نام بھول گیا۔ وہ لوگ تو اس وقت کے فرشتے تھے۔ صرف دس روپے میں وہ شاپر بھر دیتے تھے۔ ایک سیب ڈال

دیا ایک مالٹا، دو کیلے، ایک انار، امرود اور جو بھی فروٹ دکان پہ ہوتا۔ پھر کہتے کہ روزہ کھولنے میں بیس منٹ رہتے ہیں۔ سیدھے گھر جانا۔

اور اب تو فروٹ رمضان میں آسمان سے بات کر رہا ہوتا ہے۔ ہر چیز کی قیمت ڈبل کر دی جاتی ہے۔ امی ابو پھر مل کر جلدی سے چٹائی پہ چیزیں رکھتے تھے۔ چٹنی ہمارے ابو ہی بناتے تھے۔ (اب بھی کبھی کبھار بنا دیتے ہیں) خیر افسوس نہیں کہ چیزیں اور قیمتیں اتنی اوپر چلی گئی ہیں۔ افسوس یہ ہے کہ وہ مسلمان نہیں رہے جو کہ رمضان میں پیسے کے ساتھ نیکی بھی کماتے تھے۔

2۔ سحری میں دیسی گھی کھایا جاتا ہے تب چھ سو کا کلو آتا تھا اب چار ہزار میں آتا ہے اور افطاری بھی ویسی ہی ہوتی ہے بلکہ اب دستر خوان بھرا ہوتا ہے، ہاں گھر کی بنی چٹنی ہر حال میں ہوتی ہے۔ (شاید بیس سال بعد یہ سب بھی نہ رہے، کہ سب ایک ساتھ روزہ افطار کرتے ہوں، تب یہ باتیں بھی خواب ہو چکی ہوں۔

رضوانہ وقاص...... کرلاں ہری پور

1۔ جی بالکل شعبان میں ہی رمضان المبارک کی تیاریاں شروع ہو جاتی ہیں۔ تیاری میری امی کرتی ہیں کہ باورچی خانے کو ویسے بھی گندہ نہیں چھوڑتیں، لیکن رمضان سے پہلے سارا صاف کرتی ہیں۔ مرچ مسالوں کے ڈبے صاف کر کے سامان ڈالتی ہیں۔ ہر سال نیا چونا لگاتی ہیں۔ خود۔ اور میں یہ ہی بولتی ہوں اور دعا کرتی ہوں۔ اللہ پاک مجھے روزے رکھنے کی ہمت دینا اور میں نماز ادا کر سکوں۔ آمین اور شکر الحمدللہ باقی سال بھی کوشش یہی ہوتی ہے نماز۔ سختی پابندی سے کر سکوں۔

رمضان میں شکر ہے عبادت کر لیتی ہوں۔ قران مجید۔ تسبیح وغیرہ نماز سب کر لیتی ہوں۔ اس بار بھی اللہ سے ہی دعا کرتی ہوں جس حال میں بھی رکھے تو اللہ پاک رکھ سکتا ہے تیری گناہ گار بندی ہوں۔ ظہر کی تیاری کرتی ہوں مطلب امی وضو کرواتی ہیں۔ پھر عصر کا وضو کرواتی ہیں تو اس وضو سے مغرب اور عشاء کی نماز پڑھ لیتی ہوں۔ اور میرے پاس پنج سورہ ہے۔ سب کو پہلے رمضان سے لے کر آخری روزے تک سبق سناتی ہوں اور سب پڑھتے ہیں، ماشاءاللہ میرے بچے چھوٹے چھوٹے ہیں۔ سب روزے کے پابند اللہ پاک سے یہی دعا کرتی ہوں نیک فرمانبردار بنائیں۔ آمین

2۔ جی ہر گھر میں افطاری اور سحری کا اہتمام ہوتا ہے۔ میں کام نہیں کر سکتی اب۔ لیکن جب امی سحری بنانے کے لیے اٹھتی ہیں۔ مجھے جگا دیتی ہیں۔ میرا مسئلہ ہے ناں، آرام سے اٹھا کر بٹھا کر میرے لیے پانی گرم کیا ہوتا ہے۔ اس سے وضو کرواتی ہیں۔ اگر رمضان میں بارش ہو جائے۔ پھر میں وضو نہیں کر سکتی میرے پاؤں ہی گرم نہیں ہوتے۔

تو سحری میں جلدی جلدی امی ہر کام کرتی ہیں۔ رات کا سالن بچا ہوا ہے، ٹھیک ورنہ میں زیادہ تر آملیٹ کھاتی ہوں سادہ والا کیونکہ مجھے دن کو بھوک لگ جاتی ہے درد شروع ہو جاتا ہے۔ مجھے ڈاکٹر نے منع کیا ہوا ہے کب سے روزے رکھنے کو لیکن میں روزہ نہیں چھوڑتی الحمدللہ سارے رکھتی ہوں۔

اس وجہ سے میری سحری ہیوی ہوتی ہے۔ دہی میں چینی ڈال کر کھاتی ہیں اور دیسی گھی امی بچوں کے لیے لازمی منگواتی ہوں۔ اور افطار میں تو پکوڑے نہ ہو مزہ ہی نہیں آتا۔ اب سردیوں کے روزے ہیں۔ لیکن جب گرمی کے تھے تو شربت جام شریں۔ اور لیموں والا شربت مجھے پسند ہے اور کبھی کبھار دودھ والی لسی زیادہ بچوں کو پسند ہے۔

اور اب سردیوں کے روزے ہیں تو چائے۔ ہمارے گھر میں کولڈ ڈرنک نہیں پسند۔ پکوڑوں کے

ساتھ دہی والی چٹنی اور چاٹ لازمی ہوتی ہے۔اور بچوں نے جو افطاری کے ٹائم کھانا ہوتا ہے۔امی کو بتا دیتے ہیں نا تو آج افطاری میں لازمی ہونا چاہیے۔

چاول روز نہیں تو دوسرے دن لازمی، امی سادہ پکاتی ہیں بہت ہی مزے کے ہوتے ہیں۔ چاہے آلو والے ہوں یا پھر چنے والے بہت ہی مزے کے۔اور ہمارے ہاں ستائیسویں شب کو سویاں بنتی ہیں۔گھر والے سویاں بولتے ہیں۔ لازمی پکائی جاتی ہے۔ان پر دعا ہوتی ہے۔سویاں گھر پر بناتے ہیں۔بہت ہی مزے کی۔

اور عید پر بھی ہمارے گھر لازمی بنتی ہیں۔اگر کسی کو کھانی ہو تو بتانا ہے۔میں ترکیب لکھوادوں گی۔

فرزانہ انصاری......کراچی

سب کی طرح میں بھی رمضان المبارک کی آمد سے قبل اس کے استقبال کے لیے پوری طرح فعال ہوجاتی ہوں۔ پورے گھر، کچن، فریج، الماری غرض ہر شے کی صفائی دھلائی کرنا ضروری۔راشن کی خریداری کرنا، مردانہ کپڑوں کی خریداری (کیونکہ بعد میں درزی لیتے نہیں) ہر طرح کے کپڑوں کی دھلائی کر کے رکھنا، غرض ہر طرح کے کام پہلے سے کر کے رکھنا تاکہ رمضان المبارک میں ان کاموں میں وقت ضائع نہ ہو اور ہم خاص طور پر صرف اور صرف عبادت پر دھیان دیں اور اپنے حقوق و فرائض بجا طور پر انجام دے سکیں۔

2۔آپی! یہ بات بالکل سچ ہے ہر کوئی اپنی حیثیت کے مطابق اہتمام کرتا ہے۔ پہلے چونکہ روزہ میں ہی رکھتی تھی تو زیادہ اہتمام نہیں کرتی تھی۔اب تو حسن بھی رکھتا ہے چھوڑ چھوڑ کر۔

بس رات کا سالن روٹی کے ساتھ ایک پیالہ بھر کے چائے۔

اب حسن روزہ رکھتا ہے تو اسے پراٹھا، چکن بوٹی، یا کباب پھینی ہر چیز چاہیے ہوتی ہے۔

حسن کے لیے اب افطاری میں بھی بہت اہتمام کرنا پڑتا ہے۔ میرے لیے تو صرف کھجور، شربت اور آلو کے پکوڑے ہی کافی ہوتے ہیں۔مگر جس دن حسن کا روزہ ہو، اس کا تو بس نہیں چلتا پورا "ریسٹورینٹ" گھر پر اٹھوا لے۔

گھر کے بنے مکس پکوڑے، آلو، ہری مرچ کے پکوڑے، فرائی چھولے، فنگر چپس (گھر کی) دہی بھلے، شربت، گھر کا کٹا فروٹ بازار سے مکس فروٹ چاٹ، چکن بریانی (رات کے کھانے کے لیے) آلو کے سموسے، قیمے کے سموسے، رول غرض ہر چیز اس کو چاہیے ہوتی ہے۔

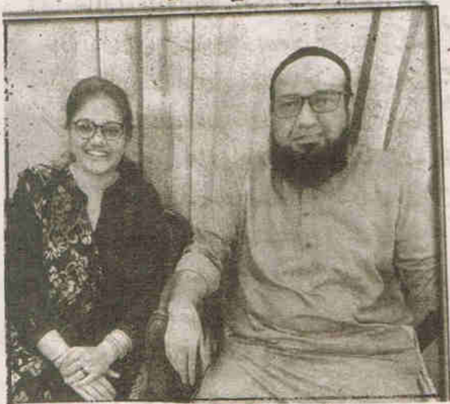
(یہ تو مجھے کہتے ہیں اس کو نہ اٹھایا کرو روزے کے لیے۔اتنا خرچا کرواتا ہے۔کھاتا نہیں ہے، اتنا مگر ایک بھی چیز نہ ہو تو منہ بن جاتا ہے۔میں سوچتی ہوں کہ چلو کسی بہانے سہی روزہ رکھنے کی عادت تو پڑے گی۔جبکہ سمجھاتی رہتی ہوں روزے کا مقصد صرف افطاری نہیں ہوتا بلکہ ہمیں پتا چلتا ہے بھوکا کیسے رہا جاتا ہے صبر، کیسے کرتے ہیں۔مگر ابھی وہ یہ بات نہیں سمجھتا۔کچھ بڑا ہوا تو سمجھ جائے گا ابھی تیرہویں سال میں لگا ہے۔

اب تو حذیفہ بھی بولتا ہے مما میں بھی روزہ رکھوں گا۔میں اس کو "چڑی روزہ" رکھواتی ہوں۔ بہت خوش ہوتا ہے۔سب کو بتا کر میرا بھی روزہ ہے۔مگر اسے صرف شربت اور آلو کے پکوڑے پسند ہیں۔

☆☆

امت العزیز شہزاد سے ملاقات

شاہین رشید



گزشتہ سے پیوستہ

"آپ کے افسانے یا ناول میں کسی جیتے جاگتے انسان کا عکس ہے؟ اور جب اس نے پڑھا تو سوچا کہ یہ تو مجھ پر لکھا ہے...... ایسا ہوا؟"

"ہاہاہا...... پہلے تو نہیں لکھی تھی۔ اب لکھ دی ہے والعصر میں اور اب اگر وہ پڑھ لے تو سمجھ جائے گی کہ یہ کہانی اس کی ہے۔ اور اگر اس نے کہا اور پھر جو ہوگا آپ کو ضرور بتاؤں گی۔" ہنستے ہوئے۔

"ٹی وی سے دوری کی وجہ؟"

"اس سوال کا اگر میں آپ کو مختصر ترین جواب دوں تو وہ یہ ہوگا کہ میں ٹی وی سے دور نہیں ہوں۔ ٹی وی مجھ سے دور ہے بہت...... اور آپ کو بتاؤں کہ جب میرا "شہر آشوب" چھپ رہا تھا تو مجھے بہت سی آفرز آئی تھیں اور میں وقتاً فوقتاً ون لائنز بھی شیئر کرتی رہی ہوں۔ اور اب ٹی وی چینل والوں کی طرف سے مجھے یہ کہا جاتا رہا ہے کہ آپ لکھتی اچھا ہیں۔ منفرد لکھتی ہیں ڈائجسٹ میں۔ لیکن وہ مختلف اور منفرد تحریر ٹی وی پہ کوئی نئی رائیٹر کے نام سے نہیں لگائے گا تو ادھر کہانی آ کر پھنس جاتی ہے اور روایتی کہانی جو ٹی وی کے لیے چاہیے ہوتی ہے وہ میں لکھ نہیں سکتی۔"

"کیا لکھنے میں مزہ آتا ہے۔ رومانس سنجیدہ یا کامیڈی؟ دل کس میں لگتا ہے؟"

"یوں تو میں جو کچھ لکھتی ہوں۔ دل سے ہی لکھتی ہوں اور اسے انجوائے بھی کرتی ہوں۔ مگر پھر بھی مجھے "مزاح" لکھنے میں زیادہ لطف آتا ہے۔

اور اس سوال کا جواب دینا ذرا مشکل ہے کہ کون سی تحریر پسندیدہ ہے کہ خواہ چھوٹا سا افسانہ ہی کیوں نہ ہو میں نے تو پوری محنت توجہ اور دل سے ہی لکھا ہے۔ مگر پھر بھی میں "والعصر" کو اس بنا پر پسندیدہ ترین قرار دوں گی کہ اسے لکھتے ہوئے سمجھ لیجیے کہ اپنی ذات کے ایک نئے رنگ سے خود مجھے آشنائی ہوئی اور اس سفر میں، میں نے خود بہت کچھ سیکھا ہے۔"

"کس کس کو بہت پڑھا؟"

"جب ٹین ایج میں ڈائجسٹ پڑھنا شروع کیا تو نبیلہ ابر راجہ کی تحریریں ڈھونڈ ڈھونڈ کر پڑھا کرتی تھی۔ پھر اس کے بعد جب باقاعدگی سے پڑھنے لگی تو فائزہ افتخار، راحت جبیں، فاخرہ جبیں، عالیہ بخاری، ثمرہ بخاری، عنیزہ سید، رخسانہ نگار کا دور تھا تو انہیں ہی بہت پڑھا...... انہی دنوں رفعت سراج کا ایک ناول شائع ہو رہا تھا تو وہ اتنا پسند آیا کہ ان کے پچھلے تمام ناولز بھی منگوا کر پڑھے۔ رفعت ناہید سجاد کا "چراغ آخر شب" بھی انہی دنوں پڑھا۔

اور ڈائجسٹ کی دنیا سے باہر الطاف فاطمہ، امرتا پریتم، عصمت چغتائی، قرۃ العین حیدر، جمیلہ ہاشمی وغیرہ سے لے کر "منٹو" غلام عباس، ممتاز مفتی، مظہر الاسلام، تارڑ صاحب، ابن انشاء شفیق الرحمن وغیرہ سب کو ہی پڑھا ہے مگر حقیقت یہ ہے کہ ابھی بہت کچھ

پڑھنے کو باقی ہے۔"

"اتنے بہت سارے رائیٹرز کے آپ نے نام لکھے۔ان کی کتابیں خرید کر پڑھیں؟ یالائبریری سے فائدہ اٹھایا۔ اگر خرید کر پڑھیں تو آپ کے پاس تو اچھا خاصا ذخیرہ ہوگا اور ایک عدد لائبریری بھی؟"

"کتابیں پڑھنے کی شروعات یوں ہوئی کہ ڈائجسٹ میں جن کتابوں کے اقتباسات شائع ہوا کرتے تھے۔تو پہلے تو ان کتابوں کو محلے کی لائبریری سے لالا کر پڑھا...... اس لائبریری کا نام تھا"مونا لائبریری" وہاں ڈائجسٹ سے لے کر بچوں کی کہانیاں۔جاسوسی کہانیاں رسالے وغیرہ سب مل جایا کرتے تھے۔روزانہ کا کرایہ شاید پانچ روپے تھا۔تو وہاں سے لے کر خوب پڑھا۔ پھر وہ لائبریری ختم ہو گئی۔تو جو ہمارا ہاکر تھا اس کے پاس بہت بڑا ذخیرہ تھا کتابوں کا تو ان سے خرید کر پڑھتی بھی اور پھر وہ آدھی قیمت پر واپس لے لیا کرتے تھے۔

سب سے پہلے جو کتابیں میں نے خریدیں وہ شفیق الرحمن اور ابن انشاء کی تھیں۔پھر جو کتابیں مجھے اچھی لگتی تھیں وہ میں خرید لیا کرتی تھی۔تو لائبریری تو نہیں مگر کتابیں میرے پاس اچھی خاصی موجود ہیں۔"

"اتنا کچھ پڑھا، لکھا...... کوئی عجیب وغریب خواہش نے جنم لیا۔اس لکھائی پڑھائی کے دوران؟"

ہنستے ہوئے۔"ہاں میری ایک عجیب وغریب خواہش ہے کہ مجھے بچپن سے ہی اپنی زندگی میں ایک عدد سلیمانی ٹوپی یا پھر کسی اپنے ایسے گیجٹ کی شدید کمی محسوس ہوتی ہے، جو مجھے غائب کر سکے اب سوال یہ ہے کہ غائب کیوں ہونا ہے۔تو وجہ یہ ہے کہ بچپن میں تو ہر انسان کی درگت بنانے کی چاہت تھی جس کا میں اپنے مادی وجود کے ہوتے ہوئے بھی کچھ نہیں بگاڑ سکتی تھی۔ خیر بچپن تو گزر گیا مگر دل کی تمنا ابھی بھی وہیں ہے یہ اور بات ہے کہ غائب ہو کر کرنے والے کاموں اور دماغ کو ٹھکانے لگانے والے ناموں کی فہرست ذرا طویل ہے۔"

"آپ کی تحریریں آپ کی اپنی فیملی میں کون کون شوق سے پڑھتا ہے؟"

"گھر والوں میں تو میری امی میری تحریریں شوق سے پڑھا کرتی تھیں اور وہی فیڈ بیک بھی دیا کرتی تھیں۔ان کے بعد میرے گھر میں تو اور کوئی نہیں پڑھتا۔ ہاں البتہ میرے سسرال میں میری جیٹھانی پڑھتی ہیں میری چھوٹی نند بھی پڑھتی ہے۔شہزاد (میاں) کی سب سے بڑی بھانجی اور اس کی بیٹیاں جو رشتے میں میری نواسیاں ہوئیں۔وہ بھی پڑھ کر فیڈ بیک دیتی ہیں۔مگر کسی کو ڈائجسٹ میں لکھنے کا شوق نہیں ہے۔"

"شہزاد صاحب کی بھانجی کی بیٹیاں جو رشتے میں آپ کی نواسیاں ہیں۔ آپ کو کیا کہہ کر بلاتی ہیں"نانی" کیونکہ آپ کی تو اپنی بیٹیاں چھوٹی ہیں۔ اور شہزاد صاحب کو نانا کہتی ہوں گی؟"

"دراصل شہزاد کی جو دو بڑی بہنیں ہیں ان کے بچے دو چار سال ہی چھوٹے ہیں شہزاد سے اور مجھ سے وہ عمر میں دو چار سال ہی بڑے ہیں۔تو جو بھانجی ہے اس کی تو اب بیٹی کی شادی بھی ہونے والی ہے۔ شہزاد کو گھر میں سب"عدنان" کہتے ہیں تو نواسیاں انہیں "عدنان ماما" کہتی ہیں اور مجھے مامی کہتی ہیں، ہاں ایک بھانجے کی چھوٹی بیٹی مجھے"اصل دادی" کہتی ہے۔اور میری چھوٹی بیٹیاں وہ "خالہ پھوپھو" ہیں نواسیوں کی ہاہاہا۔"

"گھر داری سے کتنا لگاؤ ہے؟"

"میں آپ کو بتاؤں کہ جب میں آٹھ نو سال کی تھی تو میں نے اپنی چیزوں کو خود سنبھالنا شروع کر دیا تھا۔اپنی الماری کو صاف ستھرا رکھنا، ہر شے کو قرینے سے ترتیب دینا، صفائی ستھرائی کی عادت بچپن سے ہی مجھ میں آ گئی تھی۔ دلچسپ بات یہ کہ اپنے کپڑے بھی خود دھوتی تھی۔ میری نانی مرحومہ بے حد صفائی پسند تھیں۔وہ اپنے کپڑے کسی اور کے کپڑوں کے ساتھ کبھی نہیں دھویا کرتی تھیں۔ گھر بھی بے حد صاف ستھرا رکھا کرتی تھیں۔تو یہ ساری عادتیں کوٹ کوٹ کر

میرے اندر بھی بھری ہوئی ہیں۔ میں اپنے روم اور واش روم کو بے حد صاف کرنے کے معاملے میں نفسیاتی پن کی حد تک پہنچ گئی تھی، میرا تو یہ حال تھا کہ کسی کے گھر جا کر یا کسی بھی جگہ جا کر واش روم استعمال کرنے میں پریشانی ہوتی تھی ...... میرا کوئی تکیہ استعمال کر لیتا تھا تو گویا قیامت آ جاتی تھی۔ ذرا سی پرشکن چادر پر مجھے نیند نہیں آتی تھی۔ میرا گلاس ہمیشہ علیحدہ ہوتا تھا۔

یہ سب سن کر آپ کو لگا ہوگا کہ میں کوئی بہت ہی خبطی قسم کی خاتون تھی۔ مگر بات کچھ یہ تھی کہ میں حد درجہ صفائی پسند تھی، جبکہ میری دادی کے گھر میں ان معاملات کو اتنی اہمیت نہیں دی جاتی تھی تو شاید اسی لیے میں نے خود اپنا انتظام کر لیا تھا...... گندگی اور پھیلاوے سے مجھے سخت الرجی ہے۔ مگر کیا کریں۔ گھر میں تو آپ اس کا خیال رکھ لیں گے۔ پر گھر سے باہر قدم نکالتے ہی لگتا ہے کہ جیسے ہم گندگی اور کچرے کے ڈھیر میں رہتے ہیں۔ گھریلو امور سے مجھے دلچسپی ہے مگر ایسا بھی نہیں ہے کہ اپنے صبح و شام اس کے نام کر دوں۔

کوکنگ سے لگاؤ ہے مجھے ...... گھر کا پکا کھانا مجھے اچھا لگتا ہے اور میں خود بھی اچھا کھانا پکا لیتی ہوں اور اکثر لوگوں کو میرے ہاتھ میں ذائقہ لگتا ہے اس لیے وہ میرے پکے کھانے شوق سے کھاتے ہیں...... اور چونکہ میں کھانے کی شوقین ہوں تو نئی نئی ڈشز ٹرائی کرتی رہتی ہوں۔ ہاں روٹی میں آج تک اچھی نہیں بنا سکتی۔ آٹا گوندھنے اور سبزیاں کاٹنے سے مجھے چڑ ہے۔ گھر کو سجانے کا شوق ہے مگر گھر کو سامان سے بھرنے کا شوق نہیں ہے۔

سیاست پسند ہے اور 92ء سے میرے ذہن میں آج تک اس وقت کے حالات تازہ ہیں اور میرا خیال ہے کہ میری طرح اور لوگوں کے دلوں میں اس زمانے کا خوف اور وحشت آج بھی موجود ہوگی۔ بہت خراب حالات تھے اس وقت۔

مجھے یاد ہے کہ ”گل بہار“ میں رہنے والے



ہمارے ایک رشتے دار خاندان نے ان دنوں ہمارے گھر میں کئی ماہ رہائش اختیار کی تھی۔ کیونکہ ان کا علاقہ میدان جنگ بنا ہوا تھا۔ اس زمانے کے ایسے کئی واقعات ہیں کہ اگر لکھنے بیٹھوں تو اسی میں انٹرویو کے صفحات پورے ہو جائیں۔

سیاست میں زیادہ دلچسپی میں نے ”بے نظیر بھٹو“ کے قتل کے بعد لینا شروع کی اور نہ صرف اپنے ملک کی سیاست سے بلکہ غیر ملکی یعنی عالمی سیاست سے بھی بہت لگاؤ ہو گیا ہے۔ ملکی حالات پر میری گہری نظر ہوتی ہے۔

سیاحت یعنی گھومنے پھرنے سے مجھے بہت لگاؤ ہے اور بچپن سے ٹین ایج تک، میں نے اندرون ملک بہت سفر کیا ہے۔ پھر شادی کے بعد جب عمان میں رہنا ہوا تو گلف کا کچھ حصہ بھی دیکھ لیا۔ اب تو زندگی باخیر بچے بڑے ہوں گے تو پھر نکلیں گے کہیں گھومنے پھرنے۔

گھر سے باہر کھانا کھانا لازمی نہیں ہوتا اور نہ ہی کاؤنٹ کرتے ہیں۔ بس جب دل چاہتا ہے یا موقع ملتا ہے تو چلے جاتے ہیں۔ یا پھر گھر پر منگوا لیتے ہیں۔ ویک اینڈ پر بچوں کا دل چاہتا ہے کہیں نہ کہیں جانے کو تو چلے بھی جاتے ہیں۔“

"فیشن سے کتنا لگاؤ ہے؟"

"فیشن سے مجھے لگاؤ ہے۔ مگر میں فیشن میں اندھی تقلید پر یقین نہیں رکھتی۔ اور پھر فیشن کرنا کوئی فرض تو ہے نہیں...... ویسے میں زیادہ تر فیشن میں اپنی سہولت کو ترجیح دیتی ہوں۔ اور اپنی پسند کو بھی...... موقع کے حساب سے مجھے بجنا سنورنا پسند ہے۔ مگر میں ہر وقت بنی سنوری نہیں رہ سکتی۔"

"کوئی عادت جو والدین سے آپ میں منتقل ہوئی۔ اپنے میاں صاحب کے بارے میں بھی بتاؤ؟"

"میرے والد جن کا نام معین الدین تھا......اور وہ ماہر چشم تھے۔ ان کی آواز بہت اچھی تھی۔ اس لیے اکثر گھریلو تقریبات میں ان سے گانے کی فرمائش کی جاتی۔ بلا کے بذلہ سنج اور شرارتی۔ ان کے مزاج کی شرارت مجھے بھی ان سے یعنی والد صاحب سے ملی ہے۔ ان کے کردار میں بہت رنگ تھے۔ ان شاء اللہ کبھی موقع ملا تو لکھوں گی ان پر۔

آپ کے اس سوال پر کہ میاں صاحب کے بارے میں بتائیں تو میں نے شہزاد سے پوچھا کہ آپ کچھ شامل کروانا چاہیں گے اپنی طرف سے ...... تو جواب آیا۔

"بتادو کہ میں بہت اچھا انسان ہوں۔ میں وہ پارس ہوں جس نے تمہیں سونا بنادیا اور کوئی تمہیں اتنا نہیں سمجھتا جتنا میں سمجھتا ہوں اور تم جو چاہو وہ کرتی ہو۔ اس لیے کہ میں تمہیں پریشان نہیں کرتا اور......"

ابھی ان کا بیان مکمل نہیں ہوا تھا کہ میں نے کہا "دھرتی کانپ رہی ہے یہ سب سن کر بس کردیں۔"

جس پر وہ کچھ خفا ہو کر خاموش ہو گئے۔ مگر خیر......ان میں سے کچھ باتیں ٹھیک بھی ہیں۔ یہ صاحب مجھے اپنی زندگی کے ایسے موڑ پر ملے تھے کہ جہاں میں ہر طرف سے تنہا اور منتشر تھی۔ اس لحاظ سے کچھ کریڈٹ تو ان کو جاتا ہے۔

جہاں تک بچوں کی بات ہے تو زینب ابھی نو برس کی ہوئی ہے اور مجھے اس کے انداز و اطوار میں اپنا عکس نظر آتا ہے۔ "سچی" چھ سال کی ہے اور یہ ایسے ایسے سوال کرتی ہے کہ خود سوال اس سے پناہ مانگ لے۔ جب میری شہزاد سے کسی بات پر بحث ہو رہی ہو تو یہ جہاں کہیں بھی ہوتی ہے، وہیں سے بنا کچھ جانے سمجھے نعرے لگانا شروع کر دیتی ہے کہ امی ٹھیک کہہ رہی ہیں۔ بہت مزہ آتا ہے اس کی معصوم سی حمایت پر ان دونوں کو لائم لائٹ میں آنے کا بڑا شوق ہے۔......"

"اصل آپ نے شہزاد صاحب کے ذکر پر کہا کہ یہ مجھے زندگی کے ایسے موڑ پر ملے تھے جہاں میں ہر طرف سے تنہا اور منتشر کھڑی تھی۔ اس کا کیا مطلب ہے؟"

"میں نے آپ کو بتایا ہے نا کہ جب میں دس سال کی تھی تو سب الگ الگ ہو گئے تھے۔ تو میں چونکہ دادی کے ساتھ رہا کرتی تھی تو وہ مجھے اپنے ساتھ لے گئیں۔ اب میں یہاں ایک بات واضح کر دوں کہ میری دادی کے ساتھ بہت سنجیدہ نفسیاتی مسائل تھے۔ وہ شیزوفرینک (بھول جانے کی بیماری) کے ساتھ ساتھ ہسٹیریا کی بھی مریضہ تھیں یہ اور بات ہے کہ وہ ان مسائل کو جن بھوت کا سایہ سمجھتی تھیں اور بھی مسائل تھے، پر ایک دس سال کی بچی کو اس کا ادراک کیسے ہو سکتا تھا۔ تو بہر حال سمجھ لیں کہ میں نے دس سال سے سولہ سال کی عمر تک وہ وہ کچھ بھگتا ہے جو میں بیان نہیں کر سکتی، بہتان، الزام تراشی، منفی ذہنیت نے میری ذہنی حالت تباہ کر دی تھی۔

کوئی عید، تہوار مجھے نہیں یاد کہ میں نے بنا روئے گزارا ہو سب ان کی فطرت سے واقف تھے اس کے باوجود مجھے ایسے ٹریٹ کیا جاتا تھا کہ جیسے میں بہت بڑی نافرمان۔ گناہ گار ہوں۔ ان کی ہر زیادتی پر مجھے ہی یہ کہہ کر درس دیا جاتا تھا کہ "بھئی محبت بھی تو بہت کرتی ہیں تم سے۔"

تو لوگوں کے اس رویے نے مجھے باغی بنا دیا تھا اور پھر میرے والدین کا کردار اس قصے میں یہ رہا کہ وہ مجھے کبھی ڈیفنڈ نہیں کر سکے کہ لوگ کیا کہیں گے اور

یہ ہم تمہیں کیسے لے جائیں، وہ اکیلی رہ جائیں گی۔ ان کے پاس ہزار عذر تھے مجھے اس جہنم میں پھینک کر رکھنے کی، بہرحال...... تو بس جب میں ساری ساری رات اپنے کمرے میں تنہا بیٹھی یہی سوچا کرتی تھی کہ کیسے اس زندگی سے نجات حاصل کروں۔

تو ان ہی دنوں شہزاد میرے ٹیوٹر کی جگہ کچھ دنوں کے لیے مجھے پڑھانے آ گئے۔ چونکہ ٹیوٹر میرے چچا کے دوست تھے اور یہ ان کے دوست...... تو میں نے ان سے بھی جان چھڑانے کے لیے خوب کوشش کی۔ یہاں میں یہ بتا دوں کہ دادی، چھوٹے چچا اور میں ساتھ رہا کرتے تھے اور چچا ظاہر ہے کہ اپنی اماں کے شدید خیر خواہ تو مجھے ان سے بھی چڑ تھی۔ تو ہوا یوں کہ شہزاد نے چچا سے شکایت کی کہ یہ جو آپ کی بھتیجی ہے، ہے تو بے حد ذہین مگر مجھے لگتا ہے کہ یہ جان بوجھ کر نہیں پڑھ رہی......

اس کے بعد چچا نے میرے جو کردہ ناکردہ گناہ ان کے سامنے بیان کیے تو مزہ ہی آ گیا۔ یہ شاید پہلے ایسے شخص تھے کہ جنہوں نے میری دادی اور چچا کی باتوں کے تناظر میں مجھے نہیں دیکھا اور اپنی خدائی فوج دار فطرت کے ہاتھوں مجبور ہو کر مجھے سمجھاتے بجھاتے رہے۔ امتل نے اس پر بڑا اچھا کمنٹ کیا کہ "شکر کرو ایک اچھا انسان تمہیں مل گیا ہے۔" اب میں سوچتی ہوں کہ کوئی اور ہوتا تو اللہ ہی حافظ ہوتا میرا کہ میں تو اپنے ہی گھر میں غیر محفوظ تھی۔"

"اللہ نے آپ کو تین بیٹیاں عطا کی ہیں۔ کبھی سسرال والوں نے بیٹے کا طعنہ دیا۔ کبھی آپ کو کمی محسوس ہوتی؟"

"اگر میں اپنے سسرال کی بات کروں تو کسی نے بھی کبھی کچھ نہیں کہا۔ ہاں جب ولادت متوقع ہوتی ہے تو سب دعائیں کرتے ہیں کہ بیٹا ہو جائے۔ میری سب سے پہلی اولاد بیٹا ہی تھا جو آٹھویں ماہ میں اللہ کو پیارا ہو گیا۔ پھر اس کے بعد نہیں ہوا۔ خیر بیٹے کی کمی کا احساس ابھی تو نہیں ہوتا آگے چل کر ہو تو کچھ کہہ نہیں سکتا بندہ...... ہاں باہر والوں کو بہت رحم اور ترس آتا ہے کہ ہائے بے چاروں کے یہاں بیٹا نہیں ہے۔ اس رویے کا سامنا تو آئے دن کرنا پڑتا ہے اور مزے کی بات یہ کہ اگر ہم کہیں کہ ہمارے نزدیک اس بات کی اہمیت نہیں تو تمسخر سے دیکھا جاتا ہے جیسے ہم جھوٹ بول رہے ہو۔"

"اور آخر میں نئے لکھنے والوں کے لیے کچھ کہنا چاہیں گی؟"

"نئے لکھاریوں کے لیے میں یہ کہنا چاہوں گی کہ میرے مشاہدے میں دو طرح کے لکھاری ہیں۔ یا یوں کہوں تو زیادہ بہتر ہوگا کہ دو کیٹگیریز ہیں۔ ایک لکھاری تھا "ڈرامہ ڈائجسٹ رائیٹر سے پہلے کا اور دوسرا وہ جس نے ڈرامہ ڈائجسٹ رائیٹر دیکھ کر لکھاری بننے کا سوچا۔ جن کو دو لفظ لکھنے آئے وہ بھی اس میدان میں اتر آئے۔ کچھ نے تو اپنا "سرنیم" بھی عمیرہ احمد اور نمرہ احمد کے نام پر رکھ لیے ہیں۔ ایک دو افسانوں کے بعد اپنے آفیشل پیج بنا لیے ہیں۔ کہانیاں ادھر ادھر سے لے کر ہر ماہ صرف اپنا نام شائع کروانے کے لیے ہر طرح کے حربے استعمال کرنا شروع کر دیئے۔ میڈیا والوں کی نظر میں آنے کی ایک ریس شروع ہو گئی۔ جس سے ڈائجسٹ رائیٹر...... جنہیں پہلے ہی ادبی سماج کے شودر سمجھا جاتا تھا، کی ساکھ اور عزت نفس کو بری طرح مجروح کیا گیا۔ ہم سب اس طرح کے رویے پر کڑھتے ہیں مگر کچھ کر نہیں سکتے۔ ڈائجسٹ رائیٹر کی بدنامی میں ان کا بھی بڑا ہاتھ ہے۔"

اور اس کے ساتھ ہی ہم نے امت العزیز شہزاد سے اجازت چاہی۔

گزشتہ شمارے میں امت العزیز کی سالگرہ کی تاریخ 20 فروری شائع ہو گئی تھی جبکہ اصل تاریخ 20 دسمبر ہے۔

(امت العزیز نے کہا ہے کہ شہر آشوب انہوں نے صرف خواتین میں ہی بھیجا تھا کسی اور پرچے میں نہیں۔)

☆☆



نادرہ خاتون

خط بھجوانے کے لیے پتا۔
خواتین ڈائجسٹ۔ 37۔ اردو بازار کراچی۔
Email:Info@khawateendigest.com

عینا عمر خان...... کراچی

شازیہ جمال طارق: اک ستارہ جو بجھ گیا۔ اک پھول جو مرجھا گیا۔ اک شمع جو گل ہوگئی۔ اک چاند جو ماند پڑ گیا۔ اک دل جو دھڑکنا بند ہوگیا اور اس کے ساتھ ہزاروں دل جو دکھ سے بھر گئے۔

شازیہ جمال کی موت کا یقین بالکل نہیں آتا میں شازیہ جمال طارق کا نام بار بار پڑھ رہی تھی، مجھ سے پڑھنے میں غلطی نہیں ہوئی، اللہ کرے آپ سے نام لکھنے میں غلطی ہوگئی ہو۔

ابھی پچھلے سال ستمبر میں تو ان کا انٹرویو پڑھا تھا ان کا چھوٹا بیٹا اس وقت دو ماہ کا تھا وہ بچہ اب ڈیڑھ سال کا ہوگا وہ کمروں میں، برآمدوں میں ماں کو ڈھونڈتا ہوگا۔ میں سوچتی ہوں جس بیٹی نے شادی کے بعد اپنے نام کے ساتھ لگا باپ کا نام ہٹانا گوارا نہیں کیا اس کے باپ نے کیسے اپنی بیٹی کو قبر میں اتارنا گوارا کیا ہوگا۔

شازیہ جی سے اتنی محبت کی وجہ مجھے خود بھی سمجھ میں نہیں آرہی۔ ان کا انٹرویو پڑھنے کے بعد ان سے انسیت سی ہوگئی تھی۔ بغیر کسی سے ملے اسے جاننے ایسی محبت ہے ناں! عجیب سی بات!

ان کی ہر تحریر مجھے پسند تھی۔ انہوں نے قلم کا حق ادا کیا۔ قلم کی حرمت کا ہمیشہ خیال رکھا ان کی ہر تحریر میں ہر عمر کی لڑکی کے لیے ایک سبق تھا۔ ان کی تمام تحریریں میرے دل کے بہت قریب ہیں۔ جب میں نے ان کی موت کا پڑھا تو میں بہت اداس تھی۔ دل چاہ رہا تھا۔ کسی سے بات کروں مگر کس سے یہاں کوئی ڈائجسٹ نہیں پڑھتا کوئی کسی کو نہیں جانتا۔

میرا دل بہت اداس ہے ڈائجسٹ میں کہانیاں لکھنے والی ایک لڑکی فوت ہوگئی ہے میں نے زبیر سے کہا۔

''اچھا یہ تو بہت افسوس کی بات ہے۔'' وہ سمجھ گئے بیوی اداس ہے کسی سے بات کرنا چاہتی ہے اس لیے میرا دل رکھنے کے لیے بولے۔

''آپ کی بہن فرحت ناز کی عمر کی تھی چھوٹے چھوٹے بچے تھے اس کے۔'' میری آنکھیں بھیگنے لگیں۔

''دیکھو زندگی اور موت تو سب کی ساتھ ہے تم اس کے لیے دعا کرو مرنے والوں کو زندہ لوگوں کی دعا کی ضرورت ہوتی ہے۔''

اور میں نے دعا کے لیے ہاتھ اٹھا دیے شازیہ جی کے لیے۔ مغفرت کی دعا ان کی بہنوں، شوہر، بچوں اور تمام اہل وعیال کے لیے صبر کی دعا۔

شازیہ الطاف ہاشمی...... شجاع آباد

پیاری سمیرا حمید خط لکھے تو کافی عرصہ ہوگیا مگر آج آپ کے الفاظ نے میری آنکھوں میں آنسو بھر دیے واقعی ہر عورت جو سید ھے رستے پر ہے اس ہر عورت نے اپنا دل قربان کیا ہے اپنی روح گروی رکھی ہے جو کہ نہیں رکھنی چاہیے تھی، عورتیں گھر آباد کرتی ہیں دل آباد رکھتی ہیں۔ زندہ رہنا بڑی بات نہیں۔ خود اپنے آپ کو زندہ رکھنا اصل بات ہے تو پڑھنے والی ساری بہنو! اچھی دوستیاں پالو، کھاؤ پیو اور خوش رہو اور بڑی سوچ کی مالک سمیرا حمید اللہ آپ کی عمر دراز کرے، یونہی روشن راستے دکھاتی رہیں، صحت

مندر ہیں آباد رہیں آپ کے لیے ڈھیروں دعائیں!

ج: پیاری شازیہ! خوب صورت الفاظ میں لکھی آپ کی تعریف سمیرا تک پہنچا رہے ہیں۔ سمیرا کے اس مضمون کو خواتین کی بیشتر قارئین نے سراہا ہے۔

ناہید اسماعیل...... کراچی

ہمارا پسندیدہ موسم رخصت ہو گیا اور ہم ابھی سے تصور میں لو کے تھپیڑوں سے بے حال ہونے کو ہیں۔

ٹائٹل کی ماڈل سر پر دوپٹہ لیے پیاری لگی۔ کہنی سُنی میں نئی مصنفین کو بہترین رہنمائی اور مشوروں سے نوازا گیا۔ کرن کرن روشنی کا موضوع ہمیشہ کی طرح ضروری اور اہم۔ میں اکثر جگہوں پر صفائی نصف ایمان ہے لکھا دیکھ کر یہی سوچتی ہوں کہ صفائی کے ساتھ طہارت کا لفظ بھی لکھنا چاہیے کیونکہ صفائی میں تو غیر مسلم ممالک بھی ہم سے آگے ہیں مگر ایمان سے محروم۔ طہارت کو دین کے لیے لازم ٹھہرایا گیا یہ اسلام کی شان ہے۔

انٹرویو کی فہرست میں سمیرا حمید کے نام نے چونکا دیا سوا بتدا انہی سے کی، واہ کیا اڑان اور بلند پرواز ہے ان کی سوچ کی۔ ان کا مشورہ، نصیحت اور رہنمائی بہت خوب ہے۔

امت العزیز شہزاد کی باتیں دلچسپ اور بچپن کی یادیں لگیں۔ یوں کہیں پوری ملاقات زبردست ہے۔ عرفان موتی والا اپنے انٹرویو سے کافی حقیقت پسند انسان لگے۔

انگنا پھول کی ثانیہ اب بھی خوش فہمیوں میں ہے دادی کی تنہائی اور وقت آخر کی کیفیت راحت جی نے کچھ ایسے کرب انگیز انداز میں بیان کی کہ مجھے لگتا ہے میں کہانی کا یہ حصہ کبھی دہرا نہیں پاؤں گی۔ راحت جبیں کے لیے ڈھیر ساری دعائیں۔

پردیس میں یقین ہو چلا ہے کہ مشعل کے غائب ہونے میں اس کے باپ کا ہی ہاتھ ہے۔ جانے کیوں لگتا ہے کہ شہریار کو عقل آ ہی جائے گی۔

نعیمہ ناز کا ناول دل میں گھر کر گیا۔

آسیہ رئیس نے خوب صورت لکھنے کی روایت برقرار رکھی۔

حنا بشریٰ کی تحریر شانو جیسی لڑکیوں کے لیے ایک یادگار سبق ہے۔ آمنہ کی نصیحت کے الفاظ متاثر کر گئے۔ لبنیٰ آصف کا مختصر افسانہ اچھا لگا۔ منیزہ نے ایک غلطی کر کے ہمیشہ کے لیے شوہر کی نظر میں اعتبار کھو دیا۔

حمیرا شفیع کے افسانے کا عنوان باجی سعدیہ کے بجائے بھائی ریحان ہونا چاہیے تھا۔

آمنہ اشرف کی تحریر پسند آئی۔ طیبہ کی زود رنجی کچھ زیادہ لگی۔ چراغ دل میں فاطمہ احمد کا انداز بیاں اچھا لگا لیکن کہانی واضح نہیں تھی پتا نہیں چلا کہ کب کس کے ساتھ کیا ہوا۔ قانتہ رابعہ کی مختصر تحریر نے پلکیں نم کر دیں۔ مشہود کے بھائی بہن اور رشتے دار غلط نہیں تھے پیچھے رہ جانے والوں نے طوہاً اور کرہاً اپنی زندگی بھی جینا ہی تھی۔

بہنوں کی محفل میں زرینہ خانم، حنا جاوید اور فرخندہ سلیم کا تبصرہ اچھا لگا۔ عائشہ لطیف کا خط پڑھ کر دل سے ان کے لیے دعا کی، مہناز نے درست کہا ہماری اردو، ڈائجسٹ پڑھنے سے ہی بہتر ہوئی ہے البتہ میری اردو میں جو کمی رہ جاتی ہے وہ میری اپنی نالائقی ہے ہاہا۔ صدف ناصر کہاں غائب ہیں پچھلے ماہ میں لکھنا بھول گئی۔

بیاض پر نظر پڑتے ہی ہم حیران ہو گئے کیونکہ شعر نمبر ایک سے چار تک ہمارے ارسال کیے ہوئے شامل تھے۔ بالکل ہماری لکھی ہوئی ترتیب کے مطابق لیکن صرف ایک پر ہمارا نام باقی دوسری بہنوں کے نام۔

نفسیاتی الجھنیں میں مسرج کی سوچ تھوڑی عجیب لگی۔ عدنان بھیا نے تینوں بہنوں کو نہایت دانش مندانہ اور مخلصانہ مشورے دیے، ان کا یہ جملہ دل کو لگ گیا کہ "زندگی میں بلاوجہ کی الجھنیں نہیں بڑھانی چاہئیں۔" لیکن کیا کیا جائے اس بات کی سمجھ تب آتی ہے جب پانی سر سے گزر چکا ہوتا ہے۔

ج: پیاری ناہید! آئندہ خاص طور پر خیال رکھیں گے کہ آپ کے اشعار آپ کے نام سے شامل ہوں۔ تفصیلی تبصرے کے لیے تہ دل سے ممنون ہیں۔

رضوانہ وقاص...... کرلاں ہری پور

اس بار خواتین نے انتظار نہیں کروایا۔ 7 تاریخ میرے شوہر کا کام تھا۔ ہری پور ارسلان بھی ساتھ گیا تو

رسالہ دیکھ کر مجھے بہت خوشی ہوتی ہے۔ سب دوستوں سے ملاقات ہو جاتی ہے۔ "کرن کرن روشنی" یہ باتیں بہت ہی اچھی ہیں پڑھ کر بہت کچھ سیکھنے کو ملتا ہے۔ کوشش تو یہی ہوتی ہے۔ کہ اچھی طرح وضو کر کے نماز پڑھ سکوں۔ اب میں وضو بہت مشکل سے کرتی ہوں۔ لیکن اللہ سے ڈر بھی بہت لگتا ہے اللہ جی تو غفور رحیم ہے۔ میری سب حالت جانتا ہے۔

"نیا سال" سمیرا احمید کا پڑھا۔ میں بہت تھک جاتی ہوں۔ لیکن پھر رسالوں میں کوئی نہ کوئی بات حوصلہ دے جاتی ہے۔ جیسے سمیرا احمید کا نیا سال پڑھ کر مل گئی۔ میں بھی بہت دعائیں کرتی ہوں۔ اللہ جی ابھی پھر تھوڑی بہت بہتر ہوں، مجھے اپنے گھر کا دیدار نصیب فرما (آمین) میں بھی عمرہ و حج کر سکوں۔ اللہ جی "عرفان موتی والا سے باتیں" ان کو میں یاسر نواز کا بھائی سمجھتی رہی۔ امت العزیز سے ملاقات اچھی لگی۔ آپ کی کہانیاں اتنی بار ریجکٹ ہو کر آخر شائع ہونے لگ گئی۔ میں بھی لکھ لکھ کر بھیجتی ہوں کیا پتا آپ کی طرح مصنفہ بن جاؤں۔ "ہمارے نام" خط نہ پڑھوں یہ ہو ہی نہیں سکتا۔ عائشہ لطیف جس طرح امی کے علاوہ کوئی سہیلی نہیں۔ میرا پہلے سب کوئی تھا۔ لیکن اب میری بہترین تنہائی کی ساتھی یہ رسالے ہیں۔ مجھے انہیں پڑھ کر بہت حوصلہ ملتا ہے اور بہت کچھ سیکھنے کو ملتا ہے۔ ثناء کنول بھائی اگر ہمیں کچھ بولتے ہیں نہ ہمارے فائدہ کا ہی بولتے ہیں۔ پٹھان تو سنا ہے بہت سخت ہوتے ہیں۔ کیا ایسا ہی ہے۔ ناہید اسماعیل آپ مجھ سے بھی زیادہ لمبا خط لکھتی ہیں۔ میں اب لکھتے لکھتے تھک جاتی ہوں۔ لیکن لکھنا نہیں چھوڑتی۔ کہ یہ میرا شوق ہے۔ لکھنا پڑھنا۔ ہمت تو نہیں ہارتی لیکن ان دنوں سر میں درد ہے۔ فرخندہ سلیم۔ سب کے شوہر تو منع نہیں کرتے ہوں گے۔ چلیں بچوں کی بھیج دیا کریں ناں۔ ہر مہینے نہیں سال میں ایک بار ٹھیک رہے گا۔ کیا خیال ہے سب کا گوشی جمال۔ اتنا غصہ ٹھیک نہیں صحت کے لیے۔ میں بھی تو لکھ لکھ کر بھیج رہی ہوں ریجکٹ کر دی جاتی ہے میں اتنی محنت سے لکھ کر بھیج رہی ہوں۔ گوشی آپ اور میمونہ آپس میں کیا لگتی ہے۔ صائمہ گل شکریہ دعا کے لیے۔ اور صائمہ گل میں آپ کو اپنے گھر آنے کی دعوت دیتی ہوں۔ انتظار رہے گا آپ کا۔ میری امی کہتی ہیں۔ بندہ زندہ ہو تو کہیں نہ کہیں مل ہی جاتا ہے۔ اور مجھے اللہ پاک نے بھتیجا دیا۔ حنا جاوید۔ شکریہ دعا کے لیے اور شکریہ جو مجھے دعاؤں میں یاد رکھتے ہیں۔ اب آتے ہیں کہانیوں کے تبصرے پر۔ "انگنا پھول کھلیں گے" میں پہلے خواتین نہیں پڑھتی تھی۔ لیکن یہ کہانی پڑھتی ہوں۔ اچھی لگی۔ ثانیہ سخت زہر لگی۔ ارم عفان کے ساتھ اتنی محبت کرتی ہے۔ تو عفان کو کچھ برا نہیں کرنا۔ میں بھی اپنے شوہر سے بہت محبت کرتی ہوں انہوں نے جو بھی کیا ٹوٹ گئی ہوں۔ لیکن دل ان کا اب بھی برا نہیں چاہتا۔

لبنیٰ آصف آپ اتنا اچھا کیسے لکھ لیتی ہیں۔ تیز مسالہ یہ جو لڑکیاں ہوتی ہے ناں۔ ذرا ذرا سی بات اپنے والدین کو بتا کر پریشان کر دیتی ہیں۔ میری تو کوئی بہن ہی نہیں۔ لیکن کوشش یہی کرتی ہوں اپنے والدین کو پریشان نہ کروں اپنی ہر پریشانی اپنے شوہر سے کرتی ہوں بتاتی ہوں۔ میں اپنی ہر بات ان سے کرتی ہوں۔ بولتی ہوں آپ بھی مجھ سے کہہ دیا کریں۔ اور اسد اور منزہ کی یہ بات اچھی لگی کہ ایک دوسرے کے فون کا لاک پتا ہے۔

میں بھی اپنے شوہر کو بولتی ہوں کہ آپ مجھے اپنے فون کا لاک نہیں بتاتے۔ منزہ اپنے شوہر کے سامنے شرمسار ہو گئی۔ "باجی سعدیہ" یہ تو چلتا رہتا ہے۔ آپ کے ساتھ جٹھانی دیورانی والا معاملہ ہے۔ میں اپنے شوہر کو بولتی ہوں کہ پلیز میرا ابھی دل کرتا ہے کہ میں آپ اور بچے لیکن بولتے ہیں، ہم تو زیادہ گھومتے رہتے ہیں۔ وہ سب کو لیے بغیر نہیں جاتے تھے۔

اب تو عرصہ ہوا خود بھی نہیں گئے۔ چلو جی کوئی گل نہیں۔

"زبان دراز" لڑکیوں کو اتنا زبان دراز نہیں ہونا چاہیے۔ "کوشش" طیبہ نے بھی اچھی کوشش کی اور کامیاب ٹھہری۔ "چراغ دل" پڑھا۔ سمجھ میں نہیں آیا آخر میں کہ شاہ میر زندہ نہیں رہا، کیا ہوا اس کے ساتھ۔ "ماں" ماں تو ماں ہوتی ہے۔ مناظر کی بات مجھے بہت بری لگی۔ ماں اپنے بچوں سے بہت پیار کرتی ہے۔ "آپ

کا باورچی خانہ میں صابت کا پڑھا۔ اچھا لگا۔ میں کام بے شک اب نہیں کر سکتی لیکن باورچی خانہ پڑھ کر اچھا لگتا ہے۔ آج سر میں بلکہ ہفتہ ہونے والا ہے بخار سر میں درد ہے۔ مجھے اللہ پاک نے بھتیجا دیا ہے مٹھائی بھجواؤں اس کا نام اس کے ماموں سمیر نے افنان رکھا ہے بتانا ہے کیسا لگا نام۔ آج سات دن کا ہو گیا۔ اللہ پاک صحت و تندرستی والی زندگی دیں (آمین)۔ میرا نمبر اگر کوئی بہن مانگتی ہے دیں دیں۔ شکریہ.....فون نمبر-03325077071

ج : پیاری رضوانہ ! بھتیجے کی مبارک باد اور دعائیں۔ افنان بہت پیارا نام ہے۔

اللہ تعالیٰ سے آپ کی صحت کاملہ کے لیے دعا گو ہیں۔ رضوانہ! آپ ہماری دعاؤں میں شامل ہیں۔ آپ کا فون نمبر شائع کر رہے ہیں جو بہنیں بات کرنا چاہتی ہیں نوٹ کر لیں۔

زرینہ خانم لغاری......مظفر گڑھ

سر پر دوپٹہ اوڑھے خوب صورت لیکن چھوٹی آنکھوں والی محترمہ براجمان تھیں۔ ''کرن کرن روشنی'' طہارت کے متعلق مفید معلومات پڑھیں۔ عرفان موتی والا کی باتیں سنیں، یہ موتی والا کیوں ہیں اس کی وضاحت نہیں ہوئی، امت العزیز شہزاد کپل سے ملاقات کی۔ انگنا پھول کھلے آخر راحت جبیں نے دادی کو مار ہی دیا۔ عبید سیدھا ہو گیا ہے، خوشی ہوئی۔ ارم کی پریشانیاں بھی دور کریں، پردیس کی اس قسط میں کچھ خاص پیش رفت نہیں ہوئی، وہی مشعل کی گم شدگی چل رہی تھی۔ مشعل کے ساتھ کچھ برا نہ کریں سمیرا احمید۔

نفسیاتی الجھنیں میں عدنان بھائی کے مشورے لاجواب ہوتے ہیں۔ کسی کو اچھا مشورہ دینا بھی ثواب کا کام ہے۔ عدنان بھائی مستقل ثواب کما رہے ہیں بہن صابت کا باورچی خانہ پسند آیا۔ چاٹ مسالہ تو بنانا سکھایا ہے، بہن صاحبہ لیکن گرم مسالہ کے آئٹم ضرورت سے زیادہ تھے۔ اصل گرم مسالہ صرف پانچ چیزوں کا ہے، کالا زیرہ، کالی مرچ، بڑی الائچی، دار چینی، لونگ

(جائفل، بادیان، جاوتری، تیز پات) یہ سب اضافی ہیں دکان دار زبردستی بنا دیتے ہیں مندرجہ بالا پانچ چیزیں پیس کر رکھ لیں خوشبودار گرم مسالہ تیار ہے۔

ج: زرینہ جی! بہت شکریہ کہ آپ نے ہمیں خط لکھا اور ہر کہانی پر تفصیلی تبصرہ کیا۔ گرم مسالہ کی جو ترکیب آپ نے لکھی ہے ہمیں لگتا ہے وہ زیادہ صحیح ہے۔ جتنے کم مسالے استعمال کیے جائیں۔ کھانا اتنا ہی اچھا اور خوش رنگ بنتا ہے۔

فرخندہ سلیم......ملتان

فروری کا سرورق بہت پیارا تھا کہ بہت نفیس سا تھا پھر ماڈل کے سر پر دوپٹہ بھی تھا اور دلکش سی مسکراہٹ خوب تھی۔

اداریہ میں صحیح کہا کہ نصیحت براہ راست نہیں ہونی چاہیے۔

نبی کی باتیں صفائی و طہارت سے متعلق پڑھ کر روح سرشاری ہوئی۔ اداکار سے ملاقات اچھی نہیں لگی۔ مگر احتل عزیز سے ملاقات کا پہلا حصہ بہت پیارا تھا اور دلچسپ بھی تھا۔

سمیرا احمید کا سال نو پر مضمون پر فکر رہا۔ جون ایلیا کی نظم ''شاید'' بہت پسند آئی۔ رنگا رنگ پھول میں ناہید اسماعیل کا پھول کھلا ہوا تھا۔

ڈائری میں رضوانہ کی غزل عمدہ تھی وہیں حمرہ خان کی کتاب پر نظم بھی پیاری تھی۔ بیاض میں شاعری سب کی معیاری تھی۔ جب کہ صباء بٹ کا کچن میں جانا اور باتیں بنانا پسند آیا کہ طویل تھا۔ پکوان کے نام منفرد سے ہوتے ہیں۔

عدنان بھائی کا سلسلہ مجھے بہت پسند آتا ہے کاش یہ زیادہ صفحات کا ہوتا نفسیاتی مسائل کے سلسلے کار آمد ہوتے ہیں۔

ڈائجسٹ کے خوب صورت بننے کے سلسلے پارلر کی کریموں سے لاکھ گنا اچھے ہوتے ہیں کہ قدرتی و بے ضرر ہوتے ہیں۔

راحت کی کہانی لگتا ہے اختتام کی طرف ہے کہ اب ثانیہ کا مکافات شروع ہو گیا ہے اور دادی کی وفات پر میں بھی دھاڑیں مار مار کر روئی۔

سمیرا احمید اور نمرہ احمد کی کہانیوں کے اینڈ کا شدت

سے انتظار ہے کہ میں اجالا اور مالا باجی کو نہیں پڑھتی۔ مالا کے ختم ہونے کے انتظار نے ہمیں مار ڈالا۔

آسیہ رئیس کی کہانی کا نام تو اچھا تھا ہی ناول بھی ہلکے پھلکے انداز میں دلچسپ تھا اگرچہ پلاٹ بہت روایتی تھا مگر انداز تحریر اچھا تھا۔ اب نام کے معنی میں ہی بتا دیتی ہوں کہ سرچ کروائے تھے۔

1 آئے تن یہ نام ترکی اور فارسی نژاد ہے۔ معنی چاند جیسی روشنی، چمک دار، خوب صورت۔

ترکی زبان میں ''آئے'' کا مطلب چاند اور ''تن'' کا مطلب جسم یا جلد ہوتا ہے یعنی چاند جیسی روشن اور خوب صورت شخصیت۔

2 آئیدن۔ معنی، روشن، درخشاں، ذہین

نعیمہ ناز کا مکمل ناول بہت اہم موضوع پر لکھا گیا ایک اصلاحی ناول تھا۔ افسانے میں لبنیٰ آصف کا تیز مسالہ بہت ہی اصلاحی تحریر تھی جو لڑکیوں کے لیے گہرا سبق دے رہی تھی اور واقعی ہر بات میکے میں بتانا مناسب نہیں۔

حمیرا شفیع کی باجی سعدیہ کے بھائی نے بہت اچھا آئیڈیا بہن کو دیا جو ہمیں پسند آیا۔ حنا بشریٰ کی زبان دراز باجی کو دیر سے سہی مگر عقل آ ہی گئی جب اتنی ذلیل ہوئی بتا اچھا افسانہ تھا۔ حنا بشریٰ اور بشریٰ ماہا دونوں کوئی طویل مکمل ناول بھی لکھ دیں دونوں ہی مجھے بہت پسند ہیں۔

آمنہ اشرف کا افسانہ تو بہت ہی پسند آیا کہ موضوع ہی اتنا اچھا تھا جو شادی شدہ لڑکیوں کے لیے کتنا کارآمد تھا اور افسانے بہت مختصر مگر کتنے پر اثر ہوتے ہیں اور آپ کو داد کہ کہانیوں کی سلیکشن اتنی زبردست کرتی ہیں۔

فاطمہ احمد کا افسانہ بھی منفرد طرز پر لکھا گیا تھا جو بہت اچھا تھا۔ قانتہ رابعہ کا افسانہ آنکھوں کو نم کر گیا جس کی سطر سطر سچ پر مبنی تھی۔

میں تو کہتی ہوں کہ سالگرہ نمبر سوالات میں قارئین کے نام پیغام دے دیں یعنی ہر تبصرہ دوسروں کو جو کہنا چاہے سوال میں ہی بس کہہ دے اور خط میں بس تبصرہ ہو۔

ج: چلیں فرخندہ! اس بار سالگرہ نمبر سروے میں آپ کا سوال شامل کر رہے ہیں۔ اب جواب دیتے ہوئے دھیان رکھیے گا کسی قاری بہن کو بھول نہ جائیں ورنہ انہیں بہت رنج ہوگا۔ تبصرہ تو آپ کا ہمیشہ ہی اچھا ہوتا ہے۔

عینا عمر خان...... کراچی

ٹرین اپنے مخصوص انداز میں چل رہی تھی ٹرین کے باہر دوڑتے بھاگتے مناظر تھے اور ٹرین کے اندر بچوں کا شور اور چیزیں بیچنے والوں کی مختلف آوازیں۔ چائے لے لو گرم چائے والا، نان روٹی کباب والا، ملتانی سوہن حلوے والا، شکار پور کے اچار والا۔ اتنے میں پردے سے اندر ایک ہاتھ آیا جس میں ڈائجسٹ تھے اپنی متاع جاں کو دیکھ کر میں تو اچھل پڑی۔

''عذیر'' ڈائجسٹ والا ہے۔ یہ جلدی سے ڈائجسٹ لے کر آ ورنہ یہ چلا جائے گا۔ بے صبرے پن سے کہتے ساتھ میں خود بھی اٹھ گئی اور پردہ ہٹایا اور جہاں کی تہاں رہ گئی۔ میرے سامنے زندگی کا ایک تلخ ترین چہرہ تھا۔ وہ بوڑھا تھا بہت زیادہ بوڑھا جھریوں زدہ سیاہ چہرہ کمر جھکی ہوئی تھی وہ سیدھا کھڑا نہیں ہو سکتا تھا جھریوں زدہ ہاتھ میں مختلف اخبار اور رسالے تھے اور! اور جھکی ہوئی کمر اور کانپتے وجود کے ساتھ وہ ٹرین میں اخبار اور رسالے بیچ رہا تھا۔ ایک جھلک بس ایک جھلک۔ میں نے اسے دیکھا اگلے ہی پل پردہ برابر ہو چکا تھا۔ زبیر کی ایک گھورتی ہوئی نظر کافی تھی مجھے واپس اپنی جگہ پر بٹھانے کے لیے۔

عذیر ڈائجسٹ لے آیا۔ شعاع اور خواتین دونوں رسالے مجھے دیے اور باپ سے پیسے لے کر اسے دے کر آ گیا۔ میرا دل چاہا کہ میں کچھ اور پیسے بھی عذیر کو دوں کہ یہ بھی اسے دے دو۔ مگر میں کچھ بھی نہ کر سکی۔ میرا دماغ سن تھا اسے دیکھ کر میرے دل میں بس ایک خیال آ رہا تھا۔

(ربی) آپ کو ربی یاد ہے کسی کہانی میں پڑھا تھا میں نے ایک پینٹنگ کے بارے میں جو ایک بوڑھے شخص کی تصویر تھی جس کا نام ربی تھا اور وہ لاکھوں روپے میں فروخت ہوئی تھی۔

پہلی بار مجھے خیال آیا کہ ربی جس نے بھی بنائی ہو گی ایسے ہی کسی بوڑھے کو دیکھ کر بنائی ہو گی۔ پہلی بار میرا جی چاہا کہ میں مصورہ ہوتی تو میں اس بوڑھے کی پینٹنگ بنائی۔

ٹرین میں کھڑا ابھی کمر والا لرزتا کانپتا ہاتھوں میں اخبار اور رسالے، پکڑے کھڑا بوڑھا۔ وہ جو اس عمر میں مزدوری کر رہا تھا وہ ٹرین میں چڑھ کر بھیک مانگنے والوں کے منہ پر ایک تھپڑ تھا۔ ٹرین میں بیٹھی میں یہ سوچ رہی تھی کہ یہ بوڑھا انسان اس ٹرین میں چڑھا کیسے ہوگا۔ ایک سرے سے دوسرے سرے تک یہ کیسے جاتا ہوگا وہ تو کھڑا ہوا کانپ رہا تھا۔ چلتا کیسے ہوگا۔

کہانی ایک ہی پڑھی ہے (احد) جس کا بہت خوب صورتی سے اختتام ہوا صوفیہ جی نے ہر کردار کے ساتھ بھرپور انصاف کیا اور بالکل ہمارے خیالات کی طرح ہر کسی کو اس کی محبت مل گئی۔ بس ایک کمی تھی شادی یا ولیمہ کا حال لکھ دیتیں، تین دلہنیں، تین دولہا۔

اجل اور عبدالہادی۔ ہمایوں اور مومنہ۔ اسود اور مہرتاب اور ان کے درمیان خولہ اور ضامن کو بھی لا کر بٹھایا جاتا تو مزہ دوبالا ہو جاتا، خیر کہانی جتنی اچھی تھی اتنا ہی بہترین اینڈ ہوا۔ میری طرف سے صوفیہ جی کو بہت مبارک بادی۔

نعیمہ ناز سے ملاقات بڑا مزا آیا۔ نعیمہ جی میری پسندیدہ رائیٹر میں سے ایک ہیں اور ان کا انٹرویو پڑھ کر ایسا لگا جیسے میں اپنا انٹرویو پڑھ رہی ہوں، تقریباً ساری عادتیں اور باتیں میرے جیسی تھیں نعیمہ جی آپ کہیں میری بچھڑی ہوئی جڑواں بہن تو نہیں ہیں۔

''جنوری کی سردی'' پڑھ کر مزہ آیا۔ شایان تو پھر شایان تھا اپنے نام کا ایک اور رامین جیسی کوئی لڑکی میرے عمر کے لیے بھی ڈھونڈ لیں ویسے تو ابھی وہ چھوٹا ہے مگر شادی تو کرے گا ناں آخر۔ کرن کرن روشنی ہمیشہ کی طرح ہر ایک لفظ دل میں اتر جاتا ہے۔

''نئے سال کی دہلیز پر'' ہر کسی کے اپنے اپنے خواب ہیں یادیں اور باتیں اللہ ہر کسی کے خواب پورے کرے آمین۔

پردیس پڑھتے ہوئے دل دھڑکتا ہی رہتا ہے گویا گل باجی کے دل کی طرح دھڑکا لگا رہتا ہے کہ پتا نہیں اب کیا ہو جائے اب بے چاری مشعل کے ساتھ کیا ہوا ،اللہ خیر کرے۔

مالا ایک بار پھر ہمیں اپنی گرفت میں لے چکا ہے۔ زارا سے جو تھوڑی بہت ہمدردی محسوس ہو رہی تھی ختم ہو گئی۔ ہونہہ کہیں کر نہ لے ماہر زارا کے ساتھ شادی۔ خاتون کی ڈائری تمام بہنوں کی پسند لاجواب ہے، دل میں اتر جاتی ہیں نظمیں اور غزلیں۔

ج: پیاری عینا! تفصیلی تبصرہ بہت اچھا لگا کہانی اچھی ہو تو ضرور شائع ہوتی ہے۔ البتہ دیر سویر ہو سکتی ہے۔ کچھ کہانیاں فوری جگہ پا جاتی ہیں کچھ تاخیر سے لگتی ہیں۔ آپ کی کہانی اس ماہ شعاع میں شامل ہے۔

صدف ناصر......گوجرانوالہ

فروری کا حسین سا خواتین اس ماہ کچھ دیر سے منگوایا۔ بچوں کا سالانہ رزلٹ تھا ہر ایک کی ڈبل پوزیشنز تھیں تو پھر شکرانے کے نوافل، محفل اور ذکر اذکار لازم تھے تو رب کا شکر بجالاتے رہے۔ مشرق سائنس کالج، شعاع اور خواتین اور ہمارے والدین کا بھی تہہ دل سے شکریہ ادا کرنا چاہوں گی۔ بچوں کی بہترین کامیابیوں میں آپ سب کا بھی حصہ ہے۔ مس شائلہ عثمان کے بقول آپ کی بیٹیوں میں آپ کی تربیت نظر آتی ہے، بے حد سلجھی ہوئی اچھی بچیاں ہیں۔ یہ الفاظ آپ سب کی وجہ سے مقدر بنے۔ الحمدللہ۔

''سرورق'' پسند آیا۔ کیوٹ گرل کی آنکھیں ماشاءاللہ بہت پیاری ہیں۔

''کہنی سنی'' پڑھ کر مسکرا دیے۔ مدیر صاحب فرما تو بالکل بجا رہے ہیں۔ تبھی تو ہم کہانی لکھتے نہیں، کیونکہ لکھنی نہیں آتی۔ (ہاہاہا) ''کرن کرن روشنی'' خوب سیر حاصل موضوع رہا ''طہارت اور پاکیزگی'' پر بچوں کو ایک ایک لفظ پڑھایا، ان کی کلاس لگائی کہ اپنی غلطی سدھار لیں۔

''نیا سال'' سمیرا حمید کے ساتھ اچھا لگا۔ سمیرا کا پیغام بہت اچھا لگا۔

امت العزیز شہزاد چلبلی سی لگیں تصویر میں۔ ان سے ملاقات بھی بہت اچھی رہی۔ مزید ملاقات کا انتظار ہے۔

''ہمارے نام'' کی رنگارنگ محفل میں خوب خوشی

ہوتی ہے جا کر۔ فرحانہ مہناز، ناہید اسماعیل صائمہ گل، گوشی اور زرینہ خانم کی موجودگی نے خوشی سے مالا مال کیا۔ حنا جاوید، عائشہ لطیف اور ثنا کنول کی آمد بھی پر مسرور رہی۔ ''گوشی'' کے شکوے اور ناراضی سے دل اداس ہو گیا۔ سلمٰی مسرت اور باقی تبصرہ نگار دوستیں واپس آجائیں بھئی۔

''انگنا پھول کھلیں گے'' کا نام مکافات عمل ہونا چاہیے تھا پیاری راحت! قسم سے بہت ہی زبردست تحریر ہے۔ واہ! واہ! کیا منہ کی کھائی ہے ثانیہ اور اس کی والدہ محترمہ نادرہ بی بی نے۔ دل خوش ہو گیا۔ مگر دادی کی بے بسی، لاچاری اور وفات نے ساری خوشی اڑنچھو کر ڈالی۔

''تکمیل کی'' طرف بڑھے۔ نعیمہ آپ ہمیشہ نئے ٹاپکس پر لکھتی ہیں۔ پلیز رمضان المبارک کے لیے شان دار سی گھریلو تحریر لکھیں۔ جس میں سحری، افطاری، دعوت سب کچھ ہو۔

''ایک رین سجا کر'' حسب سابق آسیہ رئیس نے لاجواب کر دیا۔ بے مقصد اور خود ساختہ نفرتوں اور رنجشوں کو ختم کرنے کا خوب ہی سبق دیا۔

''پردیس'' نے دل اداس کر دیا ہے۔ ان جملوں نے بہت ہی پریشان کیا کہ۔

''سیزر کی شجاعت لکھنے والا عورت کی بے بسی لکھنا بھول گیا۔ کاش سمیرا حمید ہلکے پھلکے موضوع پر لکھتیں۔ یقین کریں بہت سی جگہوں پر چھوڑ چھوڑ کر پڑھنا پڑتا ہے۔

افسانوں کی باجی سعدیہ نے پہلے تو ان کی دیورانیوں پر خوب غصہ چڑھایا، پھر باجی سعدیہ کے بھائی ''ریحان'' نے سارا غصہ ختم کروا دیا۔ حمیرا شفیع اب رمضان اور عید آرہی ہے۔ اچھے اچھے سے ناولٹ لکھ ڈالیں۔

''زبان دراز'' کی شانو کو خوب سبق مل گیا۔ حنا بشریٰ قابل تعریف ہیں۔ آپ کے الفاظ ''لمبا دھاگا اور لمبی زبان مسائل پیدا کرتے ہیں۔'' اس جملے کے بعد ہم سب پر واجب ہے کہ اپنی اپنی زبانوں کو چھوٹا کر لیں۔

آمنہ اشرف کی کوشش پہلی کوشش لگ رہی ہے۔ پہلی تحریر مگر سمجھ داری کی انتہا پر ہے تحریر۔ طیبہ نے اعلیٰ ظرفی کا ثبوت دیا نہ صرف ساس کے حضور پیش ہو کر اپنی کمی کو بیان کیا بلکہ سب کچھ سیکھ ڈالا۔

فاطمہ احمد کی ''چراغ دل'' مبہم سی تحریر ہے۔ انداز بیاں خوب ہے مگر تھوڑا سا تو کھل کر بتاتیں کہ ہوا کیا دونوں فریقین کے مابین اور کس طرح......؟؟؟

اس تحریر میں بیک وقت ''بے وفائی'' کا ذکر بھی ہے اور ''شاہ میر'' کے دنیا سے چلے جانے کا بھی تو اینڈ پر ''شراکت'' بھی آ گئی۔ اف! الجھا ہی ڈالا ہے۔

تیز مسالہ نے ہمارے گھر کے بے حد قریبی مشاہدے کو مزید تقویت بخشی۔ لڑکیوں اور عورتوں کے ہر گھڑی میکے والوں کو کالیں اور جھوٹے دکھ سکھ بتانا، گھروں کو اجاڑنے کے سوا کچھ نہیں مل رہا۔ اتنی اچھی ایجاد کو پازیٹو استعمال کریں۔

مستقل سلسلے بھی اچھے لگے۔ صباحت کے ساتھ ''آپ کا باورچی خانہ'' اچھا رہا۔ مسالوں کی تراکیب اچھی رہیں۔ عدنان بھائی کے جوابات زبردست رہے۔

ج: پیاری صدف! سب سے پہلے تو بچوں کی کامیابیوں پر مبارک باد قبول کیجیے۔ اللہ تعالیٰ ان کو اسی طرح کامیاب و کامران رکھے۔

ہم آپ سے متفق ہیں۔ دنیا میں پہلے ہی اتنے مسائل، اتنے دکھ ہیں۔ اخبار، نیوز چینل، ٹی وی ڈرامے جہاں دیکھو دل شکن واقعات، دکھی کرنے والے قصے نظر آتے ہیں۔ ہم اپنی رائٹر سے درخواست کرتے ہیں کہ وہ زندگی کے خوش گوار پہلو دکھائیں، مثبت کرداروں پر لکھیں لیکن یہ بھی تو سوچیں کہ زندگی کی تصویر دکھ اور سکھ سے مل کر ہی مکمل ہوتی ہے زندگی کا ایک پہلو یہ بھی ہے۔ اتنی خوش گوار کہانیوں میں زندگی کی یہ حقیقی تصویر بھی شامل ہو جائے تو کیا حرج ہے۔

جویریہ حیدر ملغانی......تونسہ شریف

2025ء کا پہلا خواتین رسالہ ہاتھ میں ہے۔

دوشیزہ کی آنکھیں بھی مسکرا رہی ہیں۔ اتنی باریک چین کا اتنا بھاری لاکٹ......؟

اوراق کا معیار پہلے سے بہتر ہو گیا ہے۔

زندگی تیزی سے رواں دواں ہے۔ 2024ء کا کیلنڈر ویسے ہی دمک رہا ہے نیا نکور مگر سال ختم۔ ہم سب کے لیے نیا سال امن وسلامتی والا ہو۔ آمین

سردیاں اپنے جوبن پہ ہیں۔ ہمارے سوکڑ پہ شادیاں اور ثوبت (سردیوں کی خاص ڈش یعنی سرائیکی ،روایتی ڈش) کا سیزن چھایا ہوا ہے۔

روزانہ رات دیر تک ڈھول اور جھومر کی آوازیں آتی رہتی ہیں۔ ولیمہ کے کارڈ بھی روز وصول ہوتے ہیں۔ زاہد (شوہر) ولیمہ بھگتا بھگتا کے تھک گیا۔ چھٹیاں ختم اور وہ آپ کے شہر کراچی آ گیا ہے۔

ادارہ خواتین کا انتہائی شکریہ۔ اپنی پہلی کہانی چھپنے کی بے انتہا خوشی ہوئی۔ بیان کرنا مشکل ہے۔ ایک بار پھر شکریہ۔

سب سے پہلے تبصرہ احد پر۔ آخری قسط زبردست رہی۔ کہانی تین سال چلی۔ مقبولیت کا گراف بڑھتا گیا۔ تمام کرداروں سے انصاف کیا گیا۔ ارم اور سفیان کا ایک دوسرے سے صلح کرنا بہت اچھا لگا۔ مومنہ اور چوہدری ہمایوں کی جوڑی بھی بن گئی۔ زبردست اس کی پیچھے قارئین کی دعائیں تھیں۔ مدتوں یاد رہنے والی کہانی۔ ویل ڈن

میری کزن نادیہ کی پسندیدہ کہانی احد مگر اسے احد کی آخری قسط ادھوری لگی۔ پتا نہیں کیوں؟

"مالا" پڑھ کے مزہ آ گیا جیسے ابتدائی قسطیں پڑھ کے آتا تھا۔ ڈاکٹر رائد اور ماہی کی گفتگو والا سین میرا پسندیدہ سین ہوتا ہے۔ ہمیشہ ڈاکٹر رائد کی واپسی اچھی لگی۔ اچھے لوگوں کی گفتگو اور ان کے تجربے ڈپریشن کا علاج ہوتے ہیں۔ زندگی کی مشکلات سے نمٹنے کا حوصلہ دیتے ہیں۔

مالک فرید میرا موسٹ فیورٹ کردار ہے۔ کہانی اپنے پہلے رنگ میں رنگی ہوئی تھی۔

"جنوری کی سردی میں" نعیمہ نے خوب رنگ جمایا۔ گھریلو کہانی نوک جھونک مزے کی لگی۔ رامین کی مسکراہٹ کے سب رنگ پیارے لگے۔ افسانہ نگری میری پسندیدہ نگری ہے۔ لبنیٰ آصف ویلڈن۔ مختصر افسانے عام فہم الفاظ۔ شازیہ الطاف ہاشمی کی کہانی پہ قراۃ العین براجمان نظر آئیں۔

شازیہ کچھ ہلکا پھلکا لکھو (معذرت) اپنی نعیمہ سے ملاقات زبردست رہی۔ ان کی زندگی بھی ان کی طرح سادہ ہے۔

"نئے سال کی دہلیز پر" زبردست سروے۔ تمام بہنوں نے خوب رنگ جمایا۔

مسز آصف خان اور پیاری فرخندہ ٹاپ پر رہیں۔ فرخندہ افسانے لکھو۔ تم میں زبردست صلاحیت ہے۔ آزما کے تو دیکھو۔

فرحانہ مہناز ماشاء اللہ۔ اللہ پاک آپ کا عمرہ قبول کرے۔ ہمیں بھی اپنا گھر دکھلائے۔ (آمین)

فرخندہ سلیم، صدف ناصر، صائمہ گل، فرزانہ انصاری ناہید اسماعیل اور رضوانہ کے تبصرے بہترین رہے۔ پیاری گوشی کا تبصرہ ہمیں بھی اس بار پھیکا لگا۔ پیاری گوشی خوش باش رہو۔

بیوٹی بکس سے میں بھی وقتاً فوقتاً استفادہ کرتی رہتی ہوں۔ خاتون کی ڈائری میں حمدہ خان کا انتخاب زبردست رہا۔ پہلی بار مکمل غزل پڑھی۔

ہزاروں برس کی بڑھیا یہ دنیا
مگر تاکتی ہے جواں کیسے کیسے

یہ شعر میرا پسندیدہ ہے جو اکثر پڑھتی رہتی ہوں۔ مکمل غزل میں اسی شعر کو پڑھ کے بہت اچھا لگا۔

جنوری کا شمارہ بہترین رہا۔ اگر اس میں فرزانہ کھرل کی شمولیت ہوتی تو اسے چار چاند کے بجائے آٹھ چاند لگ جاتے۔

رات کی تنہائی اور خاموشی ہے۔ ڈھول بجنے کی آواز کانوں کو بھلی لگ رہی ہیں۔ شاید مہندی کا فنکشن ہے سوکڑ کے کسی کونے میں دھند بہت ہے۔ دھند

بقیہ صفحہ نمبر 206

راحت جبیں

آنگنا پھول کھلیں گے

ستائیسویں قسط

''تم نتاشا کو طلاق دے دو۔ میں کسی اچھی لڑکی سے تمہاری شادی کروا دوں گی۔ یہ اس قابل نہیں ہے۔ دیکھو اس نے کیسے ہم سب کو الگ کر دیا۔''

رابعہ نے سر پیٹ لیا۔ نادرہ کا جذباتی پن ہمیشہ ان کے لیے نقصان ہی بنتا تھا۔

''اچھا تو پھر ایک طلاق ثانیہ اور عبید کی بھی کروا دیں کیونکہ ثانیہ نے بھی یہی کیا تھا۔''

''میں تمہارا منہ نوچ لوں گی۔'' کوئی بھائی ایسی بات کیسے کر سکتا ہے۔ ثانیہ بھر کر لپکی جیسے سچ میں منہ نوچ لے گی۔ رابعہ نے بمشکل اسے قابو کیا۔ ورنہ آج اس گھر نے ایک نیا منظر دیکھنا تھا۔

''کوئی بہن کے بارے میں ایسی بات کرتا ہے۔'' شبیر نے شرم دلانا چاہی۔

''تو نتاشا کسی کی بہن، کسی کی بیٹی نہیں ہے۔'' وسیم کے سوال نے ایک لمحے کو سب کو لاجواب کر دیا۔

''ابا! سچ تو یہ ہے کہ اس گھر میں جو بھی لڑکی میری بیوی بن کر آئے گی۔ آپ اس کا یہی حشر کریں گے۔ کیونکہ آپ لوگوں نے میرا گھر بسنے ہی نہیں دینا۔ اس لیے جان چھوڑیں جانے دیں مجھے۔''

سچ کڑوا ہی نہیں زہریلا بھی ہوتا ہے۔ وسیم کے لہجے نے سب کو نیلو نیل کر دیا۔

''ہاں تو جاؤ چلے جاؤ۔ تمہیں کیا لگتا ہے۔ یہاں تمہارے بغیر گزارا نہیں ہوگا۔ تم ہی پچھتاؤ گے تم ہی واپس آؤ گے۔''

ثانیہ کا بازو رابعہ کے قبضے میں تھا زبان تو نہیں۔

وسیم نے ایک زہریلی نگاہ ثانیہ پر ڈالی۔ اور ہر رشتے سے دامن جھاڑ کر دہلیز پار کر گیا۔

نادرہ واویلا کرتی اس کے پیچھے بھاگیں۔

سارے محلے نے تماشا دیکھا۔

نتاشا نے خود ڈرائیونگ سیٹ سنبھالی۔ وسیم اس قابل ہی کہاں رہا تھا جو ڈرائیونگ کر سکے۔

محلے کی گلیاں، ادھ کھلے دروازے، تجسس، ملامت سے بھری آنکھیں، ہر کواڑ سے جھانکتی۔

گاڑی لمحوں میں سب پیچھے چھوڑ گئی۔

وہ لمحے بہت بھاری تھے۔ مگر گزر گئے۔

نادرہ غش کھا کر دہلیز پر گریں۔

ثانیہ اور رابعہ انہیں پکڑنے کو لپکیں۔

پھر ثانیہ کے قدم جکڑے گئے۔

کاش زمین پھٹتی اور اس میں سما جاتی۔ مگر یہ نہ دیکھتی کہ گرتی ہوئی نادرہ کو آسیہ اور ارم نے سنبھالا تھا۔

☆☆☆

"اتنا تماشا لگانے کی کیا ضرورت تھی۔ سارا محلہ جمع ہو گیا۔ الگ ہوئے ہیں۔ دنیا سے نہیں جا رہے۔"

احساس شرمندگی، غصہ، جھنجھلاہٹ۔ ثانیہ کی حالت بری تھی۔ نادرہ کی طبیعت اتنی خراب ہوئی کہ ڈاکٹر کو بلانا پڑا۔ اگرچہ ارم اور آسیہ جلدی ہی چلی گئی تھیں۔ مگر ثانیہ کو وہ لمحہ ہی نہیں بھولتا تھا۔

"چپ کر جاؤ۔ تمہیں اماں کی حالت دکھائی نہیں دیتی۔" رابعہ نے ڈانٹا۔

"تم نے میری ساس کا چہرہ دیکھا تھا۔ اس ارم کی آنکھیں۔"

اسے کسی لمحے قرار نہ آتا سارا تماشا ان کے سامنے ہی ہونا تھا۔

"اس کو بولنے دے۔ اسی کا کیا سامنے آ رہا ہے۔" نادرہ نے نقاہت سے کہا۔ رو رو کر ان کی آنکھیں سوج گئی تھیں۔

"ہر بات کا الزام مجھ پر ہی رکھ دیا کریں۔" ثانیہ غصے سے ان کے پلنگ کے پاس رکی۔ "عبید بھی گیا تھا۔ اس کی ماں نے تو اتنا تماشا نہیں کیا تھا۔ ساری دنیا میں لوگ الگ ہوتے ہیں۔ ہمارے ہاں نجانے کیوں اتنا واویلا مچایا جاتا ہے۔"

"ہائے اس دن کے لیے پال پوس کر جوان کرتے ہیں کہ بیویاں آئیں اور اڑا کر لے جائیں۔ ہائے وسیم تم نے پلٹ کر ماں کو دیکھا ہی نہیں...... اللہ تمہیں غارت کرے نتاشا۔ ہمارے بڑھاپے کا سہارا لے گئی۔"

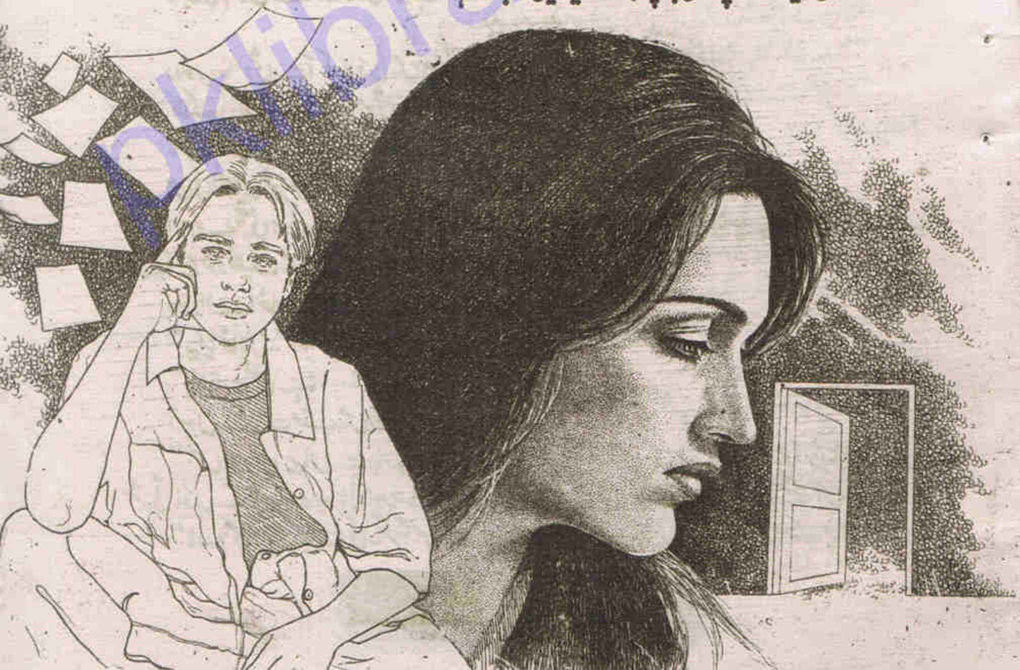
ثانیہ سر پکڑ کر بیٹھ گئی۔

"اماں......" رابعہ نے ماں کے پاس بیٹھ کر پیار سے ماتھے پر ہاتھ رکھا۔ آنسو صاف کیے۔

"مت کریں ایسی باتیں وہ لوگ سفر میں ہیں آپ کی آہیں ان کا سفر مشکل کر دیں گی۔ دعا کریں وہ خیریت سے پہنچ جائیں۔ زندگی ہے تو آتے جاتے رہیں گے۔"

"جانے کے بعد کون آتا ہے۔ چڑیلیں چمٹ جاتی ہیں۔ واپسی کا رستہ بھلا دیتی ہیں۔"

"کیوں عبید نے اپنے ماں باپ چھوڑ دیئے ہیں۔ جاتا ہے نا ملنے۔"



''اف یہ ماں بیٹی کی باتیں۔''

وہ کون سی دیوار ہو۔ جہاں جا کر ثانیہ اپنا سر مارے۔

''آپ کے اس رونے پیٹنے سے وسیم کیا واپس آئے گا۔ میرے حالات پلٹ جانے ہیں۔ عبید پہلے ہی ماں کا پلو نہیں چھوڑتا۔ اب تو بالکل ہی۔'' ثانیہ نے تاسف سے دونوں ہاتھ ملے۔

''میں نے کیا کیا ہے۔ میں تو اپنے دکھ رو رہی ہوں۔'' نادرہ نے پلو منہ پر ڈال لیا۔

''آپ کے دکھ نے میرا سکھ کھا لیا ہے۔''

''کیا اول فول بکے جا رہی ہو۔'' رابعہ کو شدید غصے نے گھیرا۔ ''جاؤ بی بی! اپنے گھر کی راہ لو...... اماں کو میں خود ہی سنبھال لوں گی۔''

''میں نے یہاں رک کر کرنا بھی کیا ہے جا رہی ہوں۔'' وہ دانت پیستی غصے میں بیگ اٹھا کر چلی گئی۔

''اسے میرا دکھ نظر نہیں آ رہا اپنی پڑی ہے۔'' نادرہ نے شکایتی انداز میں رابعہ کو دیکھا۔

''چھوڑیں اسے، میں ہوں نا آپ کے پاس۔'' رابعہ نے تسلی دی۔

''کب تک رہو گی تم بھی چلی جاؤ گی۔ پھر تو خالی گھر میں...... میں اور تمہارے ابا ہی ہوں گے۔'' نادرہ نے سسکی لبوں میں دبائی۔

''آپ دونوں کے ہوتے گھر خالی کیسے ہوگا۔''

رابعہ نے ماحول کے بوجھل پن کو کم کرنے کی سعی کی۔

''تمہاری پھوپھی کو پتا چلا تو بہت ٹھٹھا اڑائے گی۔''

''میں ان کی باتوں کی پرواہ نہیں کرتی...... اور اماں آپ بالکل فکر نہ کریں۔ جس طرح ثانیہ عبید کو اپنے ماں باپ سے ملنے سے نہیں روک سکی۔ اسی طرح ثنا شا بھی وسیم کو زیادہ دیر نہیں باندھ سکتی۔ جھوٹ کے پاؤں نہیں ہوتے پکڑا جاتا ہے۔ وسیم آپ سے ملنے ضرور آیا کرے گا۔''

رابعہ کی باتوں سے نادرہ کا دل ٹھہرنے سا لگا۔

☆☆☆

دونوں خاموشی سے آ کر لاؤنج میں بیٹھ گئیں۔ بہت دیر تک کوئی بات نہ ہو سکی۔

کلاک کی ٹک ٹک گہری خاموشی پر خراشیں ڈالتی رہی۔

پھر ارم نے سر اٹھا کر ماں کو دیکھا۔

ان کی نگاہیں غیر مرئی نقطے پر جمی تھیں۔ آنکھوں میں ایک لمحہ پھر سے اذیت دے رہا تھا۔

ارم کو بے چینی ہوئی۔ وہ اتنی چپ گم صم اور اداس کیوں ہیں۔ انہیں تو خوش ہونا چاہیے۔ انہیں تکلیف دینے والے آج خود تکلیف میں ہیں۔

وہی اذیت اٹھا رہے ہیں۔ جو انہوں نے اٹھائی۔

''یہ کیا تھا امی۔'' وہ ارم کی آواز پر چونکیں۔

''مکافات عمل ہے نا......؟''

انہوں نے پشت عقب میں ٹکائی۔

''جس دن عبید یہاں سے جا رہا تھا۔ تب میرا بھی دل چاہا۔ میں یہی سب کروں؟ جو آج نادرہ نے کیا۔ مشرقی ماؤں کے دل بہت جذباتی اور حساس ہوتے ہیں۔ تسلیم ہی نہیں کرتیں کہ بیٹے جا بھی سکتے ہیں۔

''نادرہ بھی سنبھل جائے گی۔ مگر مجسم انتظار بن جائے گی۔ ہر آہٹ پر چونکے گی۔ ہر دستک پر بھاگے گی۔''

ان کا لہجہ کھویا کھویا اور مدھم تھا۔
"عبید کی دفعہ تو بہت خوش تھیں۔"
"یہی تو مسئلہ ہے ہم صرف اپنی بیٹی کے لیے چاہتے ہیں کہ الگ گھر ہو۔ شوہر کے علاوہ کسی اور کی ذمہ داری نہ ہو۔ لیکن بہو کے لیے نہیں۔ اگر بدلنا ہے معاشرے کو تو پھر دونوں طرف سے بدلنا ہوگا۔ دونوں طرف سے دل کشادہ کرنے ہوں گے۔ بیٹی کے لیے الگ گھر کی ڈیمانڈ کرنے والوں کو پہلے بہو کو الگ کرنا ہوگا۔"
"رہنے دیں امی! آپ نے تو پہلے بھی کبھی یہ نہیں چاہا کہ آپ کی بیٹی کا الگ گھر ہو۔" ارم نے منہ پھلایا۔
"کس سے الگ ہونا ہے۔ بوڑھی، بیمار ساس سے، گھر میں دیور، جیٹھ دیورانی۔ جیٹھانی ہوں تو بندہ یہ بات سوچے بھی۔ اب بنتی تمہاری میاں کے ساتھ نہیں ہے......اور۔"
"کیا کیا کہا۔" ارم نے بے حد صدمے سے ماں کو دیکھا تو وہ گڑبڑا گئیں۔
"میرا مطلب ہے۔"
"بس رہنے دیں امی۔" وہ ناراض ہو کر اٹھ گئی تو آسیہ نے افسوس سے سر ہلایا۔ بیٹی آج کل ویسے ہی حساس ہو رہی تھی۔ اوپر سے ان کے منہ سے غلط بات نکل گئی۔

☆☆☆

آنے والی فون کال نے انہیں پریشان کر دیا تھا۔ لان سے عفان کی آوازیں آ رہی تھیں۔ وہ مانی کو فٹ بال کھلا رہا تھا خشک گھاس پر ہلکے پھلکے رنگ برنگے پلاسٹک کے بال بکھرے تھے۔ وہ مسرت کے سہارے لان میں چلی آئیں۔
عفان نے انہیں دیکھا اور نظرانداز کر دیا۔
لان میں ہلکی خنکی تھی۔ انہوں نے مسرت سے اپنی شال لانے کو کہا......اور خود لان چیئر پر بیٹھ گئیں۔
"آج ارم کو لے آؤ۔" انہوں نے بلند آواز سے متوجہ کیا۔
عفان نے ہاتھ میں پکڑی بال دور پھینک دی۔ مانی اس کے پیچھے بھاگا۔
"میں نے تو نہیں بھیجا۔ خود ہی گئی ہے۔ موڈ ہوگا تو آ جائے گی۔"
"آج تمہارے انکل آنٹی آ رہے ہیں۔ ارم کا یہاں ہونا ضروری ہے۔" ہاجرہ نے تحمل سے کہا۔ عفان نے بھنویں اچکائیں۔
"سارے رشتے بھول بیٹھے ہو۔ زارا کے والدین آ رہے ہیں۔" ہاجرہ کے لہجے میں طنز در آیا۔
"وہ بھی چاہتے ہیں صلح صفائی سے معاملہ حل ہو جائے۔"
"مجھے کسی سے بات نہیں کرنی۔" عفان نے رکھائی سے کہا۔
"بات تم نے نہیں میں نے کرنی ہے۔ تم نے صرف فیصلہ سننا ہے۔"
عفان مکمل ان کی طرف گھوما......قدم قدم چلتا قریب آیا۔ دونوں ہاتھ ان کے سامنے رکھی کرسی کی پشت پر ٹکا کر سرسراتے لہجے میں پوچھا۔
"اور کیا فیصلہ کریں گی آپ؟"
ہاجرہ بیگم نے لب بھینچ لیے۔
"مانی کو اس لاپرواہ لڑکی کے حوالے کر دیں گی؟"
"ماں بننے کے بعد کوئی لڑکی لاپرواہ نہیں رہتی۔" انہوں نے کوشش کی تحمل سے بات کریں۔
"اوہ رئیلی۔" عفان نے طنزیہ انداز میں کرسی پر ہاتھ مارا۔

"تو وہ کون تھی جو اپنے شوہر کی وفات کا غم اور بچے کو بھول کر اپنے کزن کے ساتھ ڈنر کرنے جاتی تھی۔"
"میری اجازت سے جاتی تھی۔" ہاجرہ نے رسانیت سے جواب دیا۔
"اور جب اس پھول جیسے بچے کو۔" عفان نے انگلی سے مانی کی طرف اشارہ کیا جواب بال کو بھول کر ایک بھولی بھٹکی تتلی کا تعاقب کرنے لگا تھا۔ جو تنہا کھلتے پھولوں کی آہٹوں پر محو رقص تھی۔
"میں ہاسپٹل لے کر پہنچا تو یہ یہاں ...... اپنے ہاتھوں پر دوسرے شوہر کے نام کی مہندی لگا کر بیٹھی تھی۔"
عفان کے دل پر لگی گرہیں بہت مضبوط تھیں۔
"حادثے ہو جاتے ہیں۔ سگے ماں باپ کے ہاتھوں میں بھی ہو جاتے ہیں۔" ہاجرہ کی سمجھ میں نہ آتا تھا وہ اس کے دل پر لگی گرہیں کیسے کھولیں۔
تب ہی چوکیدار نے آ کر ایک لفافہ اس کی طرف بڑھایا۔
"یہ عدالت کی طرف سے آیا ہے۔"
ہاجرہ نے سر پکڑ لیا۔ عفان نے طنزیہ انداز میں انہیں دیکھ کر لفافہ ہاتھ میں لیا۔ کھولا اندر رکھے ڈاکومنٹس دیکھے۔ ہلکا سا اطمینان اس کے چہرے سے چھلکا ساتھ ہی لفافہ بند کر کے ہاجرہ کے سامنے میز پر پھینک دیا۔
"پریشان ہونے کی ضرورت نہیں وہی زمین کا معاملہ ہے۔"
"پریشان مجھے نہیں تم نے ہونا ہے۔" انہوں نے جتایا۔
"میں ثابت کر دوں گا کہ وہ اپنے بچے کو سنبھالنے کے قابل نہیں۔"
"عدالت میں اس پر الزام لگاؤ گے۔"
"وہ چپ نہیں بیٹھے گی تو کچھ نہ کچھ تو کروں گا۔" عفان نے ڈھٹائی سے کندھے اچکائے اور مانی کی طرف مڑ گیا۔
"پتا نہیں اس کے گدھے جیسے دماغ میں کوئی بات کیوں نہیں آتی۔" ہاجرہ نے جھنجھلا کر لفافہ اٹھایا اور کھول کر پڑھنے لگیں۔

☆☆☆

بہت دیر رونے کے بعد جیسے دل کا بوجھ ہلکا ہو گیا تھا۔
"کیا ہو گیا تھا مجھے۔" اس نے سیدھی لیٹ کر دونوں ہاتھ سینے پر باندھ لیے۔
"کس بات کی بے چینی ہے؟"
"تم نہیں جانتیں۔" اس کے دل نے ڈپٹ کر رکھ دیا۔
"اور اتنی بے چینی ہے تو چلی کیوں نہیں جاتی ہو۔ کون سا لڑ کر آئی ہو۔ خوامخواہ کی انا......"
"مگر اسے احساس بھی تو ہو کہ اس نے میرے ساتھ غلط کیا ہے۔" وہ جھنجھلا کر بیٹھی۔
"اور نہ احساس ہوا تو......؟"
"کیوں نہیں ہوگا کیا وہ مجھ سے محبت نہیں کرتا؟"
"اب ثانیہ کی طرح محبت محبت کی گردان مت شروع کر دینا۔"
"اف......!" اس کا اپنا آپ اس سے لڑنے بیٹھ گیا تھا۔
ارم نے موبائل اٹھا کر دیکھا۔ واٹس ایپ کھولا۔

حساب عمر کا اتنا سا گوشوارہ ہے
تمہیں نکال کے دیکھا تو صرف خسارہ ہے

اس کی انگلیوں نے ٹائپ کیا۔

”بھیج دوں؟“
”بھیج دو......“
”وہ کیا سوچے گا؟“
”کیا......خوش ہوگا۔“
”واقعی میں۔“ ارم نے بے یقینی سے زیر لب کہا۔ پھر تیزی سے ڈیلیٹ کردیا۔ عفان چونک گیا۔ وہ میسج کرنے والا تھا۔ جب لکھا آیا کہ سامنے والا کچھ ٹائپ کررہا تھا۔
وہ منتظر تھا تو آخر اسے میری یاد آ ہی گئی۔
”تمہیں کون سا نہیں آتی گھر میں داخل ہوتے سوتے جاگتے کام کرتے کس کی یاد ڈسٹرب کرتی ہے۔“
”عادت جو ہوگئی ہے۔“
”عادت یا محبت۔“
”چلو محبت کہہ لو۔“
”تو یہ اعتراف اس کے سامنے کیوں نہیں کرتے؟“
”آجائے گی تو کرلوں گا۔“
”تم لے آؤ...... کسی کا مان بھی رکھ لیتے ہیں۔“ دل نے لتاڑا۔
”اس نے میسج لکھ کر ڈیلیٹ کیوں کیا۔“ سخت شکایتی لہجہ تھا۔
”دل کی آنکھیں کھولو۔ ڈیلیٹ بھی پڑھا جاتا ہے۔“ سرگوشی۔
عفان نے آنکھیں بند کرلیں۔

☆☆☆

نجانے کیا دل میں آئی کہ اس نے سارے گھر کی صفائی کی اچھا سا کھانا بنایا اور خود بھی تیار ہوگئی۔
عبید شاور لے کر نکلا تھا۔ اس کی تیاری دیکھ کر چونکا۔
”کہیں جارہی ہو۔“
ثانیہ نے پلٹ کر اسے دیکھا۔ وہ تولیے سے بال خشک کررہا تھا۔ تروتازہ چہرہ۔ ثانیہ نے پاس آکر اس کے ہاتھ سے تولیہ لیا۔
”کیوں تمہارے لیے تیار نہیں ہوسکتی۔“ وہ اس کے بال خشک کرنا چاہتی تھی۔
”نہیں تم صرف اپنے لیے تیار ہوتی ہو۔“ عبید نے اس کے ہاتھ سے تولیہ لے لیا اور آئینے کے سامنے جا کھڑا ہوا۔ ثانیہ نے اس کی چوڑی پشت کو گھورا۔
میاں بیوی میں کوئی پردہ نہیں ہوتا۔ انسان ایک دوسرے کی رگ رگ سے واقف ہوجاتا ہے۔
”نادرہ خالہ کا کیا حال ہے۔ طبیعت کیسی ہے؟“
”ٹھیک ہیں، انہیں کیا ہونا ہے۔“
”وسیم کے جانے کو دل پر ہی لے لیا ہے۔“ عبید نے کہا۔ ثانیہ کو برا لگا وہ اس موضوع پر بات کرنا نہیں چاہتی تھی۔
”وقتی جھٹکا ہے اب تو ٹھیک ہیں۔“
”اب خیال آتا ہے۔ جب ہم شفٹ ہوئے تھے تب امی ابو پر کیا گزری ہوگی۔“ وہ مڑ کر اسے دیکھنے لگا۔
ثانیہ جزبز ہوگئی۔
”ہمارے اور ان کے حالات مختلف تھے۔“

"نتاشا سے پوچھوں تو وہ بھی وہی کہانیاں سنائے گی۔"
"میں کہانیاں نہیں سناتی تھی عبید۔ تمہارے گھر والوں نے میرے ساتھ بہت زیادتی کی تھی۔"
"کون جانے کس نے کس کے ساتھ زیادتی کی تھی۔" وہ بڑبڑایا۔ پھر الماری کھول کر کپڑے نکالنے لگا۔
ثانیہ عجیب سی کیفیت میں اسے دیکھتی رہی۔ وہ بحث کرنا چاہتی تھی۔ مگر نہیں کر پائی۔ وہ اس وقت ایک آکورڈ پوزیشن پر کھڑی تھی۔
"مجھے کھانا لگادو۔" عبید کے کہنے پر وہ چونکی۔ عبید نے ڈریسنگ روم میں جا کر دروازہ بند کر لیا تھا۔
ثانیہ کے اندر ٹوٹ پھوٹ سی شروع ہوگئی۔

☆☆☆

گھر کی حالت ان کی حالت کی طرح خراب تھی۔ دھول مٹی اجاڑ پڑا دادی کا تخت جس پر دھلے...... میلے کپڑوں کا ڈھیر تھا۔ صحن میں امرود کے خشک پتے بکھرے تھے۔
نادرہ نے سر اٹھا کر اداسی سے گھر کو دیکھا۔
دل میں کوئی امنگ نہ جاگتی کہ اٹھ کر صفائی ستھرائی کرلیں۔ پہلے پہل رابعہ آکر سب کر جاتی تھی۔ پھر آصفہ کی بیوپاریاں عروج پر پہنچ گئیں۔ تو وہ ڈر کر ناغے کرنے لگی۔ ثانیہ تو ویسے ہی ناراض ہوکر گئی تھی۔ فون بھی نہیں کرتی تھی۔
"اور وسیم۔" انہوں نے آہ لبوں میں دبائی۔
اس نے بھی کون سا مڑ کر دیکھا کہ پیچھے کن کو کس حال میں چھوڑا ہے۔
شبیر خاموشی سے اس کے پاس آکر بیٹھ گئے۔
نادرہ نے اپنے آنسو دوپٹے میں جذب کرلیے۔
"کب تک دل سے لگائے رکھو گی۔ میری طرف دیکھ، گھر کی حالت دیکھ۔ ہم دونوں نے تو ابھی بچی کھچی عمر گزارنی ہے تو ایسے تھوڑی جیا جائے گا نادرہ۔"
نادرہ نے سر اٹھا کر شبیر کو دیکھا۔
سفید داڑھی سر کے بال سرمئی سفید کا امتزاج میلے کپڑے عمر گزری۔ انہوں نے کبھی فرصت میں بیٹھ کر نہ ایک دوسرے کو دیکھا تھا نہ بات کی تھی۔ نادرہ کی توجہ کا مرکز اولاد رہی تو شبیر کی ساری دلچسپی اپنی جاب اور دوست رہے۔ بھول ہی گئے کہ ان دونوں کے درمیان بھی کوئی رشتہ ہے۔ جو نبھایا دنیا میں جاتا ہے۔ مگر بنتا آسمانوں پر ہے۔
"تمہارا دل ٹھہر گیا ہے۔"
"دنیا کی ریت ہی بن گئی ہے نادرہ۔ تم بھی دل کو سمجھا لو۔" تھکا...... بجھا ہوا لہجہ۔
"السلام علیکم انکل۔" گھر کے بوجھل ماحول پر اس کی تروتازہ آواز حاوی ہوگئی۔ ارم نے دروازے سے ہی سلام کیا تھا۔ اس کے ہاتھ میں کھانے سے بھری ٹرے تھی۔
"آنٹی آپ کی طبیعت کیسی ہے۔"
نادرہ، کچھ بول نہ سکیں۔ مگر شبیر نے فوراً اور خوش دلی سے جواب دیا۔
"ہاں اب ٹھیک ہے بخار تو اتر گیا ہے۔ بس نقاہت جاتی ہے۔ میں وہی پوچھ رہا تھا کہ چائے بنادوں۔"
"میں کھانا لائی تھی۔ پلاؤ اور سوپ ہے۔ پہلے کھانا کھالیں۔ پھر چائے پلادیجیے گا۔"
"اس کی کیا ضرورت تھی۔" نادرہ نے نظریں چرائیں۔

"کوئی بات نہیں خالہ! پہلے سے بنا رکھا تھا۔ اور امی آج اپنی کام والی کو بھیج دیں گی۔ صفائی کروا لیجئے گا۔"
ارم نے ٹرے رکھی۔ وہ رک نہیں سکتی تھی اور نہ رکنا چاہتی تھی۔ انسانی ہمدردی بھی وہیں تک ٹھیک تھی جہاں لوگ اسے آپ کی کمزوری نہ بنالیں۔
مگر اس کے نصیب کہ باہر نکلتے ہی ثانیہ سے ٹکراؤ ہو گیا۔
"تم یہاں کیا کر رہی ہو؟" وہ ہکا بکا تھی۔
"تمہیں تو توفیق نہیں ہوئی۔ اس لیے تمہاری امی کی خیریت پوچھنے آگئی۔"
ارم نے اب ثانیہ کی باتوں سے گھبرانا چھوڑ دیا تھا۔
"بہت شوق ہے خود کو اچھا ثابت کرنے کا۔"
"جو اچھے ہوں انہیں خود کو اچھا ثابت کرنے کی ضرورت نہیں ہوتی۔" ارم مسکرائی۔
"عبید کو میرے خلاف کر کر کے تسلی نہیں ہوئی۔ جو میرے ماں باپ کے کان بھرنے آگئی ہو۔" ثانیہ کے اندر غصہ ہی غصہ تھا۔ جو ارم کو دیکھتے ہی عود کر آیا۔
"میں نے تم پر اور تمہاری سوچ پر افسوس کرنا بھی چھوڑ دیا ہے۔ جسے اپنے ماں باپ کی پرواہ نہیں۔ وہ میرے ماں باپ کی پرواہ کیا کرتی۔"
ارم نے آرام سے کہہ کر قدم آگے بڑھائے۔
"تم صرف اپنی پرواہ کرو۔ شوہر نے کیا گھر سے نکال دیا ہے۔ جو یہاں ڈیرے ڈالے بیٹھی ہو۔"
ارم کے قدم تھمے۔ پھر وہ ثانیہ کی طرف مڑی۔
"اپنے ماں باپ کے گھر میں بیٹھی ہوں۔ جس دن تمہارے گھر آ کر بیٹھی اس دن فکر کرنا۔"
ہر جگہ اور ہر وقت دوسرے کی بات برداشت کرنا۔ نظر انداز کرنا ضروری نہیں ہوتا۔ کبھی کبھی سامنے والے کو شٹ اپ کال دینا پڑتی ہے۔
ارم اپنے ماں باپ کے گھر چلی گئی۔ تو ثانیہ نے غصے سے اپنے گھر کا دروازہ کھولا۔
شبیر نے چاولوں سے بھرا چمچہ نادرہ کی طرف بڑھایا ہی تھا کہ دروازہ کھلنے کی آواز پر واپس پلیٹ میں رکھ دیا۔ اور خجالت مٹانے کو خواہ مخواہ بولنے لگے۔
"سبحان اللہ یہ ہوتے ہیں بڑے دل کے لوگ، فراخ دل، کینہ سے پاک جب بھی مشکل پڑتی ہے سب بھول کر مدد کو آتے ہیں۔"
"چکھ لیں کہیں زہر تو نہیں ملایا۔"
"تمہاری یہی بدگمانیاں تھیں۔ جو ہم ایسی ہیرا لڑکی ہاتھ سے گنوا بیٹھے ہیں۔ سوچو یہ اس گھر کی بہو ہوتی تو ہم ان حالوں میں ہوتے۔"
نادرہ نے سر تائید میں ہلا کر سوپ پینا شروع کر دیا۔
ثانیہ نے گویا سر ہی پیٹ لیا۔
"عبید بھی تو علیحدہ ہوا تھا اس کی ماں تو خوش باش ہے، کوئی فکر ہی نہیں۔ بلکہ آپ کو بھی پلاؤ بنا بنا کر کھلا رہی ہے۔ ادھر یہ حال ہے کہ بیٹا نہیں گیا گویا سانسیں بند ہو گئی ہیں۔"
"ہاں، ہو گئی ہیں۔" نادرہ نے پیالہ ٹرے میں پٹخا۔ "پہلے دور جاتا تھا تو دن میں دو بار فون کرتا تھا۔ ہر ہفتے بھاگا آتا تھا...... اور اب دیکھو۔"
"تو آپ لوگ کیوں پرواہ کرتے ہیں۔"

"کیسے نہ کروں میرا کلیجہ کٹتا ہے۔ نہ وہ اب آئے گا نہ ہمیں بلائے گا۔ ہم بڈھا بڈھی خالی گھر کی دیواریں دیکھ دیکھ کر وقت گزاریں گے۔ ہائے مجھے تو ابھی اس کے بچے کھلانے تھے۔"

نادرہ کا دکھ پھر سے تازہ ہو گیا۔

"اسے بس ارم کے آنے کا دکھ لگا ہے۔ یہ اس کے لائے چند نوالے تمہاری ماں کے پیٹ میں گئے ہیں۔ ورنہ بھوکی پیاسی پڑی تھی۔ نہ رابعہ آئی نہ تم نے چکر لگایا کہ کچھ پکا کر کھلانا نہ پڑ جائے۔"

"شہر بھر میں ہوٹل کھلے ہیں۔ کہیں سے کچھ بھی منگوا لیتیں۔ ان لوگوں کا احسان لینا ضروری تھا، ہر بات میں میری سسرال میں مجھے نیچا دکھانا ضروری ہوتا ہے۔" ثانیہ کی تیوری پر سو سو بل تھے۔

"جس سسرال میں تم نے کبھی قدم نہیں رکھا۔ اس میں تمہیں کون نیچا دکھائے گا۔ جاؤ بی بی، اپنا کام کرو۔" شبیر نے رکھائی سے کہا۔

"اتنے دنوں کے بعد ڈھنگ کا کھانا نصیب ہوا ہے۔ کھانے دو۔"

"میں رابعہ سے بات کرتی ہوں۔" وہ غصے سے مڑی۔ نادرہ نے سر اٹھا کر دروازے کی طرف جاتی ثانیہ کو دیکھا۔

"میری ثانیہ، میری لاڈو کو کیا کچھ جھیلنا پڑ رہا ہے۔ صاف کہہ رہی ہوں۔ کوئی ضرورت نہیں کسی سے ڈرنے کی...... اگر عبید کا تمہارے ساتھ یہی رویہ رہا تو دفع کرنا الگ ہو جانا۔ خوامخواہ سسرال میں جان کھپانے کی ضرورت نہیں ہے۔"

ماضی کا ایک لمحہ...... ایک سفاک بے رحم لمحہ۔

ایسا ہی کوئی سبق شناشا کی ماں نے شناشا کو بھی پڑھایا تھا۔

نادرہ نے بے چینی سے پہلو بدلا۔

لیکن ہم نے کیا کیا تھا۔ ساری غلطی شناشا کی تھی۔ آسیہ نے کیا کیا تھا۔ ساری غلطی تو۔

نادرہ نے جھنجھلا کر شبیر کو ٹوکا۔ "اب سارے چاول نہ کھا جانا۔"

"نہیں کھا رہا۔"

دہلیز پار ہونے تک ثانیہ انتظار ہی کرتی رہی کہ ماں باپ اسے پکار لیں گے۔ مگر دونوں کو چاول کھانے سے فرصت نہ تھی۔

اس نے زور سے دروازہ بند کر دیا۔

رابعہ کچن میں مصروف تھی۔ بچے چاچو کے ساتھ کھیل رہے تھے۔ پھوپھو محلے میں کہیں نکلی تھیں۔ ثانیہ سیدھا کچن میں ہی آ گئی۔

"سمجھ میں نہیں آتا دنیا میں سارے ہی لوگ ایسے ہیں۔ یا ہمارا گھر ہی انوکھا ہے۔" دال کو بگھار لگاتی رابعہ بوکھلا کر پلٹی۔

"تم......"

"تم بھی کہہ دو گھر سے نکل جاؤ۔" ثانیہ کا تمتماتا چہرہ...... شکن آلود پیشانی۔

"میں کیوں کہنے لگی۔ میں تو بس یہ پوچھ رہی ہوں تم یہاں آئی کیوں ہو؟"

"اف۔" ثانیہ نے سچ میں سر پیٹ لیا۔

"اچھا...... اچھا بس منہ سے نکل گیا۔" رابعہ نے خود کو سنبھالتے چولہا بند کیا۔

"اماں نے میرا دماغ خراب نہ کیا ہوتا تو میں کبھی اس گھر میں جھانکتی بھی نہ...... کوئی شوق نہیں مجھے پھوپھو

کی شکل دیکھنے کا۔" ثانیہ نے سامنے پڑے جگ میں سے پانی کا گلاس بھرا۔
"بڑوں کو بڑے ہونے کا مارجن ہی دے دیا کرو۔ وہ بڑا پن نہیں دکھاتیں تو تم بھی اپنا چھوٹا پن نہ دکھایا کرو۔"

رابعہ نے فریج کھول کر کولڈ ڈرنک نکالی۔
"میں یہاں تمہاری ساس کو ڈسکس کرنے نہیں آئی۔ اماں کو سمجھاؤ نکل آئیں اس صدمے سے۔ میرا تماشا بنا رہی ہیں۔"
"ثانیہ! اماں کو ان کے حال پر چھوڑ دو۔ تم اچھی طرح جانتی ہو۔ ان کے اندر آسیہ آنٹی جتنی عقل ہے نہ حوصلہ۔"
"ساری دنیا نے مل کر تہیہ کر لیا تھا کہ ثانیہ کو جلانا ہے۔ ساس کا نام لے لے کر تڑپانا ہے۔ ساری دنیا میں اس کی سسرال والے فرشتے تھے۔ اور سارے قصور ساری غلطیاں ثانیہ کی تھیں۔"
رابعہ نے اپنے کانوں پر ہاتھ رکھ لیا۔
حالانکہ اسے ثانیہ کے منہ پر رکھنا چاہیے تھا۔
"کیا ہوا؟"
فرخ کے آنے پر ثانیہ کو بریک لگ گئی۔
"اتنا غصہ کیوں ہو رہی ہو۔" اس نے بغور ثانیہ کو دیکھا۔
"کچھ نہیں، میرا پرسنل معاملہ ہے۔" ثانیہ نے رکھائی سے جواب دیا۔
"مجھ سے تمہاری کون سی بات چھپی ہے۔" وہ مسکرایا۔
"فرخ! تمہیں کوئی کام ہے۔" رابعہ نے ناگواری سے ٹوکا۔
"نہیں۔ بس اماں سے کہہ دیں۔ جس لڑکی کی تصویر آپ نے دکھائی، وہ مجھے پسند نہیں آئی۔"
"کیوں؟" رابعہ نے بے اختیار پوچھا۔ ثانیہ نے بھی اسے دیکھا۔
"ثانیہ جیسی نہیں ہے۔" فرخ نے کمال بے غیرتی سے ثانیہ کو نگاہوں میں رکھتے جواب دیا۔
"نمرہ ثانیہ جیسی دکھتی ہے۔" ثانیہ نے تیورا کر پوچھا۔
فرخ کی مسکراہٹ گہری ہوئی۔
"ثانیہ جیسا تو کوئی بھی نہیں دکھتا۔" اس کی آنکھوں میں رنگ ہی رنگ اترے۔
"آج بھی طلاق لے لو۔ تو تم سے شادی کے لیے تیار ہوں۔"
ثانیہ ششدر رہ گئی۔
رابعہ سرتاپا کانپ گئی۔
اتنی جرات، ایسی بے باکی۔
"فرخ۔" بے اختیار ثانیہ کا ہاتھ اٹھا مگر فرخ نے اس کی کلائی تھام لی۔
"اتنا جوش میں آنے کی کیا ضرورت ہے۔ مذاق کر رہا تھا۔"
"اپنے گھٹیا مذاق اپنے تک رکھو۔ میری ہی غلطی تھی جو تمہیں اتنا سر چڑھا لیا۔" غصہ سے آگ بگولہ ہوتی ثانیہ نے جھٹکے سے کلائی چھڑائی۔
"میری ہی غلطی ہے جو تمہیں اتنا سر چڑھا لیا۔ لیکن ایک بات کان کھول کر سن لو تم کبھی بھی میری چوائس نہیں تھے۔ وہ بھی عبید کے سامنے تم زیرو ہو زیرو۔"

فرخ کا چہرہ سفید پڑ گیا۔
ثانیہ نے اسے دھکا دے کر راستے سے ہٹایا۔
دروازے میں کھڑے سہیل بھائی کو دیکھ کر ایک لمحے کو ٹھٹکی پھر تیزی سے وہاں سے چلی گئی۔ ایک نا مناسب سی صورت حال میں وہ تینوں کھڑے ایک دوسرے سے نظریں چراتے رہے۔

☆☆☆

"پھر میں کیا تھا؟ کیا تھا تمہارے لیے ثانیہ۔"
وہ جیسے غصے میں پاگل ہو رہا تھا۔ ثانیہ کے الفاظ نے اسے پھر سے تکلیف پہنچائی تھی۔ وہ پھر سے اس اذیت کا شکار ہوا تھا۔ جس کا مزہ اس نے پہلے بھی چکھا تھا۔ کڑوا کسیلا نس نس میں زہر بھرنے والا۔
"یہ غصہ ثانیہ پر نکل رہا ہے یا اپنی بے وقوفیوں پر......"
توڑ پھوڑ کرتے ہاتھ رک گئے۔
سہیل نے اندر آ کے بکھرے کمرے پر نگاہ دوڑائی۔ وہ اس سے بہت کم بات کرتا تھا۔ کمرے میں آنے کا تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا۔
"میں نے صرف مذاق کیا تھا؟" فرخ نے نظریں چرائیں۔
"اتنا گھٹیا مذاق وہ بھی ایک شادی شدہ لڑکی سے؟ تمہاری بھابھی کی بہن، ماموں کی بیٹی ہے کسی رشتے کا لحاظ نہیں رکھا۔"
"وہ بھی کوئی دودھ کی دھلی نہیں ہے بھائی۔ میرے ساتھ سارے رابطے رکھتی رہی ہے۔"
"اور تم رکھتے رہے؟" سہیل نے چبھتے لہجے میں پوچھا۔
فرخ کو کوئی جواب نہ سوجھا۔
"تمہاری کوئی عزت نفس نہیں ہے۔ وہ تمہیں پچ پچ کرتی رہے گی اور تم کتے کی طرح دم ہلاتے اس کے پیچھے جاؤ گے۔"
فرخ نے تڑپ کر بھائی کو دیکھا۔ "آج وہ تم پر ہاتھ اٹھا رہی تھی، کل اس کا شوہر تمہارا گریبان پکڑے گا کیوں خود کو اتنا سستا کر لیا ہے فرخ!"
سہیل کے غصے میں چھوٹے بھائی کے لیے فکر مندی چھلکنے لگی۔
فرخ نے منہ پھیر لیا۔
"کیوں چاہتے ہو لوگوں کو پرانی باتیں یاد آئیں کیا نہیں ہے تمہارے پاس جوان ہو۔ گڈ لکنگ ہو برسر روزگار ہو۔ خود پر بدکرداری کا ٹیگ لگا کر معاشرے میں سر اٹھا کر جی سکو گے۔ کچھ تو اپنی عزت کا خیال کرو۔"
"عزت؟" فرخ نے بے خیالی میں بھائی کو دیکھا۔
"عزت صرف عورت کی نہیں۔ مرد کی بھی ہوتی ہے۔ ایک وقار ہوتا ہے۔ ایک لڑکی کے پیچھے اپنی زندگی برباد مت کرو فرخ......ورنہ۔" وہ ایک لمحے کو چپ ہوا۔
"تمہاری یہی حرکتیں رہیں تو میں تم سے ہر رشتہ توڑنے پر مجبور ہو جاؤں گا۔"
سہیل کا لہجہ حتمی اور دو ٹوک تھا۔
فرخ نے صرف اس کے جاتے ہوئے قدموں کو دیکھا اور بیڈ کے کنارے بیٹھ گیا۔ اس کے سپاٹ چہرے سے بالکل اندازہ نہ ہوتا تھا کہ سہیل کی باتوں نے اس پر کہاں تک اثر کیا ہے۔

☆☆☆

غم و غصے اور پریشانی سے رابعہ کا برا حال تھا۔ ساری رات اس نے سہیل کے کان کھائے تھے۔ اگر ایسا ہو گیا تو؟ اگر ایسا ہو گیا تو...... چڑیا جتنا دل، ہزار ہا دوسوں سے سہا جاتا۔

صبح پھر وہی گردان شروع۔

آفس کی تیاری کرتا سہیل زچ ہو گیا۔

"بس کرو رابعہ، کیوں میرا سر کھا رہی ہو۔ میں نے کیا کیا ہے؟"

"آپ سمجھتے نہیں ہیں سہیل۔" وہ اس کے پاس آ کر کھڑی ہو گئی۔

"اگر یہی حالات رہے تو فرخ ثانیہ کی شادی شدہ زندگی کو مشکل میں ڈال دے گا۔"

"تو اپنی بہن سے بھی کہو۔ ذرا سنبھال کر چلے۔ وہ کیوں انگاروں سے کھیل رہی ہے۔" سہیل نے جھنجلا کر ٹائی ٹھیک کی۔

"ایسی کوئی بات نہیں ہے۔ وہ اپنے گھر میں خوش ہے۔" رابعہ برا مان گئی۔

"اس سے کہو یہاں مت آیا کرے۔"

"وہ کہاں آتی ہے۔ اور یہ اس مسئلے کا حل تھوڑی ہے۔"

"تو کیا حل ہے؟"

"فرخ کی شادی کر دیں تاکہ اس کا دھیان کسی اور طرف ہو جائے۔"

"کہتا ہوں امی سے......" سہیل نے گھڑی اٹھائی۔ تب ہی دستک دے کر فرخ اندر آ گیا۔ رابعہ نے منہ پھیر لیا۔ وہ اس کی شکل بھی نہیں دیکھنا چاہتی تھی۔

"بھائی! آپ سے ایک بات کرنی ہے۔" وہ سنجیدہ تھا۔ چہرہ ایسے، جیسے ساری رات سویا نہ ہو۔

"بولو......"

"ایک لڑکی ہے۔ میرے آفس میں اس سے شادی کرنا چاہتا ہوں۔"

رابعہ اور سہیل نے بے اختیار ایک دوسرے کو دیکھا۔ فرخ نے مختصر لفظوں میں انہیں نمرہ کے بارے میں بتایا۔ وہ چاہتا تھا کہ رابعہ اور سہیل ماں سے بات کریں۔ اسے ڈر تھا کہ اگر آصفہ کو بھنک بھی پڑ گئی کہ نمرہ فرخ کی پسند ہے وہ ہتھے سے اکھڑ جائیں گی۔ پھر دنیا ادھر کی ادھر ہو جاتی۔ انہوں نے بغیر دیکھے اس رشتے سے انکار کرنا ہی کرنا تھا۔

"ٹھیک ہے، میں سنبھال لوں گا تم فکر نہ کرو۔" سہیل نے فرخ کا کندھا تھپتھپایا۔

رابعہ نے سکون کی سانس لی۔ بس یہی وہ طریقہ تھا جس کے بعد فرخ کے دماغ سے ثانیہ کا بھوت اتر سکتا تھا۔

☆☆☆

"بندہ اپنے آنگن میں بوٹا لگاتا ہے۔ اس آس میں کہ اس کی چھاؤں میں بیٹھے گا اس کا پھل کھائے گا۔ کمبخت ماریاں بوٹا ہی اکھاڑ کر لے جاتی ہیں۔"

نادرہ نے تاسف سے ہاتھ ملے تو نجانے کیوں رابعہ کو ہنسی آ گئی۔ وہ آج کئی دنوں کے بعد آئی تھی۔ صفائی کی، کھانا بنایا۔

"ہاں، ماں کی بے بسی پر دانت نکال۔" نادرہ نے غصے سے کہا۔ تو رابعہ نے دونوں بازو ان کے گرد باندھ دیے اور کندھے پر ٹھوڑی ٹکا دی۔

"پتا ہے جب آپ کہتی تھیں کہ سہیل سے کہو الگ گھر لے لو تو میں دعا کرتی تھی کہ اللہ مجھے اسی گھر میں سکھ

دے۔ کیونکہ میں ہر وقت اپنی ساس کی بد دعائیں نہیں لے سکتی تھی۔"
"بددعائیں تو نہیں دیتی۔ لیکن دل سے آہ تو نکلتی ہے۔"
"مت سوچا کریں۔ خود کو مصروف رکھا کریں۔ جس طرح آسیہ خالہ نے رکھا ہے۔"
"وہ تو میسنی ہے۔ جان بوجھ کر پکا پکا کر بھیجتی ہے تاکہ مجھے احساس ہو۔" نادرہ نے بے زاری سے رابعہ کو ہٹایا۔
"ٹھیک ہی تو کرتی ہیں۔ احساس بھی تب ہی ہوتا ہے جب غم ایک ہو۔"
"ثانیہ کو تو ایک لمحے کے لیے بھی احساس نہیں ہوا۔ جب بھی آتی ہے۔ باتیں ہی سناتی ہے۔ میرا دکھ تو اسے نظر ہی نہیں آتا۔" انہیں ثانیہ سے بہت گلے تھے۔ رابعہ اس موقعہ پر بہت کچھ کہنا چاہتی تھی۔ مگر پھر بات بدل دی۔
"وسیم سے کہیں آپ کے لیے ملازمہ رکھ دے۔"
"میں کیوں کہوں۔ بیوی تھی تو ملازمہ آ گئی۔ اب احساس نہیں ہے۔" نادرہ نے تنک کر کہا۔ "تمہارے باپ کے پیسوں سے تو بمشکل گھر ہی چلتا ہے۔"
"اماں احساس دلانا پڑتا ہے۔ اچھا میری بات ہوئی تو میں کہوں گی۔"
اندر سے شبیر نکلے...... بیٹی کو شفقت سے دیکھا۔ وہ بہت محنتی اور فرماں بردار تھی۔ خاموش طبع، صابر انہوں نے ہمیشہ ثانیہ کو عقل مند اور رابعہ کو بدھو سمجھا مگر آج احساس ہوا کہ زندگی، لوگوں، ناموافق حالات سے لڑ کر اپنے لیے خوشیاں ڈھونڈنے والی رابعہ ہی تو اصل کردار تھی۔
اور وہ کہہ ہی بیٹھے......
رابعہ کی آنکھوں میں حیرت اتری پھر حیرت دھندلائی اور آنسوؤں میں ڈوب گئی۔
"ابا! مجھے یہی کرنا تھا مگر اس طرح نہیں کرنا تھا اس گھر کو بسانے کے لیے میں بہت ذلیل ہوئی ہوں۔ یہ کم ہو سکتا تھا اگر آپ لوگ میرے ساتھ کھڑے ہوتے۔ میرے سر پر ہاتھ رکھتے۔ پھوپھو کو احساس دلاتے کہ رابعہ اکیلی نہیں ہے۔ اس کا باپ اس کے ساتھ کھڑا ہے۔"
شبیر نے منہ پھیر لیا۔
بیٹی کے ساتھ زیادتی صرف سسرال میں نہیں میکے میں بھی ہوئی تھی۔
"ایک ہی گھر میں رہنے والی دو بیٹیوں کے ساتھ مختلف سلوک ہوا تھا۔" نادرہ نے آہ بھری۔
رابعہ نے دوپٹے کے پلو سے چہرہ صاف کیا۔ اور ہنس دی۔
"جن کے ساتھ کوئی نہیں ہوتا ان کے ساتھ اللہ ہوتا ہے۔ اب تو وہ وقت گزر گیا۔ اللہ نے مجھ کمزور کو مضبوطی دی۔ میرے صبر کا اجر میری اولاد ہے۔"
"جیتی رہو اللہ تمہیں اولاد کا سکھ دکھائے۔" شبیر نے دونوں ہاتھ اس کے سر پر رکھ کر ہلکا سا دباؤ ڈالا۔
مسجد کے مائیک میں موذن کھنکارا، وقت عصر تھا۔
"میں نماز پڑھ آؤں۔"
نادرہ نے چونک کر سر اٹھایا۔
"بل جمع کروا دیا تھا۔ پانی والی موٹر کا سوئچ خراب ہو گیا ہے۔ وہ بھی بدلوا دینا۔"
"کروا دوں گا۔ ساری مشقتیں میرے سر پڑ گئی ہیں۔" وہ بڑبڑاتے ہوئے دروازے سے نکل گئے۔
"میں بھی چلتی ہوں اماں! بچے پھوپھو کو تنگ کر رہے ہوں گے۔" رابعہ بھی کھڑی ہو گئی۔

نادرہ نے گردن جھکا دی۔ ڈھلتی شام کی اداسی نے ابھی سے دل کو کاٹنا شروع کر دیا تھا۔

☆☆☆

وہ بالکونی میں بیٹھی سکون سے چائے پی رہی تھی۔ مگر یہ سکون صرف ماحول میں تھا۔ اس کے دماغ میں تو ہر وقت کھچڑی ہی پکتی۔

آج کل کچھ بھی اچھا نہ لگتا۔ نہ سہیلیوں میں دل لگتا، نہ عبید کے ساتھ تکرار میں مزہ آتا۔ عبید نے بھی جیسے اسے اس کے حال پر چھوڑ دیا تھا۔ ماں کے گھر بھی نہیں جا سکتی تھی۔ کہ مکمل ناراضگی چل رہی تھی۔

''یا اللہ، زندگی میں کرنے کو کچھ بھی نہیں رہا۔''

اسے لگتا ہر کوئی اپنی دنیا میں خوش اور مگن ہے۔ ایک وہ ہی ویلی فارغ۔ نکمی نہ اتنا کھلا پیسہ کہ شاپنگ میں لگا سکے۔ نہ گھر کے کام اتنے کہ وقت ہی کٹ جائے۔

''کتنا عرصہ ہو گیا پارلر کا چکر بھی نہیں لگایا۔'' اس نے اپنی جلد کو چھوا۔

ان ہی لایعنی سوچوں میں اس کا موبائل گنگنایا۔

''میں نمرہ ہوں۔ فرخ کی منگیتر۔''

''ہونے والی۔'' ثانیہ نے تصحیح کی تو وہ چپ سی ہو گئی۔

''خیریت......؟'' ثانیہ نے مگ میز پر رکھا۔ نمرہ کی کال غیر متوقع تھی۔

''ثانیہ! فرخ کے گھر والے رشتہ لے کر آ رہے ہیں۔''

ثانیہ چونکی۔

''پلیز مجھے بتاؤ۔ کیا وہ لڑکی اب بھی فرخ کی زندگی میں ہے؟'' فرخ کے الفاظ ثانیہ کے کانوں میں زہر گھولنے لگے۔

''تم نے فرخ سے نہیں پوچھا۔''

''وہ نہیں بتائے گا۔ ثانیہ مجھے فرخ کے ماضی سے کوئی سروکار نہیں۔ لیکن اگر وہ اب بھی فرخ کی زندگی میں ہے تو......''

''فرخ تو اب بھی اس کے پیچھے پاگل ہے۔''

''میں نے فرخ سے بہت پوچھا۔ اس نے بتایا اس کی شادی ہو گئی ہے۔ وہ اس کے ماضی کا قصہ ہے۔ مگر میرا دل مطمئن نہیں ہو رہا۔''

''ہونا بھی نہیں چاہیے۔ فرخ تو چاہتا ہے کہ وہ اپنے شوہر سے طلاق لے کر اس سے شادی کر لے۔''

فرخ کے الفاظ نے کانوں میں زہر گھولا۔ تو زبان نے زہر اگل دیا۔

نمرہ ہکا بکا رہ گئی۔

''کیا کہہ رہی ہو۔''

''سچ کہہ رہی ہوں۔ وہ اب بھی اس کے لیے دیوانہ ہے۔''

ثانیہ کی زبان کھلتی چلی گئی۔ اور نمرہ، فرخ کے رشتے کو لپیٹتی چلی گئی۔ موتیوں کی مالا تھی۔ جو ٹوٹی تو بکھر گئی۔

''ہونہہ وہ ثانیہ ہی کیا جو اپنا حساب بے باق نہ کرے۔ میں کچھ نہیں بھولتی فرخ۔'' اس کے ذہن پر چھایا غبار اتر چکا تھا۔

ثانیہ نے مطمئن ہو کر مگ اٹھا لیا۔

☆☆☆

صبح سے ہلکی کن مین جاری تھی۔ آتے ہوئے بادل جاتی ہوئی سردی کا ہاتھ تھام لائے تھے۔ اور نادرہ کو سردی لگتی بھی بہت تھی۔ سبھی لپٹا ہوا لحاف پھر سے کھول کر اپنے گرد لپیٹ لیا۔ ایسا کرتے ہوئے انہیں نجانے کیوں اپنی ساس یاد آ گئیں۔ انہیں بھی سردی بہت لگتی تھی۔ سردی کی آہٹ سنتے ہی لحاف کھول لیتیں۔

''میں نے کہا، چائے کے ساتھ پکوڑے ہی بنالو۔'' شبیر باہر سے آئے تھے۔

''آتے ہوئے لے ہی آتے۔ مجھ میں تو ہمت نہیں ہے۔'' انہوں نے کل کپڑے دھوئے تھے۔ کل سے بازو میں درد تھا۔

''خود ہی بنالیتا ہوں چائے۔'' وہ مایوس سا پلٹے اس لمحے وسیم کمرے میں داخل ہوا۔ دونوں پر گویا شادیٔ مرگ کی کیفیت طاری ہوگئی۔

کہاں کے گلے، کدھر کے شکوے۔

شبیر نے زور سے گلے لگایا تو نادرہ ماتھا چومتے نہ تھکتی تھیں۔

وہ البتہ ویسے کا ویسا ہی تھا۔ سنجیدہ اور بے زار۔

''آئے تھے تو میں نے کہا خیریت پوچھ جاؤں۔''

''بہو نہیں آئی۔'' شبیر نے پوچھا۔

''اپنے پاپا کے گھر گئی ہے۔ یہاں نہیں آنا چاہتی تھی۔'' وسیم نے صاف گوئی سے بتایا۔ پلنگ کے کنارے یوں بیٹھا تھا۔ جیسے ابھی اٹھ کر بھاگ جائے گا۔

''الگ تو ہوگئی ہے۔ اب اسے اور کیا چاہیے۔'' نادرہ کو غصہ آ گیا۔

''ان ہی باتوں کی وجہ سے ہی نہیں آئی۔'' وسیم نے ناگواری سے باپ کو دیکھا۔

''اچھا...... اچھا رہنے دو پرانی باتوں کو جاؤ وسیم کے لیے کھانا بناؤ۔''

''چائے پلادیں کھانا تو نتاشا کے پاپا کے گھر ہے۔''

سامنے ان کا بیٹا نہیں پاپا کا داماد بیٹھا تھا۔

وہ جو لحاف کھسکا کر اٹھنے کو تھیں۔ حیران ہو کر پوچھنے لگیں۔

''ہمارے پاس نہیں رکو گے؟''

''اماں ملنے آ گیا ہوں کافی ہے۔ مجھے باقی کے معاملات بھی دیکھنے ہیں۔ یہیں تو نہیں بیٹھا رہ سکتا۔'' کیسا دل چیرنے والا لہجہ تھا۔

''ہاں یہاں کیوں بیٹھو گے۔ اب تو وہی تمہارے ماں باپ ہیں۔ وہی سگے ہیں۔'' وہ گلوگیر لہجے میں کہتی، بڑبڑاتی کچن میں چلی گئیں۔

''ان ہی تماشوں سے نتاشا چڑتی ہے۔'' وہ بڑبڑایا۔ شبیر نے بے چینی اور اضطراب میں پہلو بدلا۔

چولہے پر چائے کا پانی چڑھاتی نادرہ کی آنکھیں بار بار چھلکتی رہیں۔ شبیر بات کرنے کے لیے پر تولتے رہے۔ وسیم جلدی جلدی چائے زہر مار کرتا رہا۔ نتاشا کی بار بار کالیں آتی رہیں۔ نادرہ ٹکر ٹکر بیٹے کا منہ دیکھتی رہیں مہمان تھا چند لمحوں کے لیے آیا تھا۔ بھاگنے کو تیار تھا۔ وہ اپنے مسائل کیا بتاتیں۔

وسیم نے پیالی رکھی اور کھڑا ہوگیا۔

''بس۔'' شبیر نے صدمے سے اسے دیکھا۔ اس کے پاس گنوانے کو ہزاروں مصروفیات تھیں۔

شبیر کچھ کہنا چاہتے تھے۔ اس نے رٹو طوطے کی طرح ہزاروں خرچ گنوا کر کہہ دیا۔

''آپ دو تو جی ہیں۔ اپنی پنشن میں گزارہ کر لیجیے گا۔ میں ایک تنخواہ میں دو گھر نہیں چلا سکوں گا۔''

آنکھیں ماتھے پر رکھنا کسے کہتے ہیں۔ وہ عملی تفسیر تھا۔

''گھر تو تمہارا سسر چلا رہا ہے۔ جس کی تم غلامی کر رہے ہو۔'' نادرہ نے بدقت آخری جملہ لبوں میں دبا لیا۔

''اب ایسی بھی بات نہیں ہے۔ انہوں نے گاڑی دے دی۔ گھر فرنشڈ کروا دیا۔ مگر اسے چلانا تو میری ذمہ داری ہے۔ پھر اچھی سوسائٹی میں گھر ہے۔ خرچے زیادہ ہیں۔''

''مطلب، ماں باپ کے لیے اب تمہارے پاس کچھ نہیں ہے۔''

''جب کچھ ہوں گے بھجوا دوں گا۔ اب اس طرح تو پریشان نہ کریں۔''

اس نے بجتا ہوا موبائل نکال کر دیکھا۔

''پاپا کی کال آ رہی ہے۔ میں اب چلتا ہوں۔''

اس نے کھڑے ہو کر ماں کے سامنے سر جھکا دیا۔ نادرہ نے سر اٹھا کر اس کے جھکے سر کو دیکھا تو منظر دھندلا گیا۔ ابھی ان کی انگلیوں نے وسیم کے بالوں کو چھوا ہی تھا کہ وہ سیدھا بھی ہو گیا۔

شاید اب ماں باپ کی دعاؤں کی ضرورت بھی نہیں رہی تھی۔

☆☆☆

نیم تاریک کمرے میں وہ بے حس و حرکت بیٹھا سامنے رکھے باکس کو دیکھ رہا تھا۔ اس میں کچھ زیادہ چیزیں نہیں تھیں۔

کچھ شاعری کی کتابیں، جنہیں بار بار پڑھا گیا تھا۔ کچھ ڈائریاں جن کے سفید صفحات ان چھوئے تھے۔

کچھ پھول اور ان کی باسی خوشبو...... مرجھائی ہوئی پتیاں۔ شاید کچھ اور بھی تھا۔

بہت سے آنسو، ادھورے خواب۔

چند سسکیاں اور ان سسکیوں میں لپٹی جدائی۔

فرخ نے یونہی عقب میں پشت ٹکا دی۔

''میں کسی ایسے شخص کے ساتھ کیسے شادی کر سکتی ہوں۔ جس کے دل میں کوئی اور ہو۔ جو اپنی سابقہ محبوبہ کو مجھے اس لیے ملانے لائے کہ وہ مجھے تمہارے لیے پسند کرے۔'' فرخ کی آنکھوں کی سطح گیلی ہونے لگی۔

محبت صرف اسی کے لیے نامہرباں کیوں تھی۔

''اس طرح مت کرو۔ مجھے نہیں پتا کس نے تمہیں کیا بتایا ہے۔ لیکن میں سب کچھ بھول کر پورے خلوص سے تمہاری طرف بڑھا ہوں۔''

وہ کرب سے کرلایا تھا۔

''ایک ایسا شخص جو اپنی سابقہ محبوبہ کے انتظار میں ہے کہ کب وہ اپنے شوہر سے طلاق لے کر اس کے پاس واپس آتی ہے۔'' ثانیہ نے کیسا خنجر گھونپا تھا کیسا بدلہ لیا تھا۔

''اور اگر اس نے تمہاری شادی کے بعد طلاق لے لی۔ تو تم کیا کرو گے اپنی بیوی کو طلاق دے دو گے۔''

لمحوں کی غلطیاں عمروں پر محیط ہو جاتی ہیں۔

''میں ساری زندگی اسی خوف میں نہیں گزار سکتی فرخ۔ اس لیے سب ختم۔''

''ہاں سب ختم۔'' وہ بڑبڑایا اور آنکھیں بند کر لیں۔ اس کے اندر کوئی غم و غصہ نہ تھا سناٹا تھا بہت گہرا سناٹا۔

☆☆☆

''امی ابو واپس آ گئے ہیں۔'' اس نے یہی سوچ کر دروازہ کھولا تھا۔ پھر ٹھٹک گئی...... گھبرا گئی۔

''آپ......؟''

عفان نے سرتاپا اسے دیکھا۔ سفید کڑھائی والا نیوی بلیو کرتا۔ سفید ٹراؤزر میں ملبوس۔ بغیر میک اپ، بغیر جیولری بالوں کو پونی میں باندھے وہ کالج گرل لگ رہی تھی۔

"اندر نہیں آنے دو گی۔" اس نے قدم آگے بڑھائے تو ارم نے جلدی سے ایک طرف ہو کر راستہ دیا۔

عفان اندر آ گیا۔ ارم نے جلدی سے دروازہ بند کیا۔ دونوں ہاتھ سر پر پھیر کر بال ٹھیک کیے۔ دل نجانے کیوں سینے میں شور مچانے لگا تھا۔

"وہ...... امی ابو گھر پر نہیں ہیں۔"

"میں ان سے ملنے نہیں آیا۔" اس کا رخ اندر کی طرف تھا۔

"پھر کیوں آئے ہیں؟"

وہ رکا ارم کو بھی بریک لگانی پڑی۔

عفان نے مڑ کر اسے دیکھا۔

"نہیں وہ میرا مطلب ہے۔" ارم گڑبڑا گئی۔

"وہ میسج پڑھنے آیا ہوں۔ جو لکھتی تو میرے لیے ہو لیکن بھیجتی نہیں ہو۔"

"وہ۔" ارم بوکھلا گئی۔

"کیا لکھا تھا اس میں......؟" عفان قریب ہوا۔

"حساب......" ارم نے کہتے کہتے نچلا لب دانتوں تلے دبا لیا۔

عفان ہنس دیا۔ پھر انگلی سے اس کی تھوڑی اٹھاتے آنکھوں میں جھانکتے ہوئے گنگنایا۔

حساب عمر کا اتنا سا گوشوارہ ہے
تمہیں نکال کر دیکھا تو بس خسارہ ہے

"آپ کو کیسے پتا چلا؟" ارم ہکا بکا رہ گئی۔

"مجھے الہام ہوتے ہیں۔"

"رہنے دیں۔ اتنے کہاں کے ولی اللہ ہیں۔" ارم کو اچانک یاد آیا۔ وہ اس کا شوہر ہے۔ پھر وہ اتنا گھبرا شرما کیوں رہی ہے۔

"گناہ گار ہی سہی چلو تمہیں لینے آیا ہوں۔"

"اس طرح......؟"

"تو کیا پھر سے بارات لے کر آؤں۔" عفان نے مصنوعی حیرت سے پوچھا۔

"نہیں میرا مطلب ہے۔" ارم نے ادھر ادھر دیکھا۔

"میں نے سوچا میری بیوی بہت انا پرست ہے۔ خود سے نہیں آئے گی۔ بس میسج لکھ لکھ کر مٹاتی رہے گی۔"

"آپ نے مجھے ہرٹ کیا تھا۔" ارم نے شکایت کی۔

"اوں ہوں۔ تم نے مجھے ہرٹ کیا تھا۔" عفان نے تصحیح کی...... یعنی وہی مرغی کی ایک ٹانگ۔

"عفان......" ارم چڑ کر کچھ کہنے لگی۔ تو عفان نے دونوں ہاتھ اٹھا دیے۔

"دیکھو ہم پرانی باتوں میں پڑے تو جھگڑا ہو جائے گا۔ اور یہ جگہ کچھ مناسب نہیں سامان اٹھاؤ گھر چلتے ہیں۔"

"گھر جا کر جھگڑا کریں گے۔" ارم نے آنکھیں پھیلائیں۔

''اتنی معصومیت سے بات کرتی ہو کہ......'' اس سے قبل کہ وہ کوئی حرکت کرتا۔ ارم تیزی سے مڑی۔
''بیٹھیں میں امی ابو کو کال کردوں۔'' عفان نے مسکرا کر ہاتھ پیچھے کرلیے۔ ''ویسے بھی یہ کوئی مناسب جگہ نہیں۔'' وہ تھوڑا دور جا کر شرارت سے مسکرائی۔
''سامان سمیٹو منز......''
''او کے۔'' وہ جاتے جاتے پھر رکی۔ ''زارا کے گھر والوں نے آنا تھا ان سے کیا بات ہوئی۔'' عفان نے بھنویں اچکا کر اسے دیکھا۔
''خبریں تو ساری ہیں گھر کی۔''
''ہاں تو میری ساس آپ جیسی نہیں ہیں۔ مجھے ہر روز کال کرتی ہیں۔'' اس نے جتایا۔
''تو پھر ان ہی سے پوچھ لینا۔''
''آپ کو بی بی جان نے کہاں سے اٹھایا تھا۔ بالکل بھی ان کے بیٹے نہیں لگتے۔'' ارم نے برجستہ کہا۔
عفان کا قہقہہ بے ساختہ تھا۔ ارم خجل سی ہو کر اندر چلی گئی۔ ماحول پر چھائی ساری کلفت اور اداسی دور ہو گئی تھی۔ بی بی جان نے زارا کے گھر والوں کو سمجھا بجھا کر بھیج دیا تھا۔ اب انہوں نے خود ہی زارا کو سمجھا لینا تھا۔
ارم بھی وہ اسی خوشی میں اسے لینے آ گیا ہے۔
حالانکہ اس نے صرف اپنے دل کی سنی تھی۔
جو کہتا تھا جن سے محبت ہو ان کے مان رکھے جاتے ہیں۔

☆☆☆

موسلا دھار بارش تھی۔ پرشور جس نے ان کی نیند میں خلل ڈالا تھا۔ وہ کسمسائیں۔ تبھی بادل زور سے گرجے تو وہ ڈر سی گئیں۔ پھر بھی نیند کا سرا ان کی آنکھوں سے ٹوٹا نہیں تھا۔
''نادرہ......نادرہ......''
دادی کی آواز پر ہڑبڑا کر جاگیں۔ وہ آدھی رات کو انہیں کیوں پکار رہی تھیں۔ اپنے کمرے سے نکلتے ہی سرد ہوا سے جسم میں جھرجھری سی دوڑ گئی۔
دادی کے کمرے میں نیم تاریکی تھی۔
سیلن اور بو......
کس چیز کی بدبو۔
ان کی طبیعت متلانے لگی۔
دادی سرتاپا کمبل اوڑھے لیٹی تھیں۔
بے حس و حرکت۔
ان کا بدن کانپنے لگا اور یہ کپکپی سردی کی نہیں تھی۔ یہ خوف تھا جو آکٹوپس کی طرح ان کے دل کو جکڑ رہا تھا۔
انہوں نے ڈرتے ڈرتے کانپتے ہاتھوں سے کمبل ہٹایا۔ تو ان کے لبوں سے چیخ نکل گئی۔
وہاں دادی نہیں تھیں ان کے خون آلود کپڑے تھے۔ جو انہوں نے نادرہ نے ان کے جسم سے اتارے تھے۔
وہ اندھا دھند باہر کی طرف بھاگیں۔
''نادرہ! آج میرے پاس سو جاؤ۔''
عقب میں ان کی ساس انہیں پکار رہی تھیں۔

☆☆☆

"اماں، چوٹ کیسے لگی ہے؟"
ان کا گھٹنا نجانے کس چیز سے ٹکرا کر زخمی ہوا تھا۔ رابعہ بے چاری تو گھن چکر بن گئی تھی۔ سہیل تو کچھ نہ کہتا تھا۔ مگر آصفہ نے خوب لتاڑا۔
نادرہ کو پھر سے وہ بھیانک خواب یاد آ گیا۔ تو جھر جھری لے کر رہ گئیں۔
اور ایک بار تھوڑی تھا۔ انہیں اکثر ہی مغالطہ ہونے لگا تھا۔
ساس کی آہٹیں۔ ساس کی پکار۔ وہ آخری پکار۔
"نادرہ! آج میرے پاس سو جاؤ۔"
"رابعہ۔" انہوں نے کھوئے کھوئے لہجے میں پکارا۔
"جی اماں۔" رابعہ بام کی شیشی پر ڈھکن لگا رہی تھی۔
"اکیلے موت کیسے آتی ہو گی؟"
رابعہ نے جھر جھری لے کر انہیں دیکھا۔ نادرہ کی نگاہیں کسی غیر مرئی نقطے پر جمی تھیں۔
"جب جان نکل رہی ہو اور کوئی آپ کے پاس پانی کا گھونٹ دینے والا بھی نہ ہو۔ خون کی قے آئے اور......"
رابعہ نے ڈر کر ان کے گھٹنے پر ہاتھ رکھا۔
وہ منظر اب بھی اسے کرب و اذیت میں مبتلا کر رہا تھا۔ اسی خوف کے ہاتھوں، بار بار اٹھ کر آصفہ کو دیکھنے چلی جاتی۔
"میں نے یہ بات کسی سے نہیں کہی۔" نادرہ نے ادھر ادھر دیکھا۔ آواز سرگوشی میں ڈھل گئی۔
"اماں نے کہا تھا میں ان کے پاس سو جاؤں۔ مجھے لگا تھا جیسے ان کا وقت رخصت ہے۔ لیکن پتا نہیں کیوں میں نے......"
وہ رک کر لب چبانے لگیں۔
رابعہ نے ٹھنڈی سانس بھر کے تاسف سے انہیں دیکھا۔
اس دن نادرہ سے بہت کوتاہیاں ہوئی تھیں۔ جو پچھتاوا بن کر لحہ لحہ انہیں ڈس رہی تھیں۔
"مجھے اکیلے رہنے سے بہت ڈر لگتا ہے رابعہ۔" نادرہ کی آواز میں بے بسی در آئی۔
"ابا پاس ہی ہوتے ہیں اماں۔" رابعہ نے تسلی دی۔
"وہ کون سا سارا دن گھر میں ہوتے ہیں۔" ان کے لہجے میں مایوسی در آئی۔
"ثانیہ سے کہتی ہوں۔ کچھ دن آپ کے پاس آ کر رہ لے۔"
"میں کیسے رہ سکتی ہوں۔ عبید کا کیا ہو گا؟" ثانیہ نے سنتے ہی انکار کر دیا۔ رابعہ کو غصہ ہی آ گیا۔
"عبید کوئی چھوٹا بچہ نہیں ہے جو منیج نہ کر سکے۔"
شومئی قسمت عبید چونک کر دیکھنے لگا۔ رابعہ کسی بات پر اصرار کر رہی تھی اور ثانیہ انکار۔
"کیا ہوا؟" کال بند ہونے پر عبید نے سرسری سا پوچھا۔
"کچھ نہیں اماں کے چوٹ لگ گئی ہے۔ رابعہ چاہ رہی تھی۔ میں کچھ دن وہاں رک جاؤں۔"
ثانیہ نے بغور عبید کا چہرہ دیکھا۔
"ہاں تو چلی جاؤ۔"
"نہیں تمہیں مسئلہ ہو گا۔"
"نہیں ہو گا۔ انہیں تمہاری ضرورت ہے۔" کیسا نارمل انداز تھا۔
"تم بھی ساتھ چلو۔" اس نے نجانے کیا سوچ کر کہہ دیا۔

ماہنامہ کرن

مارچ 2025ء کے شمارے کی ایک جھلک



- "ماہنامہ کرن" کی سالگرہ کے حوالے سے قارئین سے سروے،
- "خواتین کے عالمی دن" کے حوالے سے شاہین رشید کا سروے،
- مشہور نعت خواں "فائزہ کامران" کہتی ہیں "میری بھی سنیے"،
- "تاش گھر" ایمل رضا کا سلسلے وار ناول،
- "منوا کر دل و جاں ہم" اُم طیفور کا مکمل ناول،
- "لیٹر بکس" آسیہ رئیس خان کا مکمل ناول،
- "محفل وفا" فرح بخاری کا ناولٹ،
- "قمر النساء کی کہانی" نگہت سیما کا ناولٹ،
- "قیس جنگل میں اکیلا ہے" فشاء محسن علی کا ناولٹ،
- شازیہ ستار نایاب، عقیلہ ہاشمی، نازنین فردوس اور کرن نعمان کے افسانے اور مستقل سلسلے،
- **"کرن کتاب"**

ماہ دسمبر کے حوالے سے خصوصی مضامین اور کھانوں کی ترکیبوں کے ساتھ،

مارچ 2025ء کا شمارہ شائع ہوگیا

”میں۔“ عبید نے اپنے سینے پر انگلی رکھتے حیرت سے اسے دیکھا۔ پھر ہنسنے لگا۔
”تم تو سسرال میں رہی نہیں ہو۔ میں کیوں جا کر رہوں گا۔“
ثانیہ جز بز ہوگئی۔ اسے ڈر تھا اگر وہ چلی گئی تو عبید بھی اپنے ماں باپ کے گھر ڈیرے ڈال لے گا۔ باقی سکھائی پڑھائی آسیہ اب پوری کر لیں گی۔
”تو پھر میں اماں کو کچھ دن یہاں لے آتی ہوں۔“ اس نے کچھ سوچ کر حل نکالا۔
”نہیں بھئی ہماری پرائیویسی متاثر ہوگی۔“ عبید تر نت جواب دیا۔ ”میں اپنے گھر میں کسی اور کی مداخلت برداشت نہیں کروں گا۔“
”عبید، وہ میری ماں ہیں ہماری ذمہ داری ہیں۔“ ثانیہ زچ ہو کر بولی۔ وہ کسی صورت عبید کو اکیلے چھوڑ کر جانا نہیں چاہتی تھی۔
”میری کہاں سے؟“ وہ کہنی کے بل اونچا ہوا۔ ”جب میرے ماں باپ تمہاری ذمہ داری نہیں ہیں۔ تو پھر تمہاری ماں میری ذمہ داری کہاں سے ہوگئیں۔“ ثانیہ گنگ ہوگئی۔
”یہ اچھی رہی۔ جب بیٹے ذمہ داری نہیں نبھاتے تو داماد کے پیچھے پڑ جاؤ۔“ وہ بڑبڑاتا کروٹ بدل گیا۔
ثانیہ شاکڈ سی اس کی پشت گھورتی رہی۔ اسے یقین ہی نہیں آ رہا تھا کہ یہ سب عبید نے کہا تھا۔ مگر جو کچھ کہا تھا وہ بحث کر ہی نہیں سکتی۔ اپنے میکے جاتے ہوئے اس نے ایک بار بھی سسرال میں جھانک کر اپنی ساس کی خیر یت دریافت نہ کی تھی۔
وہ لب بھینچ کر رہ گئی کہ سارے رستے تو خود ہی بند کیے تھے۔ جو کچھ وہ خود نہ کر سکی۔ عبید کو اس کے لیے کیسے مجبور کر سکتی تھی۔

☆☆☆

وہ بمشکل دو دن ہی میکے رک سکی۔ اس کے نخرے ہی اتنے تھے کہ تیسرے دن شبیر نے خود ہی کہہ دیا کہ وہ اپنے گھر سدھارے۔
اسے مایوسی ہوئی جب پتا چلا کہ ارم اپنے گھر جا چکی ہے۔ اسے خوشی ہوئی جب پتا چلا کہ فرخ کا رشتہ ہونے سے پہلے ہی ختم ہو گیا تھا۔
اسے تکلیف ہوتی تھی جب وہ دیوار کے اس پار عبید کے قہقہے سنتی۔ ان لوگوں کو بھی عادت تھی۔ خوش گوار شاموں میں چائے صحن میں بیٹھ کر پیتے تھے۔ لاشعوری طور پر وہ منتظر رہتی۔ عبید اسے بھی کال کر کے بلائے گا۔ مگر وہ بھی اپنی دھن کا پکا۔ تمہارے لیے تمہارے رشتے، میرے لیے میرے رشتے پر ہی کاربند رہا۔
کبھی کبھی ثانیہ کو حیرت ہوتی۔ عبید اتنا کیسے بدل گیا۔ اسے لگتا اس کی زندگی میں ایک روایتی رشتے کے سوا کچھ بھی نہیں بچا۔
وہ بھول ہی گئی تھی کہ اس کی لو میرج ہوئی تھی۔
”محبت کہاں گئی۔“
اسے اس محبت کو پھر سے زندہ کرنا تھا۔
”مگر کیسے؟“

☆☆☆

”زارا! آپ......؟“
ارم اپنے کمرے سے نکلی تو زارا کو دیکھ کر ٹھٹک گئی۔ ارم کو پتا ہی نہیں چلا۔ وہ کب آئی تھی۔ زارا اس کی

آواز پر رکی۔ پھر مڑی اس کی آنکھوں کی سرخی، متورم چہرہ دیکھ کر ارم نے نظریں چرالیں۔
وہ دو قدم آگے آئی۔
"واپس جا رہی ہوں۔" تھکا ہوا لہجہ۔
"سفر بخیر۔" ارم نے اداسی سے دعا دی۔
"مانی سے ملنے آئی تھی۔"
"عفان اسے ساتھ لے کر گئے ہیں۔" ارم نے افسردگی سے بتایا۔
"جان بوجھ کر لے گیا ہوگا۔ وہ جانتا تھا آج میری فلائٹ ہے۔"
زارا نے تلخی سے کہا تو ارم نے شرمندگی سے گردن جھکا دی۔
زارا آگے بڑھی اور اس کے گلے لگ گئی۔
"میرے بچے کا خیال رکھنا۔"
"خود سے بھی بڑھ کر، آپ فکر نہ کریں زارا......" ارم نے ایک ماں کے دکھی دل کو سہارا دیا۔ زارا وہاں سے تیزی سے چلی گئی۔
ارم کو عفان پر بے تحاشا غصہ آیا۔
"آپ کو ایسے نہیں کرنا چاہیے تھا۔ وہ چلی گئی ہے۔" ارم فون پر عفان سے لڑ رہی تھی۔
"اچھی بات ہے۔" عفان نے اطمینان سے کہتے مانی کا جھولا تیزی سے گھمایا۔
ڈرائیو کرتی زارا کی آنکھوں کے آگے بار بار دھند چھا رہی تھی۔ دل پیچھے کو کھینچتا تھا۔ منزل آگے کو......اور راستے دھندلاتے جا رہے تھے۔

☆☆☆

اس نے پورے گھر کو بڑی خوب صورتی سے سجایا تھا۔ کچھ تروتازہ پھول، موم بتیاں، خوشبو، سیاہ ساڑھی میں ملبوس اس نے خود کو بھی آج ایک نیا انداز دیا تھا۔
"مجھے یقین ہے آج ہماری زندگی کا خوب صورت دن اور خوب صورت ترین رات ہوگی۔"
وہ عبید کو سرپرائز دینا چاہتی تھی۔ آپس کی کھینچا تانی نے جو زندگی کو بے زار کر دیا۔ اسے ایک خوش گوار موڑ دینا چاہتی تھی۔
تبھی اس کا موبائل بول اٹھا۔ دوسری طرف نادرہ تھیں۔
"تم گھر پر ہو......" انہوں نے چھوٹتے ہی پوچھا۔
"جی......" وہ ٹھٹکی۔
"دل بہت اداس ہو رہا تھا۔ تو میں نے اور تمہارے ابا نے سوچا۔ تم سے مل آتے ہیں۔ آج تمہاری شادی کی سالگرہ بھی ہے تو دعائیں دے آئیں گے۔"
"اس شادی کی سالگرہ فیملی کے ساتھ کون مناتا ہے۔"
"ہم بس نکلنے والے ہیں۔ کیک بھی لے کر آئیں گے۔" نادرہ کچھ زیادہ ہی خوش گوار موڈ میں تھیں۔
"اماں......اماں میری بات سنیں۔ دعائیں تو آپ فون پر دے سکتی ہیں۔"
"کیا مطلب؟"
"مطلب ہماری اینورسری ہے۔ عبید نے کہا ہے ہم کھانا باہر کھائیں گے۔ ہمارا آج سارا دن پروگرام باہر دن گزارنے کا ہے۔ آپ زیادہ اداس ہو رہی ہیں تو رابعہ کی طرف ہو آئیں۔"
ثانیہ نے انہیں مزید بات کرنے کا موقعہ ہی نہیں دیا۔ اور کال کاٹ دی۔

”اف اماں بھی نا...... ان بزرگوں کو ذرا سمجھ میں نہیں آتا کہ کہاں اینٹری دینی ہے اور کہاں نہیں۔“
اس نے بڑبڑاتے ہوئے عبید کا نمبر نکالا تاکہ معلوم ہو سکے وہ کب تک آئے گا۔ کال بیل ہونے لگی۔ اس کے لبوں پر دلفریب مسکراہٹ بکھر گئی۔ آج کا دن ہی ایسا تھا۔ موقعہ بھی تھا اور دستور...... وہ آج سارے فاصلے سمیٹ لے گی۔ اس نے دروازہ کھول دیا۔
سامنے سرخ گلابوں کا خوب صورت بڑا سا بوکے تھا۔
”تمہیں پا ہو تھا۔“ وہ کھلکھلائی۔
”تم مجھے کبھی نہیں بھولتیں۔“ اس نے بوکے چہرے کے سامنے سے ہٹایا۔ ثانیہ کی مسکراہٹ بجھ گئی۔
”تم......؟“

☆☆☆

ان کے سامنے کرسی پر ایک بڑی سی تصویر رکھی تھی۔ زبیر کی تصویر آج نہ جانے کیسے وہ تصویر ان کے ہاتھ سے پھسل گئی تھی۔ اس کا کانچ بھی چکنا چور ہو گیا تھا شاید زارا کے دل کی طرح۔
زارا کہیں نہیں تھی۔
وہ جا چکی تھی۔
مگر اس کی آواز اب بھی کمرے کے کسی نہ کسی کونے میں سسکنے لگی تھی۔
”میرا قصور صرف اتنا ہے بی بی جان کہ میں جب بھی آپ کے پاس آئی آپ کی بیٹی بن کر آئی اور آپ اتنی خود غرض ہیں کہ ہمیشہ مجھ سے بیٹی ہونے کا خراج وصول کیا ہے۔
میں حق پر ہوں مگر کوئی میرا ساتھ نہیں دیتا کیونکہ آپ اچھی طرح جانتی ہیں کہ آپ کا بیٹا یہ کیس ہار جائے گا۔“ ہاجرہ کا چہرہ آنسوؤں سے بھیگ گیا۔
”ایک بار پھر مایوس ہو کر جا رہی ہوں۔ لیکن یہ آخری بار ہے۔ اس کے بعد مجھے الزام مت دیجیے گا۔“ ان کے موبائل پر کال آنے لگی تھی۔
انہوں نے دونوں ہاتھوں سے چہرہ صاف کیا۔ خود کو سنبھال کر کال لی۔
وہ کال نہیں تھی۔ وہ بم تھا جو ان کے سر پر پھٹا۔
انہوں نے بے اختیار دل پر ہاتھ رکھا۔

☆☆☆

عبید نے آج بہت شاپنگ کی تھی۔ وہ تھک گیا۔ آپس کے اس تناؤ سے...... یہ کھنچا تانی...... ٹینشن اسے لگا انہیں دوبارہ سے اس رشتے کو وقت دینے کی ضرورت ہے۔
زندگی ایسی بے رونق اور بے زار نہیں۔
”آج کوئی اختلافی بات نہیں ہوگی۔ صرف ہماری بات ہوگی۔“
اس نے خود کو سمجھا کر سب کچھ خریدا تھا۔
وہ ثانیہ کو سرپرائز دینا چاہتا تھا۔
تب ہی اس کے موبائل پر کال آنے لگی۔
”ہیلو۔“ اس نے مسکرا کر کال لی...... اور دوسری طرف کی بات سن کر اس کا رنگ اڑ گیا۔

☆☆

(باقی آئندہ ماہ ان شاءاللہ)

حمیرا شفیع

کچھ نہ ہوگا اچھا



وہ دوپہر کا کھانا ٹیبل پر لگا چکی تھی۔ بچے بھی اسکول سے آپہنچے تھے بس صاحب جی کا انتظار تھا جو آج کچھ لیٹ ہو چکے تھے۔

''مما! شروع کریں۔'' بھوک کا کچا گڈو بولا۔

''بس بیٹا، تھوڑا سا انتظار اور کرلو۔ تم لوگوں کے بابا آتے ہوں گے۔

''مما! بابا کے ہوٹل میں تو آج گرینڈ بوفے تھا مزے مزے کے کھانے ہوں گے وہ تو وہیں سے کھا پی کر آئیں گے۔'' چھوٹا ریحان چمک کر کہنے لگا۔

''مگر میں وہاں سے کچھ بھی نہیں کھا کر آیا۔ میرے بچو!'' وہ اچانک اندر آکر بولے۔

''تم لوگوں کو پتا ہے کہ میں اپنے پیارے بچوں اور پیاری بیگم کے بغیر لنچ ہرگز نہیں کرتا۔'' انہوں نے اپنا کوٹ صوفے پر پھینکا۔

ان کے کمنٹس پر پیاری بیگم ذرا سا شرمائیں اور پھر ان کے لیے کرسی کھینچی۔

''واؤ!'' انہوں نے ایک ڈونگے کا ڈھکن ہٹایا۔ بھاپ اڑاتا خوشبودار شوربا نظر آیا۔

''بیگم! کیا آپ نے پیاز کو ٹھیک سے براؤن نہیں کیا تھا۔ شوربے کا رنگ کھلتا ہوا سا نہیں ہے۔'' انہوں نے سالن میں چمچ گھمایا۔

''ہاں شاید ایسا ہی ہے۔'' وہ تحمل سے بولی۔

''اور چاول......'' انہوں نے چاول کی ڈش کو قریب کھسکایا۔

''دانا دانا الگ الگ نہیں ہے۔ کیا آپ نے دم لگاتے وقت سرکہ نہیں ڈالا تھا۔''

''سرکہ تو ختم ہو چکا تھا۔ میں نے لیموں نچوڑ دیا تھا۔''

"سرکے اور لیموں...... دونوں کا فنکشن تو ایک سا ہی ہوتا ہے۔
مگر بہتر تھا کہ آپ لیموں نچوڑنے کے بجائے اس کے ٹکڑے کر کے ڈال دیتیں۔"
وہ اب بھی خاموش رہی اس نکتہ چینی کی عادی جو تھی۔
یوں تو وہ خود بھی بہت سگھڑ اور پکانے ریندھنے میں ماہر تھی مگر لاکھ کوشش کے باوجود اپنے شیف شوہر کا مقابلہ تو نہیں کر سکتی تھی۔ جی ہاں آپ ٹھیک سمجھے اس کے صاحب جی ایک مستند شیف تھے۔ جب اس کے لیے ایک شیف کا رشتہ آیا تھا تو اس کی اماں نے پہلے تو اپنا کلیجہ تھام لیا تھا۔
"ہائے اللہ! کیا لڑکا ہانڈی روٹی کرتا ہے؟"
پھر ابا نے سمجھایا۔
"پگلی! وہ ایک اعلا درجے کے ہوٹل میں ہیڈ شیف ہے۔ تگڑی تنخواہ ہے دیگر مراعات اس کے علاوہ ہیں۔"
پھر سب کی باہمی مشاورت سے یہی رشتہ فائنل ہو گیا۔ اب ظاہر ہے کہ ایسے ڈاکٹر انجینئر لڑکوں کا کیا کرنا تھا جن کے پاس نوکری نہ تھی۔
اس نے تصویر دیکھی۔ نہایت وجیہہ، شاندار سا ہیرو ٹائپ شخص نظروں کے سامنے تھا من میں گدگدی سی ہوئی۔ سکھی سہیلیاں چھیڑتیں۔
"بنو! بڑی قسمت والی ہو۔ میاں جانی اپنے ہاتھوں سے مزے مزے کے کھانے بنا کر کھلایا کریں گے۔"

☆☆☆

شادی کی رات وہ لجائی، شرمائی سی ڈوبتے ابھرتے دل کے ساتھ بیڈ پر بیٹھی تھی جی ہی جی میں ڈر رہی تھی کہ دولہا میاں کہیں آتے ہی اس سے بگھارے بینگن اور کدو کے کباب کی ریسپی ہی نہ پوچھنے لگ جائیں۔
خیر وہ اندر آئے۔ اس کے حسن کو دل کھول کر خراج تحسین پیش کیا۔ اپنے ہاتھوں سے اس کی نازک کلائیوں میں خوب صورت کنگن پہنائے۔ اور پھر پیاری محبت کی ڈھیر ساری باتیں کیں، نصیحت وغیرہ کوئی نہیں کی، کیوں کہ گھر میں ان کے علاوہ کوئی تھا نہیں۔ ایک اماں تھیں جو بڑے بھائی اور بھاوج کے ہمراہ امریکہ میں مقیم تھیں وہ بھی شادی میں شریک نہ ہو سکی تھیں کیونکہ ان کا کرونا ٹیسٹ پوزیٹو آیا تھا تو پھر سفر کی اجازت ہی نہ ملی تھی۔
چند ہی لمحوں میں ان کی نرم مزاجی اور اپنائیت بھرے سلوک سے متاثر ہو کر اس کی جھجک دور ہو گئی اور تمام اندیشے اڑن چھو ہو گئے۔
اب وہ تھوڑا آرام دہ انداز میں بیٹھی تھی۔ وہ کہنے لگے۔
"ثنا ڈیئر! مجھے تو اندازہ ہی نہیں تھا کہ شادی کرنا کتنا مشکل کام ہے۔ اکیلی جان میری اور ہزاروں کام تھک کر چور ہو گیا۔ اب دیکھو! لوگوں کو تو دولہا دلہن کی پرائیویسی کا بھی کچھ خیال نہیں ہوتا۔ اب مشکل سے جان چھڑائی ہے۔ سر میں درد سا اٹھ رہا ہے۔ تم مائنڈ نہ کرنا۔ آؤ کچن میں چلتے ہیں۔ مل کر چائے بنائیں گے۔"
وہ اثبات میں سر ہلاتے ہوئے اٹھی۔ اپنی کامدار میکسی سنبھالتے ان کے ہمراہ کچن کا رخ کیا۔ صاف ستھرا، تمام ضروری لوازمات سے مزین کشادہ سا کچن دونوں نے مل کر گھر کا چولہا جلایا اور پھر ایک دوسرے کی حسین سنگت میں چائے بنائی اور وہیں بیٹھ کر پی بھی گئی۔
"ثنا ڈیئر! آج سے میرے دل اور اس کچن کی رانی تم ہو۔ تمہیں ہر طرح کی آزادی ہے۔ جیسا چاہے پکاؤ اور پکا کر کھلاؤ یہ بندہ ناچیز آپ کی راجدھانی میں بھی مداخلت نہیں کرے گا۔"
وہ اس مکالمے پر اندر تک سرشار ہو گئی۔ اب آنے والے وقت نے ثابت کرنا تھا کہ وہ اپنے وعدوں میں کتنے سچے تھے۔

☆☆☆

وہ ایک اعلا درجے کے ہوٹل میں ہیڈ شیف تھے شیف کی ایک پوری ٹیم کو لیڈ کرتے تھے۔ مصروفیت بھری جاب تھی۔ کبھی کسی گرینڈ ڈنر کی تیاری اور کبھی کسی ارجنٹ آرڈر کی۔ مگر جتنے بھی مصروف ہوتے لنچ ہمیشہ گھر میں اپنی بیگم کے ہاتھ کا پکا ہی تناول فرماتے۔ وہ بھی اچھا پکاتی تھی۔ تعریف بھی کرتے تھے مگر اپنی شیفی فطرت سے مجبور ٹوکا ٹاکی بھی ضرور کرتے جس کا وہ قطعی برا نہ مانتی وہ اکثر کہتے۔

"بیگم! یہ روایتی طریقے سے کھانا پکانا چھوڑ دو۔ جدید انداز اپناؤ کہ یہ کیا کہ ہر بار پہلے پیاز براؤن کی۔ پھر ادرک لہسن کا پیسٹ ڈالا۔ پھر ٹماٹر دہی مرچ مسالوں کے ساتھ شامل کر کے گوشت یا سبزی وغیرہ کو اتنا بھونا کہ تمام غذائیت تباہ و برباد کر دی۔

بھئی آج کل تو اسٹیم اسٹائل چل رہا ہے۔ آپ سبزی یا گوشت کو اسٹیم کریں۔"

"مگر وسیم اتنا روکھا پھیکا سا ہر کوئی تو نہیں کھاتا۔"

"اسی لیے ہمارے ہاں ہر کوئی شوگر اور بلڈ پریشر کا مریض بھی ہے۔"

"مگر غذائیت کے ساتھ ساتھ ذائقہ بھی تو چاہیے۔"

"اس کا بھی علاج ہے میرے پاس آپ ہر قسم کی ساس بنا کر رکھیں۔ ہر کوئی اپنے ٹیسٹ کے مطابق ایڈ کرے۔" ان کے پاس تو چٹکی بجاتے ہر مسئلے کا حل تھا۔

☆☆☆

اگر کبھی موڈ میں ہوتے اور فارغ بھی ہوتے تو کچن کو بھی رونق بخش دیتے۔ بچے ہی فرمائش کرتے۔

"بابا! بریانی بنائیں۔"

"چلو بیگم! بریانی بناتے ہیں۔" بیگم کو لیے بغیر وہ کچن میں نہ جاتے۔

پھر وہ ان کی بھرپور مدد کرتی۔ بریانی تیار ہوتی تو بچے کھاتے ہوئے سر دھنتے۔

"واہ بابا! اتنی مزے دار...... اتنی ڈیلیش کمال کر دیا آپ نے۔" وہ خوشی سے پھولے نہیں سماتے۔

"کیوں کیا میں مزے کی نہیں بناتی۔" وہ بعد میں بچوں کے کان مروڑتی۔

"نہیں مما! آپ کی بھی اچھی ہوتی ہے۔ وہ تو بابا نے شاید کچھ اور ایڈ کیا تھا۔ نیا ٹیسٹ آ رہا تھا۔" بچے پورے سیاست دان ماں کے منہ پر ماں کے اور حقیقت میں سارے کے سارے باپ کے۔

"کچھ ایڈ نہیں کیا تھا۔ سارا کچھ تو میں نے ہی کاٹ کر اور کوٹ کر دیا تھا۔"

☆☆☆

ایک دن انہوں نے شلجم گوشت بنایا شام میں وہ اپنی اماں کے لیے ٹفن بھر کے لے گئی۔ وہ خاموشی سے کھاتی رہیں۔

"اماں! یہ وسیم نے بنایا ہے۔" اس نے فخریہ بتایا۔

"اتنا بڑا شیف ہے اسے شلجم گوشت بھی نہیں پکانا آتا۔" وہ بدک گئیں۔

"وہ اماں آپ کا بلڈ پریشر ہائی ہوتا ہے نا تو انہوں نے اسٹیم کر کے بنایا ہے۔"

"ارے ہٹاؤ اسے! اسے کھا کر میرا بلڈ پریشر ضرور ہائی ہو جائے گا۔" انہوں نے باؤل پرے دھکیلا وہ محض مسکرا کر رہ گئی۔

☆☆☆

ان کا گڈو فرسٹ آیا تھا۔ اسی خوشی میں انہوں نے اپنے فیملی فرینڈز کی دعوت کر دی۔ اس کے تو ہاتھ پاؤں پھول گئے۔

"ہائے اللہ! وسیم! میں اکیلی اتنی بڑی دعوت کا انتظام کیسے کروں گی آج کل تو ماسی بھی چھٹی پر ہے۔ ورنہ اوپری کاموں کے لیے اسے ہی روک لیتی۔"

"ارے بیگم صاحبہ! آپ اکیلی کیوں؟ میں جو

ہوں آپ کے ساتھ!'' انہوں نے اسے اپنے ساتھ لگا کر تسلی دی۔

اس دن وہ دونوں صبح ہی کچن میں گھس گئے۔ مینیو بھی لمبا چوڑا تھا۔ اس حساب سے کام بھی زیادہ تھا۔ اب چولہا تو انہوں نے سنبھال لیا باقی اضافی کام جیسے جیسے وہ کہتے گئے وہ کرتی رہی۔

اس نے ڈھیروں ڈھیر پیاز کاٹی۔ کچھ براؤن کی۔ کچھ کا مسالا فرائی کیا لہسن ادرک کا پیسٹ بنایا۔ ٹماٹر گرائنڈ کیے۔ سبز مرچ باریک باریک کاٹیں۔ دو تین قسم کا سلاد بنایا کسٹرڈ انہوں نے بنایا مگر اس کے اوپر ڈرائی فروٹ سے ڈیکوریشن اس نے کی۔ برتن نکالے۔ وسیع وعریض ٹیبل سجائی۔ جب مہمان پہنچے تو وہ دونوں میاں بیوی ابھی تک کچن میں ہی مصروف تھے۔

''ہائے اللہ بھابھی! تم کتنی لکی ہو۔ اگر شیف میاں کا ساتھ ہو تو بھلا دعوت کی کیسی ٹینشن!'' ایک تھکی تھکی سی مسکان اس کے لبوں پر آگئی۔

☆☆☆

دعوت بخیر وخوبی انجام پائی۔ مہمانوں نے دل کھول کر وسیم صاحب کی کوکنگ کو سراہا۔ سب ہی کچھ انہوں نے لاجواب بنایا تھا۔ تعریفوں کے جو ڈونگرے ان پر برسائے گئے وہ انہوں نے خوشی خوشی سمیٹے۔ ایک بار بھی انہوں نے اپنی بیگم کی محنت کا تذکرہ نہ کیا جو مسلسل ان ہی کے ساتھ لگی رہی تھی۔ وہ تو سارا وقت چولہے کے سامنے کھڑے رہے تھے۔ انہیں ہر چیز تو اسی نے فراہم کی تھی۔ چند لمحوں کے لیے تو اس کا دل ماند ہوا۔ پھر یہ سوچ کر خود کو سمجھا لیا کہ آخر ان چھوٹے چھوٹے کاموں کی کیا اہمیت ہوتی ہے۔ سارا کمال تو شاید چمچہ چلانے کا ہوتا ہے۔

☆☆☆

موسم بدلا۔ سردیاں رخصت ہوئیں مارچ کا ٹھنڈا میٹھا سا مہینہ آپہنچا صبح اور رات میں خنکی ہوتی مگر دوپہریں کچھ کچھ گرم ہونے لگیں۔

وہ گرم اور بھاری کپڑوں کو پیک کر کے اوپر اسٹور میں ملازمہ سے رکھوا رہی تھی۔ جب قریب میز پر دھرا اس کا موبائل گنگنایا۔ میاں جی کی کال تھی۔

''ثنا ڈیئر کل صبح کی فلائٹ سے اماں اور ثمن بھابھی بچوں کے ہمراہ آرہے ہیں۔ وہ اب تم جلدی سے ان لوگوں کے لیے بیڈروم وغیرہ تیار کردو۔''

ان کی آواز خوشی سے کپکپاسی رہی تھی۔ سچی بات یہ تھی کہ اسے بھی بہت خوشی ہوئی سسرالی رشتوں کا خالی پن اسے بھی کبھار بڑا ستاتا تھا۔ پھر اماں اور ثمن سے ویڈیو کال پر بات کر کے اندازہ ہو چکا تھا کہ وہ دونوں کتنی اچھی نیچر کی تھیں۔ اسے بھی ان سے ملنے کا بہت اشتیاق تھا۔

وہ سب کچھ وہیں چھوڑ چھاڑ کر جھٹ اٹھی۔ پھر شام تک ملازمہ کی مدد سے سارا گھر چمکایا۔ مہمانوں کے لیے کمرا تیار کیا۔ چلتے پھرتے اڑتی پڑتی نظر خود پر ڈالی۔ اس کی ساس اور جٹھانی پہلی بار اسے لائیو دیکھ رہی تھیں تو اسے بہت اچھا سا دکھنا چاہیے تھا۔ اس لیے تمام کاموں سے فارغ ہو کر وہ بیوٹی پارلر چلی گئی۔ رات کو اسے نئے ہیر کٹ کے ساتھ نکھرا ستھرا سا دیکھ کر وہ مبہوت رہ گئے۔

''آخر تم عورتیں یہ اہتمام میاں کے لیے کیوں نہیں کرتیں۔''

''اس لیے کہ وہ ہمیں ایسا کرنے کے لیے کہتے ہی نہیں ہیں۔ اچھا چھوڑیں آپ یہ بتائیں کہ کھانے میں کیا بنانا ہے۔''

''ناشتا تو وہ لوگ فلائٹ میں ہی کریں گے۔ لنچ تک ہی پہنچ پائیں گے۔ انہیں ایئرپورٹ بھی لینے جانا ہوگا تو میں کل چھٹی کرلوں گا۔ اماں کے صحیح ٹیسٹ کا بھی اندازہ مجھے ہی ہے۔ اس لیے کھانا بھی میں بنالوں گا۔ تم ٹینشن نہ لو۔ بس مجھے گروسری کی لسٹ بنادو۔ میں ڈرائیور سے کہہ کر منگوادوں۔''

☆☆☆

اپنی طرف سے تو وہ دونوں میاں بیوی سب کچھ طے کر کے سوئے تھے مگر کسی انہونی کا تو کچھ پتا

نہیں ہوتا۔
رات کے آخری پہر اس کے میکے سے اس کے بھائی کی کال آئی کہ اس کی اماں کا اچانک بی پی شوٹ کر گیا تھا۔ ایمر جنسی لے جانا پڑا تھا۔ اب وہ وہاں اکیلا پریشان کھڑا تھا۔ اس کی بھابھی کی چند روز تک ڈلیوری متوقع تھی۔ وہ اپنے میکے میں تھیں۔ اس کنڈیشن میں ہسپتال آ بھی نہیں سکتی تھیں۔
''وسیم اب کیا کریں؟'' وہ حواس باختہ سی ہو گئی۔
''تم پریشان نہ ہو۔ میں تمہیں ہاسپٹل چھوڑ آتا ہوں۔ جب تک اماں کی طبیعت نہ سنبھلے۔ تم گھر نہ آنا۔ میں پیچھے سب کچھ مینج کر لوں گا۔''
☆☆☆
اسے ہاسپٹل چھوڑ کر آئے تو اس خیال سے دوبارہ لیٹ گئے کہ ابھی اٹھ جاتا ہوں۔ مگر صبح کو بہت دن چڑھے آنکھ کھلی۔
بچوں نے بھی دادی اور تائی کے آنے کی خوشی میں چھٹی کر رکھی تھی وہ بھی ابھی تک بے خبر سو رہے تھے پہلے تو ثنا ہی سب کو اٹھاتی تھی۔ وہ جلدی سے ہاتھ منہ دھو کر کچن میں آپہنچے۔ وقت بہت کم رہ گیا تھا۔
اماں تو سفر میں کچھ بھی نہیں کھاتی تھیں۔ پھر وہ شوگر پیشنٹ بھی تھیں۔ اس لیے کھانا وقت پر تیار ہونا بے حد ضروری تھا۔ مگر اب کچن میں کھڑے ہو کر ان کی سمجھ میں ہی نہیں آ رہا تھا کہ کہاں سے شروع کریں۔
رات کو ثنا نے کہا بھی تھا کہ وہ کچھ سامان تیار کر کے رکھ دیتی ہے۔ مگر انہوں نے منع کر دیا تھا کہ سب کچھ فریش ہی ڈالنا ہے۔ خیر انہوں نے کام کا آغاز کیا۔
بہت سارا وقت پیاز کاٹنے، ادرک لہسن کا پیسٹ بنانے میں ہری مرچ، ٹماٹر وغیرہ گرائنڈ کرنے اور اس طرح کے چھوٹے موٹے کاموں میں گزر گیا۔ پہلے تو سب کچھ تیار کیا کرایا ملتا تھا۔ مگر اب خود کرنا پڑ رہا تھا۔ انہوں نے مینیو ہی مختصر کر دیا۔ پھر بھی کام ختم ہوا تو وہ بے تحاشا تھک چکے تھے۔ آج احساس ہوا کہ یہ جو کاٹنے، کوٹنے اور پیسنے جیسے چھوٹے چھوٹے کام ہوتے ہیں جن کو کبھی انہوں نے در خور اعتنا نہ جانا تھا۔ وہ بھی کتنے اہم ہوتے ہیں۔ اور ان کو کرنے والے کی بھی کتنی توانائی خرچ ہوتی ہے۔
اس سے پہلے انہوں نے یہ سب کیا بھی نہیں تھا۔ ہوٹل میں بھی جونیئر شیف ہی یہ سب کرتے تھے۔ ادھر ڈشز کی تیاری کا سارا کریڈٹ سینئر شیف لے جاتے تھے۔
وہ خود بھی ان میں شامل تھے۔
گھر میں بھی انہوں نے ثنا کو ان کاموں پر کبھی نہیں سراہا تھا اور نہ ہی کبھی اس کے شکر گزار ہوئے تھے۔ یعنی گھر اور کام کی جگہ دونوں پر ہی ان کا سلوک غیر منصفانہ تھا۔ اب دونوں جگہ ازالہ ضروری تھا۔ آفس تو جب جاتے تب کرتے۔ فی الحال تو گھر پر تھے۔
☆☆☆
اماں کی طبیعت سنبھل چکی تھی۔ ڈاکٹر کچھ دیر تک انہیں ڈسچارج کرنے والے تھے۔ ثنا سامان سمیٹ رہی تھی جب موبائل کی بیپ سنائی دی۔ اس نے دیکھا۔ صاحب جی کا میسج جگمگا رہا تھا۔
''میرے گھر اور کچن کی رانی! تمہارا شکریہ۔ تم ہر جدوجہد، ہر کوشش میں میرے پیچھے نہیں بلکہ میرے ساتھ کھڑی رہیں۔ دل کی گہرائیوں سے تمہارا ممنون ہوں۔ آج کے دن احساس ہوا کہ بعض اوقات انسان کو اپنے ساتھی کی فراہم کردہ سہولت اور مدد کی افادیت کی قدر اس کی غیر موجودگی میں ہی محسوس ہوتی ہے اس غفلت اس کوتاہی پر بندہ ناچیز معذرت خواہ ہے۔ سدا خوش رہو۔''
۔ جان وسیم
یہ انوکھا، رومانوی سا میسج پڑھ کر وہ اندر تک سرشار ہو گئی۔ لیکن ویسے زیادہ سمجھ میں نہیں آیا، اب گھر پہنچ کر جب مینیو کو مختصر ترین دیکھتی تو تب ہی سمجھ میں آنا تھا۔ بھائی آیا تو وہ خوشی خوشی گھر جانے کے لیے اٹھ کھڑی ہوئی۔

☆☆

راشدہ رفعت

آئینے اور گرد

"چلیں شروع کریں اب کس انتظار میں ہیں؟" میمونہ نے شوہر کو مخاطب کیا جو دستر خوان پر سحری کے سب لوازمات سجنے کے بعد بھی ہاتھ پر ہاتھ دھرے بیٹھے تھے۔

"بچیاں تو آجائیں۔" یونس احمد نے اب بھی کسی چیز کی جانب ہاتھ نہ بڑھایا، ورنہ وہ سحری بہت تسلی اور اہتمام سے کرنے کے عادی تھے۔ دستر خوان پر سب سے پہلے موجود ہوتے اور کسی کی آمد کا انتظار کیے بنا اپنی روٹین کے مطابق سحری کا آغاز کر دیتے۔

پہلے آدھی پیالی میٹھا دہی لیتے پھر ایک چپاتی آلو کی بھجیا کے ساتھ کھاتے، میمونہ کو فقط ان کی خاطر روزانہ سحری میں آلو کی بھجیا بنانی پڑتی۔ اس کے بعد ایک ہاف فرائی انڈا۔ اختتامی مرحلے میں دودھ جلیبی سے انصاف ہوتا اور جب سب سحری سے فارغ ہو کر دستر خوان پر محض ان کا ساتھ دینے کو بیٹھے ہوتے تو وہ ایک مگ سے دوسرے مگ میں چائے انڈیل کر چائے ٹھنڈی کرنے کی کوشش کر رہے ہوتے۔

"جب چائے ٹھنڈی ہی کر کے پینی تھی تو تھرماس سے پہلے ہی کپ میں انڈیل کر رکھ لیتے۔ خود بخود ٹھنڈی ہو جاتی اب خواتین شروع ہونے والی ہیں اور آپ کی چائے پینا بھی باقی ہے۔" میمونہ دبی دبی آواز میں شوہر کو ٹوکتیں۔

وہ غصے کے ویسے بھی تیز تھے پتا نہ چلتا کب کون سی بات بری لگ جائے اور سب کے سامنے عزت افزائی فرما دیں۔

"ہاں تم دس پندرہ منٹ پہلے نہیں جاگ سکتیں۔ وقت پر کھانے پینے سے فارغ ہو جاؤں تو سکون سے چائے تو پی لوں روزانہ اس وقت کی یہ ہی افراتفری ہے۔" وہ جھنجھلائے ہوئے انداز میں بولتے۔

"آپ کو تو رات بارہ بجے بھی سحری بنا کر دے دوں تب بھی اس وقت چائے پھونکیں مار مار کر ہی ٹھنڈی کر رہے ہوں گے۔"

میمونہ خفگی بھرے انداز میں بڑبڑائی تھیں یہ بڑبڑاہٹ جس جس کی سمجھ میں آئی وہ زیر لب مسکرانے پر مجبور ہو گیا۔

"اب سب بیٹھے ہی ہیں تو لگے ہاتھوں افطاری کا مینیو بھی فائنل کر لیں ہو سکتا ہے، آج عارفہ بھی چکر لگائے۔ چکن رول اور پکوڑے تو ہوں گے ہی سموسے بھی گھر پر ہی بنالیں گے۔ بازار کے سموسے تو بہت ہیوی ہوتے ہیں۔ کیوں بھابھی بیگم ٹھیک ہے ناں؟" مہ جبیں نے میمونہ کو مخاطب کرتے ہوئے پوچھا۔

"سموسے گھر پہ بنیں گے تو آپ سموسے بھرنے کے کام پر مجھے بٹھا دیں گی۔ نہیں بھئی امی! میں سموسے بازار سے ہی لے آؤں گا۔" حدید نے فوراً ان کی رائے سے اختلاف کیا تھا۔

"جھوٹے کہیں کے کب سموسے بنوانے میں مدد کرتے ہو میں اور ثانیہ ہی چچی کی ہیلپ کرتی ہیں۔"

ہانیہ اس کی غلط بیانی پر تنک کر بول پڑی۔ میمونہ بیٹی کو گھور کر رہ جاتیں کتنی بار سمجھا چکی تھیں کہ حدید سے ادب تمیز سے بات کیا کرے مگر اس کے کان پر جوں تک نہ رینگتی تھی۔

خیر اب تو یہ سب ماضی کا قصہ ہو گیا تھا۔ سحر و افطار کی رونقیں بھی اور آپس کے بے مثال تعلقات بھی۔ نیچے والے آج نیچے ہی سحری کر رہے تھے اور

مکمل ناول

یہاں اوپر بھی پہلی سحری ہونے کے باوجود رمضان المبارک کا مخصوص رنگ اور رونق ناپید تھی۔

ہانیہ پانی کی بوتل اور گلاس دستر خوان پر رکھ کر باپ کے ساتھ آن بیٹھی تو پیچھے پیچھے ثانیہ اپنا آملیٹ



اور بریڈ لے کر آ گئی۔

"تم یہ دو سلائس ڈبل روٹی کے کھاؤ گی۔" یونس احمد نے تعجب بھرے انداز میں بیٹی سے استفسار کیا۔

"آملیٹ بھی تو ہے بابا۔ میرا ناشتہ تو ہمیشہ سے ہی یہ ہی ہوتا ہے۔" وہ سادہ سے انداز میں بولی۔

"ناشتے اور سحری میں بہت فرق ہوتا ہے بیٹا جی جب سارا دن بھوکا رہنا ہے تو سحری تو ذرا تگڑی ہونی چاہیے۔"

"یہ کوئی آج انڈے بریڈ سے سحری نہیں کر رہی ہمیشہ یہ ہی سحری کرتی ہے۔ آپ کا دھیان آج گیا ہے۔" میمونہ بھی بول پڑی تھیں۔

"تو سحری پر بچیوں کی پسند کا کچھ بنایا کرو ناں۔ کوئی ایسی چیز جو یہ رغبت سے کھالیں۔ آج بھی دسترخوان بہت پھیکا پھیکا سا لگ رہا ہے۔"

"دسترخوان پر سب کی پسند کا سب کچھ موجود ہے یونس صاحب! آپ کو جو کمی محسوس ہو رہی ہے وہ دسترخوان کے گرد بیٹھنے والوں کی ہے اور اب آپ باتیں چھوڑ کر سحری پر دھیان دیں۔ ہم ماں بیٹیاں تو دس منٹ میں سحری کر کے فارغ ہو جائیں گی۔ آپ کے ہی کئی کورس چلتے ہیں۔"

میمونہ طنز کرنے سے نہ چوکی تھیں۔ یونس احمد نے انہیں فقط گھورنے پر اکتفا کیا۔ بیوی کی جرات اور جسارت بڑھتی جا رہی تھی۔

"دہی کا پیالہ پکڑاؤ۔" اب وہ بچیوں کے سامنے ان کی کیا گوشمالی کرتے سو موضوع بدل دیا۔ میمونہ نے خاموشی سے حکم کی تعمیل کی پھر خود بھی سحری کرنے لگی تھیں۔

☆☆☆

"افطاری میں کیا بنانا ہے امی؟" میمونہ ظہر کی نماز کے بعد تلاوت قرآن میں مشغول تھیں جب ثانیہ نے آ کر پوچھا۔

قریب بیٹھی ہانیہ اپنی کوئی ادھوری اسائمنٹ مکمل کرنے میں مشغول تھی بہن کے سوال پر نگاہیں اٹھا کر اسے دیکھا۔

"کیا ہو گیا ہے ثانیہ! ابھی افطار میں کئی گھنٹے باقی ہیں دونوں مل کر افطاری بنا لیں گے یا تمہیں آج زیادہ بھوک لگی ہے اور تم بہت کچھ بنانے کا ارادہ کیے بیٹھی ہو۔" ہانیہ نے پوچھا۔

"بھوک کس کو لگی ہے یار! بور ہو رہی ہوں بری طرح، روز تو لنچ بنانے کے لیے کچھ وقت کچن میں گزر جاتا تھا آج تو وقت کٹ ہی نہیں رہا۔ صبح سے اب تک ڈھائی سپارے بھی پڑھ لیے۔"

"پھر تھوڑی دیر سو جاؤ بیٹا! صبح سحری کے وقت سے جاگی ہوئی ہو۔ ہانیہ تو پھر سو گئی تھی۔" میمونہ نے بیٹی کو محبت بھرے انداز میں مخاطب کیا۔

"لیٹ تو میں بھی گئی تھی امی! پر نیند ہی نہیں آئی۔ آج سحری کے وقت گھر کتنا خالی خالی لگ رہا تھا۔ بس گزرا وقت یاد آتا رہا اور جو تھوڑی بہت نیند تھی وہ بھی رخصت ہو گئی۔" وہ بے چارگی بھرے انداز میں بولی۔

"اب گزرے وقت کو کیسے واپس لائیں بیٹا!" میمونہ نے ٹھنڈی آہ بھری تھی۔

"ہانیہ بیٹا! وضو ہے تو قرآن پاک الماری میں رکھ دو۔" میمونہ نے قرآن مجید بند کر کے جزدان لپیٹا۔ ہانیہ نے اٹھ کر قرآن مجید الماری میں رکھ دیا۔

"اب آپ دونوں ماں بیٹی فرصت سے بیٹھ کر گزرا وقت دوہرائیں گی سو میں تو چلی یہاں سے۔" وہ خفگی بھرے انداز میں کہتی اپنی چیزیں بھی سمیٹنے لگی۔

"کتنی کٹھور ہو تم ہانیہ! سچ کہو کہ تمہارے دل کو کچھ نہیں ہوتا۔" ثانیہ نے بے یقینی سے کئی بار کا کیا گیا سوال دوہرایا۔

"میرے دل کو کچھ کیوں ہونے لگا ثانیہ! جن لوگوں نے ہمارا دل دکھایا ہے۔ افسوس اور پچھتاوا تو انہیں ہونا چاہیے ناں۔ ہم کس خوشی میں ٹھنڈی آہیں بھریں۔" وہ نروٹھے پن سے بولی۔

"ٹھنڈی آہیں خوشی میں نہیں بھرتے بدھو۔" ثانیہ نے ہنستے ہوئے اس کی غلطی پکڑی۔

"مجھے اصل حیرت تم پر ہوتی ہے ثانیہ! تم کس مٹی سے بنی ہو۔ تمہیں کسی پر غصہ تک نہیں آتا۔" ہانیہ حیران تھی۔

"میری بیٹی ہے، مجھ پر گئی ہے۔ نرم دل، حساس، مہر و محبت والی اور تم اپنے باوا پر پڑی ہو کٹھور اور سنگ دل۔" میمونہ نے فوراً ثانیہ کی سائیڈ لی۔

"ٹھیک ہے جی ٹھیک ہے۔ میرے ساتھ ساتھ بابا کو بھی لپیٹ لیا گویا ایک تیر سے دو شکار۔ ویسے والدہ آپ آج کل والد محترم کی شریفانہ سی خاموشی کا ناجائز فائدہ اٹھا رہی ہیں۔ ڈریں اس دن سے جب بابا کے صبر کا پیمانہ لبریز ہو جائے گا۔" ہانیہ نے ہنستے ہوئے ماں کو ڈرانا چاہا۔

"اب کون سا تیر، توپ چلانا باقی رہ گیا ہے۔ کیا کر سکتے ہیں مزید" انہوں نے خفگی بھرے انداز میں گردن کو جھٹکا دیا۔

"اچھا ناں اب مجھ سے تو یوں خفا ہو کر بات نہ کریں۔" وہ جھٹ ماں کے پہلو سے آن لگی۔

"تم سے کیوں خفا ہونے لگی میرے بچے! تم تو خود اپنے باپ کے غلط فیصلے کا شکار ہوئے بیٹھی ہو۔ میں ماں ہوں۔ کیا جانتی نہیں تمہارے دل کی حالت۔" وہ آزردگی سے بولی تھیں۔

"میرا دل صحیح سلامت ہے امی اور مجھے اپنے بابا کے فیصلے پر قطعاً کوئی اعتراض نہیں۔ آپ بھی بابا کی دلی کیفیت بھی تو سمجھنے کی کوشش کیا کریں ناں۔ چھوٹے بہن بھائی کو باپ بن کر پالا انہوں نے اور بہن نے کیا کیا ان کے ساتھ اور چلو عارفہ پھوپھو کی تو خیر دوسری بات۔ انس چاچو نے بھی بھائی کا مان نہ رکھا۔ بابا کتنا ہرٹ ہوتے ہوں گے انہوں نے جو کیا وہ بالکل حق بجانب ہیں۔ کم از کم اس معاملے میں میں ان کے ساتھ ہوں۔" ہانیہ دوٹوک انداز میں بولی۔

"اچھا اب اٹھو بابا کی جانشین میرے ساتھ کچن میں آؤ۔ ڈیسائڈ کرتے ہیں آج کیا بنائیں۔ تھوڑی سی تیاری ابھی کر لیتے ہیں شام کو آسانی ہو جائے گی۔" ثانیہ نے بحث طول پکڑتی دیکھ کر موضوع بدلنا ہی مناسب سمجھا تھا۔

☆☆☆

تین بہن بھائیوں میں یونس احمد سب سے بڑے تھے والد کی وفات کے بعد عملی طور پر گھر کے سربراہ وہ ہی تھے ماں سیدھی سادی عورت تھیں جو شوہر کی ناگہانی موت کے صدمے سے سنبھل ہی نہ پا رہی تھیں ایسے میں یونس احمد کم عمری کے باوجود ماں کا سہارا اور چھوٹے بہن بھائی کی ڈھال بن گئے۔

محنت مشقت کر کے نا صرف اپنا تعلیمی سلسلہ مکمل کیا بلکہ چھوٹے بھائی اور بہن کو زندگی کی دوڑ میں کسی سے پیچھے نہ رہنے دیا۔ خود روکھی سوکھی کھالی لیکن انس اور عارفہ کو بھی یتیمی کا احساس نہ ہونے دیا۔ ماں بچوں کی جانب سے مطمئن ہو کر شوہر کے پہلو میں جا سوئیں۔

یونس احمد کی زندگی اب بھی بہن بھائی کے لیے وقف تھی ہر کوئی اب انہیں اپنا گھر بسانے کے مشورے سے نوازتا تھا۔

عارفہ اور انس کی بھی یہ ہی خواہش تھی لیکن انہوں نے پہلے عارفہ کو اس کے گھر بار کا کیا۔

عارفہ کی شادی کے بعد خالہ زاد میمونہ سے نکاح تو کر لیا لیکن تین برس بعد رخصتی عمل میں آئی جب انس احمد بھی اپنے پاؤں پر کھڑے ہو گئے تھے۔ مہ جبیں کو انس کے سنگ رخصت کروا کر لانے کے اگلے دن وہ میمونہ کو باقاعدہ رخصت کروا کے گھر لائے تھے۔ روز قیامت وہ اپنے ماں باپ کے سامنے سرخرو ہوں گے ان کے اطمینان کے لیے یہ ہی بات کافی تھی۔

عارفہ اور انس بڑے بھائی کی قربانیوں کے معترف تھے اور انہیں بڑے بھائی سے زیادہ باپ کا درجہ ہی دیتے تھے۔ انس کی بیوی مہ جبیں بھی بہت اچھے مزاج کی عورت تھی۔ شوہر کی دیکھا دیکھی وہ بھی جیٹھ اور جیٹھانی کا حد درجہ ادب کرتی۔

یونس احمد عمر میں اپنے بہن بھائی سے بہت

زیادہ بڑے نہ سہی لیکن انہوں نے ہمیشہ خود کو ان دونوں کا سرپرست جانا تھا۔ یہ بڑا پن اب ان کے مزاج میں بھی جھلکتا تھا۔ کسی کو اس بڑائی پر کوئی اعتراض بھی نہ تھا۔ انس اور عارفہ تو ویسے بھی ہر گھڑی ان کا دم بھرتے تھے۔ اکلوتی بھاوج بھی نگاہیں جھکا کر دھیمے لہجے میں نہایت ادب، تمیز سے مخاطب ہوتی۔
پیچھے رہ گئیں میمونہ جو انتہا درجے کی اطاعت شعار، فرماں بردار اور محبت کرنے والی شریک سفر تھیں لیکن شوہر کے جلالی مزاج سے نباہ کرتے کرتے بھی کبھی کبھار صدائے احتجاج بلند کر بیٹھتی تھیں۔

یہ بھی رب کی کرم نوازی تھی کہ یہ جلالی مزاج صرف ان کو ہی بھگتنا پڑتا تھا۔ اپنی دونوں بیٹیوں کے لیے وہ شفیق ترین باپ تھے۔ رب نے انہیں ثانیہ اور ہانیہ کی صورت اپنی رحمتوں سے نوازا تھا۔

انس احمد کے ہاں پہلوٹھی کا حدید تھا اور پھر کسی لمبی پیچیدگی کے باعث ایک طویل عرصے تک مہ جبیں ماں نہ بن پائیں اور جب اپنے طور ہر طرح کا علاج معالجے اور دیسی ٹوٹکوں کو آزما کر مایوس ہو چکی تھیں تب سدید صاحب دنیا میں تشریف لے آئے۔

مہ جبیں اس کارنامے پر دنوں محجوب پھرتی ہیں لیکن سدید گھر بھر کا لاڈلا تھا۔

عارفہ جو ویسے تو دونوں بھائیوں سے ہی چھوٹی تھیں لیکن سب سے پہلے شادی کے بندھن میں بندھی تھیں۔ ان کی اوپر تلے کی دو بیٹیاں اور پھر اکلوتا بیٹا تھا۔ جس طرح بھائی نے انہیں چھوٹی عمر میں ہی بیاہ دیا تھا انہوں نے بھی اسی روایت کی پیروی کرتے ہوئے فائزہ اور شانزہ کو مناسب رشتہ ملتے ہی اپنے گھر بار کا کر دیا۔

دونوں بہنیں دو سگے بھائیوں سے بیاہی گئی تھیں باقی رہ گیا فائز، ان کا اکلوتا لخت جگر جس کے لیے انہوں نے بچپن میں ہی اپنی لاڈلی بھتیجی ثانیہ کو مانگ رکھا تھا۔ یونس احمد اور میمونہ دل ہی دل میں اللہ کا شکر ادا کرتے نہ تھکتے ان کی بچیوں کے ہوش سنبھالنے سے پہلے ہی بہت چاہت سے ان کے رشتے مانگے جا چکے تھے۔

جب عارفہ نے ثانیہ کو فائز کے لیے مانگا تو جھٹ انس احمد اور مہ جبیں نے حدید کے لیے ہانیہ کو منتخب کرنے کا اعلان کر دیا۔ گھر کے بچوں کے رشتے گھر کے اندر ہی طے ہو گئے اس سے بڑھ کر خوشی اور اطمینان کی بات کیا ہو سکتی تھی۔ سب کے دل شاد اور مطمئن تھے۔

ہانیہ اور حدید ساتھ پلے بڑھے تھے۔ دونوں میں بچپن سے ہی بہت دوستی تھی ہوش سنبھالنے کے بعد جب اپنے بڑوں کے ارادوں کی بھنک پڑی تو اس دوستی میں ایک اور خوب صورت جذبہ بھی شامل ہو گیا۔

دونوں کے دل ایک لے پر دھڑکتے تھے دونوں ایک دوسرے کے دل کے حال سے باخبر بھی تھے۔ اظہار قبل از وقت بھی تھا اور غیر ضروری بھی اس لیے دونوں نے اپنی دوستی اور بے تکلفی والا رشتہ برقرار رکھا ہوا تھا۔ معمول کی نوک جھونک اور فقرے بازی ایک طرف لیکن دونوں کا ایک دوسرے کے بغیر گزارہ بھی نہ تھا۔

ہانیہ کی ہر ادھوری اسائمنٹ مکمل کرنا حدید کی ذمہ داری تھی۔ وہ اتنا لائق فائق اور جینیئس تھا تو ہانیہ کی پڑھائی کی دردسری لینا اس کا فرض تھا۔ کوئی احسان تھوڑی کرتا تھا وہ۔ ہانیہ بھی تو اس کے بے وقت ٹپکنے والے دوستوں کی چائے پانی کا انتظام کرتی تھی۔ وہ سونخرے دکھا کر اسے اس کی سہیلیوں کے گھر چھوڑ آتا اور پھر۔

"واپس لینے نہیں آؤں گا۔" کی دھمکی کے باوجود مقررہ وقت سے بھی پانچ منٹ پہلے آن موجود ہوتا۔ اپنی درجن بھر سہیلیوں کی آئے روز آنے والی سالگراہوں میں دیے جانے والے تحفوں کی خریداری کے لیے بھی ہانیہ کو حدید کی ہی منت سماجت کرنا پڑتی اور وہ سونخرے دکھا کر اس کے سارے مطالبے اور فرمائشیں پوری کر دیتا تھا۔

زندگی بہت خوب صورت تھی اوپر نیچے بسنے والے دونوں گھرانوں کے اتفاق و یگانگت کی مثالیں دوسرے بھی دیتے تھے۔ بظاہر دونوں گھروں کے باورچی خانے الگ تھے۔

کھانا الگ بنتا لیکن ہر دوسرے، تیسرے دن یا

تو نیچے والے اپنا پتیلا اٹھائے اوپر آن موجود ہوتے اور اوپر کچھ اچھا پکنے کی صورت میں تو نیچے والوں کی آمد یقینی تھی ہی۔

رمضان المبارک میں علیحدہ باورچی خانے کا تکلف رسمی طور پر بھی ختم ہو جاتا۔ انس احمد بیوی بچوں کے ساتھ اوپر سحری کرنے آتے تو افطار کا اہتمام نیچے مہ جبیں کرتیں۔ ہانیہ ثانیہ چچی کی بھرپور مدد کرواتیں حدید زبردستی کسی کام میں مدد کرواتا اور پھر چار دن تک اس کام کا ڈھنڈورا پیٹتا رہتا۔

"تم سے کس نے کہا تھا فروٹ چاٹ بنانے کو اب بنا ہی لی تو بار بار جتا کیوں رہے ہو۔ کل سے تم کچن کے آس پاس نظر بھی آئے تو مجھ سے برا کوئی نہ ہوگا۔" ہانیہ اسے دھمکاتی۔

"ہم میں لڑکیوں کے ہوتے گھر کے لڑکے کام کرواتے اچھے نہیں لگتے لیکن تم اتنی سست ہو کہ مجھے تمہارے کام کی رفتار دیکھ کر مجبوراً کسی کام کا بیڑا اٹھانا پڑتا ہے۔ عام دنوں میں تو دیر سویر چل جاتی ہے لیکن افطار کے وقت چھ، آٹھ بھوکے بندے دسترخوان پر موجود ہوں اور روزہ کھلنے کے باوجود روزہ نہ کھول پائیں تو بتاؤ تمہارے کام کی رفتار پر تمہیں ہی باتیں سنائیں گے ناں اور میرے علاوہ کوئی اور تمہیں باتیں سنائے یہ مجھ سے بھی تو برداشت نہ ہو گا۔" وہ مسکراہٹ دباتے ہوئے اسے مخاطب کرتا۔

"بہت مہربانی تمہاری لیکن اگر تم اس وقت میرے سر پر سوار نہ ہو تو کام جلدی نمٹ سکتا ہے۔" وہ اسے گھور کر کہتی لیکن حدید کا وہاں سے جانے کا کوئی ارادہ نہ تھا۔

"پلیز حدید! جانتے ہو ناں میں آج اکیلی ہوں۔ ثانیہ اور چچی جان جانے کب بازار سے لوٹیں۔ ثانیہ دو چار کام تو نمٹا کر گئی ہے مگر باقی تو سب مجھ اکیلی کو ہی کرنا ہے اور مجھے لگ رہا ہے آج واقعی وقت پر کام مکمل نہیں ہو پائے گا، اوپر سے تم میرے سر پر کھڑے ہو کر کسی خرانٹ نند کی طرح طعنے پر طعنے دیے جا رہے ہو۔ میرے ہاتھ پاؤں مزید پھول جا ئیں

وہ پکوڑوں کا آمیزہ مکس کرتے ہوئے بے چارگی بھرے لہجے میں حدید سے مخاطب ہوئی۔

"اوکے، اوکے ریلیکس سب کام وقت پر مکمل ہو جائے گا تم بس یہ پکوڑے تلنا شروع کرو۔ میں شربت اور ملک شیک بناتا ہوں۔ دسترخوان میں اور سدید مل کر لگا لیں گے۔"

حدید نے اسے تسلی دی تھی اور پھر واقعی اس کے تعاون سے سب کچھ سہولت سے ہو گیا تھا۔

لیکن یہ سب واقعی گزرے زمانے کی باتیں تھیں۔ فائز کے ایک فیصلے نے سب کچھ تلپٹ کر کے رکھ دیا۔

ثانیہ کی تعلیم مکمل ہونے کے بعد عارفہ بھتیجی کو بہو بنا کر رخصت کروانے کی بات کرنے بھائیوں کے ہاں جانے ہی والی تھیں کہ فائز نے ثانیہ کے ساتھ اپنی نسبت ختم کرنے کا اعلان کر دیا، وہ اپنی کسی کولیگ سے شادی کا خواہش مند تھا۔

بیٹے کے منہ سے یہ بات سن کر عارفہ حق دق ہی تو رہ گئیں۔ ڈانٹ، ڈپٹ، منت سماجت اور اموشنل بلیک میلنگ سمیت انہوں نے ہر حربہ آزما کر دیکھ لیا۔ لیکن فائز کے سر پر اپنی کولیگ کے عشق کا جادو سر چڑھ کر بول رہا تھا کئی دن تک عارفہ اور اس کا شوہر بیٹے کو سمجھانے کی لاحاصل مشق میں مصروف رہے تھے فائز کا جواب روز اول والا ہی ہوتا۔

"ثانیہ اچھی نہیں بلکہ بہت اچھی ہے لیکن میں اپنے دل کا کیا کروں جس کو لائف پارٹنر کے طور پر صرف شازمہ ہی بھائی ہے۔ میں آپ لوگوں کی ضد اور اصرار کے آگے گھٹنے ٹیک کر اپنی پسند سے دست بردار ہو کر ثانیہ سے شادی کر بھی لوں تو کبھی دل سے اسے اس کا جائز مقام نہیں دے پاؤں گا۔ وہ اچھی لڑکی یہ ناقدری ڈیزرو نہیں کرتی۔ ایک منگنی ہی ہے ناں وہ بھی باضابطہ یا باقاعدہ نہیں، ٹوٹ جائے گی تو کون سی قیامت آجائے گی۔ میرے خیال میں تو ایک بے جوڑ شادی کے ٹوٹنے سے بہتر ہے کہ آپ

سب انا کا مسئلہ بنائے بغیر داس مندی سے کام لیں۔ یہ میرے اور ثانیہ دونوں کے حق میں بہتر ہوگا۔" فائز دو ٹوک انداز میں اپنا موقف سامنے رکھتا۔

"ثانیہ بہت اچھی ہے فائز، اس سے شادی کے بعد تم شازمہ کو بالکل بھول جاؤ گے۔ یقین کرو نکاح کے دو بولوں میں بڑی طاقت ہوتی ہے۔ تم ہماری بات مان کر تو دیکھو۔ تمہیں زندگی میں کبھی پچھتاوا نہیں ہوگا۔"

شانزہ، فائزہ بھی بھائی کو سمجھانے کے مشن پر میکے میں ڈیرے جمائے بیٹھی تھیں۔

"مجھے اپنے دل کا آپ سے زیادہ پتا ہے آپی! ثانیہ کبھی بھی مجھے لائف پارٹنر کے طور پر پسند نہیں تھی۔ میں امی کی مروت میں یہ رشتہ برقرار رکھے ہوئے تھا لیکن جب شازمہ میری زندگی میں آئی تو مجھے خود ادراک ہوا کہ میں بیوی کے روپ میں کیسی لڑکی کا خواہش مند تھا۔ وہ پڑھی لکھی ہے، خوب صورت، با اعتماد زمانے کے ساتھ چلنے کا ڈھنگ جاننے والی۔"

"لڑکوں کو پھانسنے والی، چلتر، چال باز......"

عارفہ نے تنک کر بیٹے کا جملہ مکمل کیا۔

"ایسا ہر گز نہیں امی۔ وہ کانفیڈینٹ سہی مگر بہت ڈیسنٹ لڑکی ہے اور اس بے چاری کو تو خبر ہی نہیں کہ اس کے پیچھے ہمارے گھر میں کیا محاذ کھلا ہوا ہے۔ نہ ہی وہ یہ جانتی ہے کہ اس ماڈرن دور میں بھی بچپن کی منگنی جیسی حماقت ہوسکتی ہے۔ اس نے میرے ساتھ عشق کی پینگیں نہیں لڑائی ہیں۔ میں نے شائستہ انداز میں اسے پروپوز کیا تو اس نے آگے سے یہ ہی جواب دیا کہ میں اپنے گھر والوں کو اس کے گھر بھیجوں۔ اب اگر آپ لوگ آمادہ نہیں تو میں ڈائریکٹ ہی اس کے والدین سے مل لیتا ہوں۔ وہ آپ لوگوں کی رضامندی کے بغیر میرا رشتہ قبول نہیں بھی کرتے تب بھی میں ثانیہ سے کسی طور شادی نہیں کروں گا۔"

فائز کی برداشت بھی جواب دے گئی۔

بیٹے سے مایوس ہو کر عارفہ شرمندگی سے چور وجود لیے بھائیوں کی دہلیز پر جا پہنچی تھیں۔ بڑے بھائی سے بات کرنے کی ہمت اب بھی نہ تھی۔ انہوں نے رو، رو کر انس احمد اور مہ جبیں کو سارے ماجرے سے آگاہ کر دیا۔

یہ غیر متوقع بات ان کے اعصاب پر بھی بجلی بن کر گری تھی۔ انس احمد نے اپنے طور پر فائز کو سمجھانے کی کوشش کی لیکن اس نے بہت ادب اور احترام سے ماموں کو باور کروا دیا کہ وہ شازمہ کے سوا کسی سے شادی نہیں کر سکتا۔ انس سمجھ گئے تھے کہ فائز کا جواب حتمی اور اٹل ہے۔

عارفہ جوان اولاد پر زور زبردستی نہیں کر سکتی تھیں۔ انہوں نے عارفہ کو تسلی دلاسا دیا ظاہر ہے جو ہوا اس میں اس بے چاری کا کیا قصور تھا۔ وہ اور مہ جبیں عارفہ کی ہمت بندھاتے ہوئے اس کے ساتھ یونس احمد کے پاس پہنچے تھے۔

یونس احمد اور میمونہ جو آج کل خود کو بیٹی کی رخصتی کے لیے ذہنی طور پر تیار کر رہے تھے عارفہ کے منہ سے یہ غیر متوقع بات سن کر بھونچکا رہ گئے۔ میمونہ تو بے یقینی سے نند کو دیکھتے ہوئے خاموش کی خاموش بیٹھی رہ گئیں لیکن یونس احمد طیش اور اشتعال پر قابو نہ رکھ پائے۔

"بجائے اس بات کے کہ تم صاحبزادے کو دو جھانپڑ لگا کر اس کا عشق ناک کے راستے نکال دیتیں تم مجھے رشتہ ختم کرنے کی اطلاع دینے پہنچ گئی ہو۔" وہ دھاڑے تھے۔

"آپ کیا سمجھتے ہیں بھائی جان میں نے فائز کو سمجھانے کی کوئی کوشش نہیں کی۔ پیار محبت، زور زبردستی، ڈانٹ ڈپٹ ہر حربہ آزما لیا وہ ناخلف میری کوئی بات سننے پر آمادہ ہی نہیں۔"

عارفہ بے چارگی بھرے انداز میں اپنی صفائی دینا چاہی لیکن یونس احمد ان کا کوئی عذر سننے پر آمادہ ہی نا تھے۔

"اولاد کو بگاڑنے میں سراسر تمہارا ہاتھ ہے۔ اس کی ہر جائز، ناجائز ضد اور فرمائش پوری کی۔ یہ نتیجہ تو نکلنا تھا۔ شادی سر پر ہے اور تم ہمارے منہ پر انکار مارنے چلی آئی ہو۔ اس کے منہ سے یہ فضول بات سن کر تمہیں اس گھر سے نکال دینا چاہیے تھا، دو دن میں

عقل ٹھکانے آجاتی صاحبزادے کی۔ تم الٹا اس کا مطالبہ لے کر یہاں پہنچ گئیں۔" وہ عارفہ پر برس رہے تھے۔

"بھائی جان! آپ کا غصہ، آپ کی خفگی بجا لیکن ٹھنڈے دل سے سوچیں جب فائز شادی کرنے پر تیار ہی نہیں تو ہم اپنی بچی کو زبردستی اس کی زندگی کا حصہ تو نہیں بنا سکتے ناں۔ شادی کے بعد دونوں بچے ناخوش رہیں۔ اس سے بہتر نہیں کہ ہم ابھی یہ کڑوا گھونٹ پی لیں۔" انس احمد نے بھائی کو سمجھانا چاہا۔

انہوں نے زخمی نگاہوں سے بھائی کو دیکھا۔

"بیٹی کے باپ نہیں ہو میاں! اس لیے آسانی سے یہ مفت مشورہ دے رہے ہو۔"

"کیسی باتیں کر رہے ہیں بھائی جان! ثانیہ میری بھی بیٹی ہے۔" وہ ان کی بات سن کر تڑپ کر بولے تھے۔

"بیٹی سمجھتے تو عارفہ کی ہاں میں ہاں ملاتے ہوئے مجھے سمجھانے نہ پہنچ جاتے۔ میری بچی برسوں سے اس کے بیٹے کے نام پر بیٹھی ہے۔ معافی کے دو لفظ بول کر یہ اپنے گھر کی راہ لے گی۔ خوشی خوشی بیٹے کی بارات لے کر کسی اور کے گھر پہنچ جائے گی اور میری بیٹی ایک ناکردہ جرم کی سزا میں میری دہلیز پر بیٹھی رہ جائے گی۔"

"اللہ نہ کرے بھائی جان۔ اللہ ہماری بیٹی کو بہترین نعم البدل عطا کرے گا۔ اللہ کی ذات سے نا امید کیوں ہوتے ہیں۔"

انس اب بھی بھائی کو سمجھانے کی کوشش میں مصروف تھے لیکن یونس احمد کچھ سننے پر آمادہ نہ تھے وہ عارفہ کو بے نقط سنانے میں مصروف تھے۔

"کچھ غلطی ہماری بھی ہے بھائی جان۔ ہمیں اتنے بچپن میں بچوں کے رشتے طے ہی نہیں کرنے چاہیے تھے۔ زمانہ بہت بدل گیا ہے۔ آج کل کے بچے من مرضی کے عادی ہیں۔ وہ رشتوں کی نزاکت اور اہمیت کو سمجھنے کی صلاحیت ہی نہیں رکھتے۔"

انس احمد نے عمومی تناظر میں بات کی تھی لیکن پہلے سے ناراض بھائی یہ بات سن کر مزید برافروختہ ہو گئے۔

"غلطی واقعی میری ہے انس، جو میں نے تم دونوں کی زبان پر اعتبار کرتے ہوئے اپنی بچیوں کے رشتے تمہارے بچوں سے طے کر دیے۔ زمانہ واقعی بہت بدل گیا ہے اور تمہارے بچوں کے معیار پر میری بچیاں پوری اتر بھی نہیں سکتیں۔ آج عارفہ نے مجھے جس ذلت سے دوچار کیا میں مستقبل میں تمہارے ہاتھوں بھی یہ ہی ذلت نہیں سہہ سکتا۔ اس سے پہلے کہ تم بدلتے زمانے کے تقاضے اور اپنے بیٹے کی بدلتی پسند سے آگاہ کرتے ہوئے مجھ سے دو بول معذرت کے بولنے آؤ۔ میں خود تم سے ہاتھ جوڑ کر معافی مانگتا ہوں۔ میری بیٹیاں تم لوگوں کے معیار پر پوری نہیں اتر سکتیں میں بخوشی تمہیں تمہارے قول سے آزاد کرتا ہوں۔ میری بچیاں مجھ پر بوجھ نہیں۔ آج کے بعد تم اپنے گھر خوش اور میں اپنی بیوی اور بچیوں کے ساتھ اپنے گھر خوش۔ اب جا سکتے ہو تم۔" یونس احمد ٹھنڈے ٹھار لہجے میں گویا ہوئے۔

"کیسی باتیں کرتے ہیں بھائی جان۔ ہانیہ اور حدید کے رشتے کا یہاں کیا ذکر۔" مہ جبیں نے بوکھلا کر مداخلت کی کچھ ایسا ہی حال میمونہ کا بھی تھا ابھی ذہنی طور پر پہلی افتاد سے نمٹ نہیں پائی تھیں کہ شوہر کے طیش اور جذباتی پن نے صورت حال کو مزید گھمبیر بنا دیا تھا۔

"ہانیہ میری بیٹی ہے مہ جبیں! اور میں اپنی بیٹی کی زندگی کا فیصلہ اپنی مرضی سے کروں گا۔ جب عارفہ فائز اور ثانیہ کا رشتہ توڑ سکتی ہے اور انس اس معاملے میں میرا ساتھ دینے کے بجائے عارفہ کا طرف دار بن کر آ سکتا ہے تو پھر تم لوگوں کو کوئی حق نہیں پہنچتا کہ ہانیہ اور حدید کا رشتہ ختم کیے جانے پر مجھ سے کوئی سوال جواب کرو۔"

ان کی سرد مہری عروج پر تھی۔ انس نے بھائی کے کندھے پر ہاتھ رکھتے ہوئے کچھ کہنے کی کوشش کی لیکن یونس احمد نے ان کا ہاتھ جھٹک دیا تھا۔

"اب کہنے سننے کو کچھ باقی نہیں رہ گیا ہے۔ تم لوگ جا سکتے ہو۔" کچھ دیر پہلے کی گرجتے برسنے والی کیفیت کے برعکس اب وہ بالکل سرد و سپاٹ انداز

اپنائے ہوئے تھے۔

"بھائی جان میرے کیے کی سزا مجھے ہی دیں ناں۔ آپ دونوں بھائی اپنے تعلقات کیوں خراب کر رہے ہیں۔ ہانیہ اور حدید کے رشتے میں تو سب کی مرضی اور خوشی شامل ہے۔ یوں جذباتی پن سے کام نہ لیں۔" عارفہ نے بھی روتے ہوئے منت کی تھی۔

"ثانیہ اور فائز کا رشتہ بھی سب کی مرضی اور خوشی سے ہی طے ہوا تھا۔ جب تمہاری مرضی بدل سکتی ہے تو میری مرضی کیوں نہیں بدل سکتی۔ اپنے لاڈلے بھائی کو لے کر یہاں سے فوراً چلی جاؤ عارفہ میرے ضبط اور برداشت کو مزید مت آزماؤ۔"

"بھابھی بیگم آپ ہی کچھ سمجھائیں بھائی جان کو۔" مہ جبیں نے اضطراب کے عالم میں جیٹھانی کو مخاطب کیا۔ حدید کے حوالے سے ہانیہ انہیں تو عزیز تر تھی ہی پر ان کا بیٹا تو اس کے بغیر سانس بھی نہ لے پاتا۔ وہ ماں تھیں بیٹے کے دل کے حال سے کیوں باخبر نہ ہوتیں اور اب بیٹے کی خاطر ہی جیٹھانی کو منت بھرے انداز میں مداخلت کرنے کا کہا۔

"فکر نہ کرو مہ جبیں! تمہارے بھائی جان کا غصہ وقتی ہے۔" انہوں نے دھیرے سے دیورانی کو تسلی دی تھی۔

"نہ میرا غصہ وقتی ہے اور نہ فیصلہ اگر آپ کو میرے فیصلے پر اعتراض ہے تو اپنی چہیتی نند اور لاڈلے دیور کے ساتھ آپ بھی یہاں سے فی الفور چلی جائیں۔ میرے گھر میں رہتے ہوئے میرے فیصلوں کی سرتابی مجھے ہرگز گوارا نہیں۔"

ان کی توپوں کا رخ اب بیوی کی جانب ہو گیا تھا۔ مہ جبیں نے بوکھلا کر کچھ مزید کہنا چاہا لیکن انس نے آنکھ کے اشارے سے بیوی کو بولنے سے روکا۔ اس وقت کسی کا بھی مزید کچھ بولنا بہتری کے بجائے بگاڑ کا سبب بن سکتا تھا۔

"آپ بھابھی بیگم پر خفا مت ہوں ہم ہی چلے جاتے ہیں۔"

انس احمد تھکے ہارے لہجے میں گویا ہوئے، انہوں نے بیوی اور بہن کو بھی اٹھنے کا اشارہ کیا۔

ان کے جانے کے بعد یونس احمد نے بیوی کی سمت دیکھا۔

"آج کے بعد آپ نے نیچے والوں سے یا عارفہ سے کوئی تعلق واسطہ رکھا تو اس کی قیمت ہمارے باہمی تعلق کو چکانا پڑے گی۔" میمونہ نے بے بسی اور بے چارگی سے شوہر کو دیکھا مگر خاموش رہنے کے سوا کوئی چارہ نہ تھا۔

☆☆☆

بات معمولی نہ تھی۔ سب اندر سے ڈھے گئے تھے۔ سب سے بڑا نقصان ثانیہ کا ہوا تھا وہ برسوں سے فائز سے منسوب تھی۔

فائز کے گریز بھرے رویے کو اس کی سنجیدہ طبیعت پر محمول کرتی رہی۔ اسے اس کا باوقار طرز عمل بھلا لگتا تھا۔ اب پتا چلا کہ وہ اسے نظر بھر کر دیکھنے سے بھی گریز کرتا تھا تو اس کی وجہ بیزاری اور ناپسندیدگی تھی۔

ٹھکرائے جانے کی اذیت سہنا آسان نہ تھا لیکن اس نے صورت حال کا غیر جانب داری سے تجزیہ کیا تو اس سارے معاملے میں عارفہ پھوپھو کو بے قصور پایا۔ فائز کا قصور بھی بس اتنا تھا کہ اس نے اپنی ناپسندیدگی کا اظہار کرنے میں بہت دیر کر دی۔ انس چاچو تو بے چارے بلاوجہ ہی لپیٹ میں آ گئے۔ بابا نے انہیں کا غصہ انہیں نکال دیا۔

حدید اور ہانیہ کی نسبت ختم کرنے کا تو کوئی جواز تھا ہی نہیں مگر یہ بات بابا کو کون سمجھاتا، ثانیہ کا اپنا غم بہت بڑا تھا ہی مگر اسے زیادہ دکھ چاچو کی فیملی سے تعلق توڑنے کا تھا۔ وہ تو سب ایک فیملی تھے اور ان کے بغیر جینا بھی کوئی جینا تھا۔

میمونہ کی سوچیں بھی بیٹی سے مختلف نہ تھیں۔ عارفہ کے منہ سے فائز کا فیصلہ سن کر انہیں شدید جذباتی دھچکا لگا تھا لیکن وہ عارفہ کو موردِ الزام نہ ٹھہرا سکتی تھیں۔

عارفہ صرف ان کی نند نہیں خالہ زاد بہن بھی تھیں۔ یونس احمد سے شادی کے بعد عارفہ نے انہیں

بھائی کہنا کو شروع کر دیا تھا لیکن وہ انہیں ہمیشہ بڑی بہن والا رتبہ ہی دیتی تھیں۔

میمونہ نے بھی اسے کبھی نند نہ جانا۔ وہ ہمیشہ ان کے لیے ان کی پیاری عارفہ ہی رہی اور بھتیجیوں میں تو جان تھی اس کی۔ بہت چاہت سے اس نے اپنے لاڈلے بیٹے کے لیے ثانیہ کا ہاتھ مانگا تھا۔ فائز کے کیے کا ذمہ دار وہ عارفہ کو نہ ٹھہرا سکتی تھیں۔

انس کی جن معقول باتوں پر یونس بھڑک اٹھے تھے میمونہ بے چاری دیور، دیورانی کی سائیڈ بھی نہ لے پائیں۔ شوہر کے جلالی مزاج کی لپیٹ میں ان کی ہانیہ کا بھی کتنا نقصان ہو گیا۔ حدید، سدید تو انہیں اپنے بچوں جتنے ہی پیارے تھے جس طرح ثانیہ، ہانیہ، چاچو، چاچی کی لاڈلی تھیں ویسے ہی حدید، سدید کے ہوتے ہوئے میمونہ کو بھی بیٹوں کی کمی محسوس نہ ہوئی۔

سدید تو خیر بچہ تھا گھر بھر کا ہی لاڈلا تھا۔ حدید ان کا اصل میں قابل فخر بیٹا تھا۔ وہ اکثر انہیں مسکرا کر مخاطب کرتا۔

"تائی اماں اگر میں آپ کو ماں سمجھتا ہوں تو اس کی تین وجوہات ہیں پہلی یہ کہ آپ میری تائی ہیں۔ میں بچپن میں امی کی گود سے بھی زیادہ آپ کی گود میں رہا ہوں امی بتاتی ہیں کہ جب وہ مجھے چپ کروانے کی کوشش میں ناکام ہو جاتی تھیں تو آپ کے حوالے کر دیتی تھیں۔

دوسری وجہ یہ کہ آپ میری استانی بھی ہیں میں نے قرآن مجید آپ سے پڑھا۔" وہ مسکرا کر کہتے ہوئے ادھر ادھر دیکھتا جیسے کسی کے نہ ہونے کا یقین کر رہا ہو۔

"اور آپ کی کٹ کھنی بیٹی سے رشتہ جڑنے کے بعد تو آپ آفیشلی مدر ان لا بھی بن گئی ہیں۔"

وہ شرارتی انداز میں مخاطب ہوتا۔ میمونہ دل ہی دل میں اس کی بلائیں اتارتیں۔ بے تحاشا خوبرو، لائق فائق، سلجھا ہوا شریف النفس بچہ ان کی بیٹی کا نصیب تھا دونوں کی گویا چاند سورج کی جوڑی تھی وہ بیٹوں کی طرح تو عزیز تھا ہی پر ہانیہ سے شادی کی صورت میں تو انہیں واقعی زندگی بھر کے لیے بیٹے کا سہارا مل جانا تھا۔

یونس احمد نے اشتعال کے عالم میں کتنا غلط فیصلہ کر ڈالا تھا۔ دکھ سکھ کی ساتھی، بہنوں جیسی دیورانی اور چھوٹے بھائی جیسا دیور، ان سب سے علیحدہ ہو کر رہنا ناممکن حد تک مشکل تھا لیکن یونس احمد کوئی بات سننے پر آمادہ ہی نہ تھے۔ میمونہ نے بارہا کوشش کی کہ وہ شوہر کو سمجھا بجھا کر معاملہ سلجھائیں لیکن ایسی کسی بھی کوشش کے نتیجے میں وہ اتنا بگڑتے کہ انہیں لینے کے دینے پڑ جاتے تھک ہار کر میمونہ نے خود کو حالات اور وقت کے دھارے پر چھوڑ دیا تھا۔

فقط ہانیہ تھی جس کو باپ کے کسی فیصلے پر کوئی اعتراض نہ تھا۔ اسے ان کا غصہ بالکل جائز لگتا تھا۔ عارفہ پھوپھو نے کتنی آسانی سے بیٹے کی بات مان لی وہ اگر ماں ہونے کا حق استعمال کرتیں تو فائز بھائی کی انکار کی مجال ہی نہ ہوتی، اگر ایک بار ثانیہ سے ان کی شادی ہو جاتی تھی تو وہ خود بخود ثانیہ سے محبت کرنے لگتے۔

اس کی بہن میں کس چیز کی کمی تھی۔ بچپن کی منگنی یوں اس طرح تھوڑی توڑی جا سکتی تھی۔

انس چاچو کو بھی بابا کے کندھے سے کندھا ملا کر کھڑا ہونا چاہیے تھا۔ عارفہ پھوپھو پر دباؤ ڈالنا چاہیے تھا۔ کہ وہ بیٹے کی بات مان کر اپنے دونوں بھائی کھو دیں گی اگر انس چاچو بابا کی سپورٹ کرتے تو پھوپھو کے لیے فائز بھائی کو منانے کے سوا کوئی راستہ نہ بچتا لیکن چاچو تو الٹا بابا کو ہی سمجھانے آ گئے۔

اس کے بابا نے بہن بھائیوں کے لیے کتنی قربانیاں دی تھیں۔ کس برے طریقے سے ان کا مان توڑا گیا تھا اور اگر بابا نے اس کا اور حدید کا رشتہ ختم کیا تھا تب بھی اسے اپنے پیارے بابا سے کوئی شکوہ نہ تھا۔ دنیا میں کسی ایک کو تو ان کی ساتھ قدم سے قدم ملا کر کھڑے ہونا تھا اور وہ ہانیہ تھی جو اپنے جان سے پیارے بابا کے ہر فیصلے میں ان کی ہم قدم تھی۔ حدید کے ساتھ اس کی غیر رسمی سی منگنی ہی ہوئی تھی ناں۔ ٹوٹ گئی تو کیا ہوا۔ ہانیہ کو کوئی فرق نہ پڑتا تھا۔

وہ خود کو باور کروانے کی کوشش میں کامیاب نہ

بھی ہو پاتی تب بھی اپنے کسی رویے سے اس ناکامی کا اظہار بھی نہ ہونے دیتی۔ اسے دنیا میں سب سے زیادہ محبت اپنے بابا سے تھی۔ حدید کا نمبر اس کے کہیں بعد آتا تھا۔

بابا کی طرف سے تعلق ختم کیے جانے کے اعلان کے بعد اس نے کوشش کی تھی کہ اس کا حدید سے آمنا، سامنا نہ ہی ہو۔ پہلے اس کا آدھے سے زیادہ دن نیچے گزرتا تھا اب نیچے جانے کا تو سوال ہی پیدا نہ ہوتا تھا ہاں کالج جانے کے لیے اسے نیچے جا کر گیٹ پار کرنا ہی ہوتا۔ چچا یا چچی کا سامنا ہونے پر وہ انہیں دھیمے سے لہجے میں سلام کر ڈالتی۔

اس سے زیادہ بے مروتی کا اظہار ممکن ہی نہ تھا ہاں حدید کی جانب تو نگاہ اٹھا کر دیکھتی تک نہ تھی۔ اس نے اس گریز سے جانے کیا نتیجہ اخذ کیا۔

''پلیز پریشان مت ہو ہانیہ! وقت کے ساتھ سب ٹھیک ہو جائے گا۔'' وہ گیٹ کی جانب بڑھ ہی رہی تھی جب وہ لپک کر اس کے پیچھے آیا۔

''میں پریشان نہیں ہوں۔'' وہ سپاٹ سے انداز میں گویا ہوئی۔ حدید اب بھی اس کے انداز سے کچھ نہ سمجھا۔

''میں جانتا ہوں تایا ابو کا غصہ وقتی ہے اور انہوں نے ہمارے حوالے سے جو فیصلہ کیا ہے وہ صرف غصے اور جذبات میں آ کر کیا ہے۔ پلیز تم ٹینشن مت لینا۔''

اسے ٹینشن نہ لینے کا مشورہ دینے والا خود کس قدر ٹینس لگ رہا تھا اسے بخوبی اندازہ ہو رہا تھا۔ ہانیہ نے اس کے چہرے پر ایک نگاہ ڈالتے ہوئے نگاہ چرائی۔

''نہ میرے بابا کا غصہ عارضی ہے اور ناں ہی ان کا فیصلہ اور وہ اس فیصلے میں بالکل حق بجانب ہیں۔ مجھے اس فیصلے پر رتی برابر بھی اعتراض نہیں اور تم آئندہ مجھے یوں راستے میں مت روکنا۔''

وہ سرد مہر سے انداز میں مخاطب ہوئی تھی۔ حدید نے بے یقینی سے اسے دیکھا۔

''تم جانتی ہو۔ تم کیا کہہ رہی ہو۔'' اسے گویا اپنی سماعتوں پر یقین نہ آیا تھا۔

''میں نے جو بات کی ہے دل اور دماغ کی آمادگی کے ساتھ کی ہے۔ مجھے بابا کے کسی فیصلے پر کوئی اعتراض نہیں۔ انہوں نے جو مناسب جانا وہ ہی کیا۔ مجھے ان کا ہر فیصلہ قبول ہے۔''

وہ دوٹوک انداز میں بولی۔ حدید لب بھینچے اسے قہر بار نگاہوں سے گھورتا رہا۔

''مجھے دیر ہو رہی ہے۔'' ہانیہ کہتی کترا کر چلی گئی تھی۔ وہ اپنی پشت پر حدید کی بے یقین نگاہیں محسوس کر سکتی تھی۔ وہ تیز تیز قدم اٹھاتی دروازہ پار کر گئی۔

☆☆☆

جس جس کا بھی یہ خیال تھا کہ وقت گزرنے کے ساتھ سب ٹھیک ہو جائے گا گزرتا وقت اس خیال کو غلط ثابت کرتے ہوئے مزید آگے بڑھتا جا رہا تھا۔ اور پھر فائز کی شادی کی خبر ملی۔

ہانیہ کے دل میں موہوم سی امید تھی کہ عارفہ پھوپھو بیٹے کا کان پکڑ کر اس سے معافی منگواتے ہوئے پھر سے رشتہ جوڑنے کی منت کریں گی یہ امید بھی دم توڑ گئی۔ ثانیہ نے البتہ خود کو خاصی حد تک کمپوز کر لیا تھا اسے اس خبر سے کوئی فرق نہ پڑا۔ یا پڑا بھی ہو تو اس نے ظاہر نہ ہونے دیا۔

انس احمد کے خاندان سے بھی کسی نے شادی میں شرکت نہ کی لیکن یونس احمد کو گویا اب ان کے کسی فعل سے کوئی سروکار نہ تھا۔ وہ بہن بھائی سے قطعاً لاتعلق ہو چکے تھے۔

میمونہ اپنے انا پسند اور ضدی شوہر کے آگے ہار مانے بیٹھی تھیں۔ شب و روز اسی بوجھل پن کے ساتھ گزرتے جا رہے تھے۔

پھر رمضان کے مبارک مہینے کا آغاز ہو گیا۔ کس قدر رونق والا مہینہ ہوتا تھا یہ اور اب بہت آسان روزے ہونے کے باوجود دن کاٹنا مشکل ہو جاتا تھا۔

میمونہ نے شوہر کو سمجھانا ترک کر کے اپنے رب کے حضور اپنی فریاد پیش کرنا شروع کر دی تھی۔ وہ اپنے سب بچوں کی خوشیوں، بہتر مستقبل اور دلی سکون کے

لیے رب کے آگے دامن پھیلا کر گڑگڑاتیں۔ حیرت انگیز طور پر ان کے دل کی بے کلی ختم ہوتی جا رہی تھی۔ بچیاں بھی اپنے اپنے طور رمضان کی سعادتیں سمیٹنے کی کوشش میں مصروف تھیں۔

یونس احمد آج کل قدرے بے چین دکھائی دیتے تھے لیکن میمونہ نے اس بارے میں کوئی استفسار کرنا مناسب نہ جانا۔ جانتی تھیں کہ وہ انا پسند شخص ہیں کبھی اپنے دل کی بات زبان پر نہ لائیں گے اور میمونہ نے انہیں ان کے حال پر چھوڑ دیا تھا۔

☆☆☆

"تم تین دن سے اس اسائنمنٹ میں الجھی ہوئی ہو۔ آخر یہ کب مکمل ہوگی۔" ثانیہ نے بہن سے پوچھا۔

"سر واسطی نے پریشان کر رکھا ہے یار۔ ایک کے بعد ایک مشکل اسائنمنٹ دیے جا رہے ہیں۔" وہ بیزاری سے بولی۔

"شاید تمہیں زیادہ مشکل اس لیے پیش آ رہی ہے کہ اب تمہارا ساتھ دینے کے لیے حدید نہیں ہے۔ تمہارا کتنا کام وہ اپنے سر لے لیتا تھا۔" ثانیہ نے مسکرا کر جتانا چاہا۔

"ہاں تو احسان نہیں کرتا تھا میں بھی تو اس کے دوستوں کی چائے پانی کا انتظام کرنے میں کتنا وقت صرف کرتی تھی۔" وہ ہانیہ یونس تھی احسان کیسے مانتی۔

ثانیہ اس کا جواب سن کر مسکرا کر کچھ کہنے والی تھی کہ سدید سیڑھیاں چڑھ کر اوپر آتا دکھائی دیا۔ واحد سدید ہی تھا جو اوپر آنے کی پابندی کو خاطر میں نہ لایا تھا، وہ پہلے کی نسبت کم لیکن پھر بھی دن میں ایک بار تو ضرور تائی امی اور آپیوں سے ملنے پہنچ جاتا تھا۔

"ہری مرچیں چاہئیں ثانیہ آپی!" تیزی سے سیڑھیاں چڑھنے کی وجہ سے اس کا سانس پھول رہا تھا۔

"اتنی تیزی میں کیوں آئے ہو۔ کوئی ٹرین چھوٹ رہی تھی۔ پانی پی لو۔" ہانیہ نے اسے ڈپٹتے ہوئے مخاطب کیا۔

"روزہ ہے ہانیہ آپی۔" وہ مشورہ سن کر خفا ہوا۔

"چڑی روزہ۔" ثانیہ نے بھی اسے مسکرا کر چھیڑا۔ وہ آٹھ برس کا ہونے والا تھا لیکن روزہ رکھنا اس کے بس کی بات نہیں تھی۔ سرخ و سپید رنگت والا گپلو گپلو سا سدید ہر گھنٹے بعد کچھ نہ کچھ کھانے کا عادی تھا۔ حدید اس کا موٹاپا کم کروانے کی اپنی سی کوشش میں لگا رہتا لیکن گھر میں اس کا لاڈ اٹھانے والے بہت تھے۔ اس کے کھانے کی سپلائی لائن کبھی ٹوٹ نہ پاتی تھی۔

"چڑی روزہ نہیں ہے۔ بالکل اصلی اور پکے والا روزہ ہے۔" وہ ثانیہ کی بات سن کر مزید خفا ہوا تھا۔

"ابھی کچھ دیر پہلے میں نے میکرونی بنا کر رکھی ہے لا کر دوں؟" ثانیہ نے پوچھا۔

"آپ کو یقین کیوں نہیں آ رہا۔ میرا واقعی روزہ ہے۔" وہ بے چارہ روہانسا ہو گیا تھا۔

"سحری کی تھی؟" اب تفتیش کی باری ہانیہ کی تھی۔

"حدید بھائی نان چنے لائے تھے۔ سحری میں وہ ہی کھائے تھے۔" اس نے بتایا۔

"اور پھر صبح اٹھ کر ناشتے میں کیا کھایا۔ آملیٹ پراٹھا۔" ہانیہ نے پوچھا۔

اس بار سدید صاحب واقعی خفا ہو گئے تھے اور خاموشی سے منہ پھلا کر بیٹھ گئے۔ سامنے سے میمونہ آتی دکھائی دیں تو اس نے فوراً ان کی شکایت لگائی جو اس کے روزے کو جھوٹا سمجھ رہی تھیں۔

"واقعی میرے بچے نے آج روزہ رکھا؟" میمونہ نے اسے ساتھ لپٹا لیا تھا۔

"سچی تائی امی اتنا روزہ لگ رہا ہے اور امی نے حدید بھائی سے کہا۔ بازار سے پودینہ ہری مرچ لا دو۔ وہ خود تو اپنی جگہ سے ہلے تک نہیں۔ مجھے اوپر دوڑا دیا۔ اب اتنے چکر آ رہے ہیں ناں۔"

سدید نے مہربان تائی سے جھٹ بھائی کی بھی شکایت لگائی۔

"افوہ ثانیہ! سدید کو چکر آ رہے ہیں بی پی لو ہو رہا ہوگا۔ تم فریج سے ٹھنڈا ٹھنڈا لیموں پانی نکال دو۔" ہانیہ اب بھی سچ اگلوانے کی اپنی سی کوشش میں مصروف تھی۔

"ہانیہ آپی اور حدید بھائی بالکل ایک سے ہیں۔ وہ بھی بار بار مجھ پر شک کر رہے ہیں۔ فریج کے پاس سے بھی گزروں تو پوچھتے ہیں کچھ نکال کر کھایا تو نہیں۔"

"ان سب کے تو میں کان کھینچوں گی۔ تم یہ بتاؤ آج تمہاری افطاری کے لیے میں کیا بنا کر بھیجوں۔" میمونہ نے پیار سے اس کے بال سنوارے۔

"ویسے تو نیچے امی بھی آج میری پسند کی بہت سی چیزیں بنا رہی ہیں۔" وہ تائی کی بات سن کر سوچ میں پڑ گیا تھا۔

"آپ لوگ آج نان پکوڑا بنائیں گے؟" اس کے معصومانہ سے استفسار پر سب کے لبوں پر مسکراہٹ دوڑ گئی۔

"بالکل بنائیں گے۔ تم افطاری سے ذرا پہلے آ کر اپنا پلیٹر لے جانا۔ سب کچھ تمہاری پسند کا ہوگا۔" ثانیہ نے اسے یقین دلایا تھا۔

"ٹھیک ہے میں آ جاؤں گا۔" وہ خوشی خوشی واپس نیچے جانے لگا۔

"اپنی ہری مرچیں تو لے جاؤ ورنہ تمہارا کام چور بھائی پھر سے تمہیں اوپر دوڑا دے گا۔" ہانیہ نے اسے بے ساختہ پکارا۔

"اوہ وہ تو میں بھول ہی گیا۔" وہ کھسیا کر ہنس پڑا تھا۔

☆☆☆

"یہ سدید کا بچہ اب تک آیا کیوں نہیں۔ بابا آ جائیں گے تو خفا نہ ہوں کہ ہم نے افطاری نیچے کیوں بھجوائی۔" ثانیہ گھڑی پر نگاہ ڈالتے ہوئے پریشانی سے گویا ہوئی۔

"دو چار منٹ اور ویٹ کر لو۔ پہنچ جائے گا۔" ہانیہ کسل مندی سے بولی۔ لیکن جب سدید اگلے دس منٹ تک بھی نہ آیا تو ثانیہ نے ہانیہ کو مخاطب کیا۔

"بچے کو روزہ لگ رہا ہوگا ہانیہ پلیز تم اس کی افطاری نیچے دے آؤ آج پہلا روزہ ہے بے چارے کا۔"

"میں نیچے جاؤں۔" ہانیہ نے حیرت سے آنکھیں پھاڑیں۔

"ہاں دیکھ رہی ہوں ناں۔ میں چولہے کے پاس کھڑی ہوں۔ بابا کے آنے سے پہلے تم فٹافٹ یہ نیچے دے دو۔ سیڑھیوں کے آخر پر ہی سدید کو آواز دے لینا۔ وہ خود لے لے گا۔" ثانیہ مصروف انداز میں بولی۔ ہانیہ متذبذب سے انداز میں کھڑی رہی۔

"وہ اب تمہارا سسرال نہیں رہا جو جاتے ہوئے اتنا کانشئیس ہو رہی ہو۔ یہ آنے جانے کی پابندی صرف بابا کے حکم کی تعمیل ہے ورنہ وہ اب بھی ہمارے چچا کا گھر ہے۔" ثانیہ نے اسے جتایا۔

"میں نیچے جاتے ہوئے کوئی کانشئیس نہیں ہو رہی۔ دکھاؤ دے آتی ہوں۔"

اس نے افطاری کی ٹرے اٹھا کر نیچے کا رخ کیا ثانیہ کے لبوں پر مسکراہٹ پھیل گئی۔ ابھی ذرا دیر پہلے اس کے موبائل پر حدید کا میسج آیا تھا۔

"سدید کو اپنا موبائل دے کر مصروف کیا ہے افطاری اپنی کٹ کھنی بہن کے ہاتھ بھجوا دو تو بندہ احسان یاد رکھے گا بہنا۔"

ثانیہ نے اوکے سینڈ کرتے ہی حسب معمول اپنی چیٹ ڈیلیٹ کر دی، کیا بھروسا ہانیہ کے ہاتھ اس کا موبائل لگ جاتا۔ حدید نے اس کا نام کٹ کھنی ہی تو رکھا ہوا تھا۔

ثانیہ کو دل سے یقین تھا کہ بابا کا جذباتی پن عارضی ہے وہ اپنی ناراضی کو جتنا مرضی طول دے لیں ایک دن اس ناراضگی کا خاتمہ ہو جانا تھا ہانیہ اور حدید کے بیچ غلط فہمی اور فاصلے نہیں جنم لینے چاہئیں تھے۔ وہ اب تک ہانیہ کو تو یہ بات سمجھانے میں ناکام ٹھہری تھی لیکن حدید کو سب ٹھیک ہو جائے گا کی تسلی دیتی رہتی تھی۔

ہانیہ آخری سیڑھی پر پہنچتے ہی ٹھٹھک کر رک گئی تھی۔ سر پر ٹوپی اور ہاتھ میں تسبیح لیے سدید کا بابا گڑو بھائی اس وقت روزے کی حالت میں جانے کون سی واک میں مصروف تھا ہانیہ اسے دیکھ کر واپس پلٹنے ہی والی تھی کہ حدید نے بھی اسے دیکھ لیا۔

"آج یقین آ گیا روزے دار کی دعائیں بڑی

تاثیر ہوتی ہے۔" وہ اس کے قریب آتے ہوئے مسکرایا۔

"میں سدید کی افطاری دینے آئی ہوں۔ تمہاری فضول باتیں سننے نہیں۔" ہانیہ تیکھے سے انداز میں گویا ہوئی۔

"تو میں بھی کہیں آس پڑوس سے افطاری آنے کی ہی دعا کر رہا تھا۔ تمہیں کیا لگا تمہیں دیکھنے کی دعا میں مصروف تھا۔" اس کے تیکھے انداز پر حدید نے بھی تیکھے تیور ہی اپنائے تھے۔

"یہ پکڑلو۔ بابا آنے والے ہوں گے۔" ہانیہ نے اس کی بات نظر انداز کرتے ہوئے ٹرے اس کی سمت بڑھائی۔ حدید نے اب بھی ٹرے کی سمت ہاتھ نہ بڑھایا جانتا تھا وہ ٹرے پکڑاتے ہی فوراً واپس پلٹ جائے گی مگر برا ہو سدید کے بچے کا جو ادھر آنکلا۔

"آہا ہانیہ آپی! میری افطاری لے آئیں۔" اس نے لپک کر ٹرے پکڑلی تھی۔ ہانیہ واپس پلٹ گئی تھی۔

حدید ٹھنڈا سانس بھر کر رہ گیا تھا۔ جی تو چاہ رہا تھا سدید کے ایک چپت لگا دے مگر اس کے روزے کا خیال کرکے ضبط سے کام لینا پڑا۔

☆☆☆

دو دن سے اماں اور ابا متواتر خواب میں نظر آ رہے تھے اور دونوں ہی خفا اور ناراض لگتے تھے۔

یونس احمد سحری کے وقت اٹھے تو طبیعت بڑی بوجھل تھی۔ لاکھ خود کو سمجھایا کہ یہ خواب لاشعور کی کارستانی ہے ورنہ اماں ابا ان سے کیوں خفا ہونے لگے مگر دل پر دھرا بوجھ کم نہ ہوا۔ یہ بوجھ ہر گزرتے دن کے ساتھ بڑھتا ہی جا رہا تھا۔ مشکل یہ تھی کہ وہ کسی سے دل کا حال کہہ بھی نہ سکتے تھے۔

بیگم صاحبہ نے آج کل عجیب لاتعلقی سی اختیار کرلی تھی پہلے تو اٹھتے بیٹھتے ان کے غلط فیصلے پر انہیں سمجھاتی بجھاتی رہتی تھیں مگر اب انہیں ان کے حال پر چھوڑ دیا تھا۔ وہ زیادہ وقت اپنی تسبیح و مناجات میں گزارتیں۔ یونس احمد پہلے ان کے بولنے پر دھاڑتے تھے اور اب نہ بولنے پر جھنجھلاتے تھے۔ پھر دل پر دھرا یہ بوجھ اس دن مزید بڑھ گیا جب ان کے پرانے واقف کار شمس علی سے ان کی اتفاقیہ ملاقات ہو گئی۔

"خیریت شمس علی! بہت نڈھال اور کمزور لگ رہے ہو۔ طبیعت تو ٹھیک ہے۔" انہوں نے استفسار کیا۔

"اولاد کا دکھ بندے کو توڑ کر رکھ دیتا ہے یونس بھائی۔ اب آپ سے کیا چھپانا بیٹی اجڑ کر گھر واپس آ گئی ہے۔ اسی کے دکھ نے نڈھال کر رکھا ہے۔"

شمس صاحب ذرا سی ہمدردی پا کر دکھے دل کا ماجرا سنانے لگے تھے۔ چھ ماہ پہلے ہی انہوں نے سگے بھتیجے کے ساتھ بیٹی بیاہی تھی۔ بھتیجا شادی پر رضامند نہ تھا گھر والوں کے دباؤ پر شادی کر تو لی مگر یہ بندھن نباہ نہ پایا۔ چھ مہینے بعد ہی بیٹی واپس میکے کی دہلیز پر آ گئی۔

"وہ میرا سگا بھائی تھا یونس بھائی۔ اس نے مجھے حقیقت حال سے بے خبر رکھا۔ اس کا بیٹا کسی اور لڑکی کے چکر میں تھا اگر مجھے یہ حقیقت پہلے پتا لگ جاتی تو میں کیوں اپنی بیٹی کی شادی وہاں کرتا۔ ایک منگنی ہی تھی ناں ٹوٹ جاتی تو کون سی قیامت آ جاتی لیکن میرے بھائی نے مجھے سارے معاملے کی بھنک تک نہ لگنے دی۔ جب تو زور زبردستی کرکے بیٹے کو شادی پر مجبور کر دیا مگر وہ دل سے راضی ہی نہ تھا تو میری بچی کو خاک خوش رکھتا۔ بچی نے تو نباہ کی بہت کوشش کی مگر پھر اس کی برداشت بھی جواب دے گئی۔ دونوں میاں بیوی میں جھگڑا ہوا اور وہ ناخلف تو ویسے ہی اس ان چاہے بندھن سے جان چھڑوانا چاہتا تھا۔ ماں باپ کے روکنے کے باوجود طلاق کے بول کہہ دیے۔ میری معصوم بچی چھ ماہ کے اندر طلاق کا داغ لگوا کر واپس آ گئی۔"

شمس علی آب دیدہ ہو کر دل کا بوجھ ہلکا کر رہے تھے۔ یونس احمد دوست کو تسلی کے دو بول بھی نہ کہہ پائے۔ دل و دماغ میں عجیب سا اضطراب برپا تھا۔

''اصل ناعاقبت اندیش میرا بھائی تھا۔ میری ناراضی کے ڈر سے مجھے شادی سے پہلے معاملے سے بے خبر رکھا۔ وہ ہمارے تعلقات میں بگاڑ پیدا ہونے سے ڈر گیا تھا۔ یہ بے وقوفی نہ کرتا تو میں نے کتنی دیر ناراض رہ لینا تھا۔ زیادہ سے زیادہ اس وقت تک بال جب تک میری بیٹی کا کہیں اور رشتہ نہ ہو جاتا پھر خفگی خود ہی دم توڑ دیتی لیکن اس نے اپنے سگے بھائی پر ہی اعتبار نہ کیا۔ ایسا ظلم تو کوئی غیروں کے ساتھ بھی نہیں کرتا جب اس کے بیٹے نے شادی سے انکار کر دیا تھا تو کیوں زبردستی میری بیٹی کو اس بندھن میں باندھا۔ نہ پوچھیں یونس بھائی ہمارے گھر پر کیا قیامت ٹوٹ پڑی ہے۔ میری بیوی اس دن سے بستر سنبھالے پڑی ہے۔ بیٹی الگ نفسیاتی مریضہ بن گئی ہے۔''

شمس علی نے ٹھنڈی آہ بھر کر خود پر بیت رہی داستان سنائی۔

''پریشان ہونے سے کیا حاصل شمس۔ اللہ پر بھروسا رکھو۔ وہ مسبب الاسباب ہے۔ تمہاری پریشانیاں دور کرنے پر قادر ہے۔ ہم گناہ گار تو صرف تمہارے لیے دعا ہی کر سکتے ہیں۔'' انہوں نے دوست کو خلوص دل سے تسلی دی۔

''بس آپ کی دعائیں ہی درکار ہیں۔ کسی اپنے سے کہہ سن کر دل کا بوجھ ہلکا ہو جاتا ہے۔''

شمس صاحب افسردگی سے مسکرائے تھے اور دوست کے رخصت ہونے کے بعد یونس احمد کا مزید کسی کام میں دھیان نہ لگ سکا۔ دل اور دماغ میں تلاطم برپا تھا۔

بہن بھائی کی جن باتوں پر وہ طیش اور اشتعال کے عالم میں ان سے تعلق واسطہ توڑنے کا اعلان کر بیٹھے تھے اب ان باتوں کی معقولیت کا احساس ہوا۔ اگر عارفہ ان سے سارا معاملہ چھپاتی اور زبردستی فائز کو شادی پر راضی کر لیتی تو کیا گارنٹی تھی کہ فائز ان کی بیٹی کو خوش رکھنے میں کامیاب ہوتا۔ ابھی تو صرف منگنی ہی ٹوٹی تھی ناں۔ منگنی توڑنا اتنا ناقابل معافی جرم تو نہیں تھا انہوں نے تو بدلے میں بہن بھائی سے تعلق ہی توڑ لیا۔

دل کے کسی اندرونی گوشے میں انہیں اپنی زیادتی کا احساس ستانے لگا تھا۔ شاید مرحوم والدین کو بھی اسی لیے تواتر سے خوابوں میں دیکھنے لگے تھے مگر آج شمس علی کی باتوں نے انہیں صحیح معنوں میں جھنجھوڑ کر رکھ دیا۔

وہ عارفہ اور انس کے بڑے بھائی تھے اگر انہوں نے ساری عمر بہن بھائی پر شفقت لٹائی تھی تو بدلے میں دونوں نے ہی انہیں بے پناہ عزت سے نوازا تھا۔ غصے میں وہ دونوں پر چڑھ دوڑے تھے۔ کتنے سخت الفاظ میں عارفہ اور انس کو جھاڑ پلائی تھی لیکن دونوں آگے سے ایک لفظ نہ بولے۔ اور عارفہ ان کی چھوٹی لاڈلی بہن۔

اللہ گواہ تھا کہ وہ انہیں اپنی بیٹیوں جیسی ہی پیاری تھی۔ پھر کوئی بیٹی کی غلطی پر اتنا کٹھور کیسے ہو سکتا تھا اور شاید اس بے چاری کی تو غلطی تھی بھی نہیں غلطی تو فائز کی تھی یا پھر شاید قسمت میں ثانیہ اور فائز کا جوڑ ہی نہ لکھا تھا۔

یونس علی سر پکڑے بیٹھے اپنی انا، طیش اور جذباتی پن کو کوس رہے تھے۔

ثانیہ اور فائز کا رشتہ تو شاید رب کو ہی منظور نہ تھا انہوں نے تو اپنے ہیرے جیسے بھتیجے سے بیٹی کی نسبت توڑ کر اپنے گھاٹے میں مزید اضافہ کر لیا تھا۔

اب چھوٹوں کے سامنے خود سے کیسے جھکیں یہ سوچ مزید پریشانی بڑھا رہی تھی۔

''غصے کو اسی لیے حرام کہا گیا ہے یونس احمد۔'' انہوں نے داڑھی پر ہاتھ پھیرتے ہوئے ایک بار پھر خود کو کوسا تھا۔

☆☆☆

مہ جبیں آج عید کی شاپنگ کے مشن پر نکلی تھیں۔ شوہر انہیں ڈراپ کر کے آگے نکل گئے تھے۔

''فارغ ہو جاؤ تو کال کر دینا۔ دس منٹ میں پک کرنے آجاؤں گا۔'' وہ تو کہہ کر یہ جا اور وہ جا۔ رہیں مہ جبیں تو وہ تو کسی دوسرے کی رائے اور

مشورے کے بغیر خریداری کی عادی ہی نہ تھیں اور یہ دوسرا جیٹھانی کے سوا اور کون ہوتا تھا۔

مہ جبیں کو خود سے زیادہ میمونہ کی پسند، ناپسند اور فہم و فراست پر بھروسا تھا۔ جس چیز کی کوالٹی پر میمونہ اعتراض اٹھادیں، مہ جبیں اس کی طرف بڑھا ہاتھ بھی واپس کھینچ لیتی تھیں۔

اتنے برس اکٹھے گزارنے کے بعد انہیں میمونہ بھابھی کے صائب مشوروں پر دل و جان سے یقین ہو چکا تھا۔ دونوں دیورانی جیٹھانی ہمیشہ ایک ساتھ شاپنگ پر جاتی تھیں اگر ایک فریق نے کچھ نہ بھی خریدنا ہوتا تب بھی دوسرے کا ساتھ دینے کے لیے ساتھ چل پڑتے۔

اب ان کے بغیر خریداری کتنا مشکل کام لگنے لگی تھی۔ بلکہ ایک خریداری ہی کیا میمونہ کی کمی انہیں ہر گھڑی محسوس ہوتی تھی وہ نام کی جیٹھانی تھیں مہ جبیں کی زندگی میں انہوں نے بہن کی کمی پوری کر رکھی تھی۔

میکے کے نام پر مہ جبیں کے دو بھائی تھے دونوں ہی بیرون ملک مقیم تھے۔ مہ جبیں اپنی زندگی کا ہر دکھ سکھ میمونہ سے کرنے کی عادی تھیں۔ یونس بھائی کے غصے اور ناراضی نے ان کی زندگی کو مشکل ترین بنا دیا تھا۔ بہر کیف جب تک بھائی جان کا غصہ ٹھنڈا نہ ہوتا زندگی اسی ڈھب پر گزرنی تھی۔

مہ جبیں ٹھنڈا سانس بھرتے ہوئے شاپنگ کا مرحلہ سر کرنے لگی تھیں پھر وہیں انہیں نزہت بھابھی ٹکرا گئیں۔ وہ ان لوگوں کی پرانی ہمسائی تھیں۔

دونوں گھرانوں کے بہت پرانے اور گہرے مراسم تھے۔ چند برس پہلے وہ لوگ نئی سوسائٹی میں گھر بنوا کر وہاں شفٹ ہو گئے تھے۔ شروع شروع میں کسی موقعے، تہوار پر ملنا جلنا جاری رہا مگر زندگی کے جھمیلوں میں پڑ کر یہ کبھی کبھار کا ملنا جلنا بھی ختم ہو کر رہ گیا تھا۔

آج اتنی مدت بعد دونوں نے ایک دوسرے کو دیکھا تو بہت محبت اور تپاک سے ایک دوسرے سے گلے مل کر خیر خیریت دریافت کرنے لگیں۔

سب سے پہلے میمونہ بھابھی کا ہی تذکرہ ہوا تھا نزہت حیران تھیں کہ آج مہ جبیں تنہا کیسے نظر آ رہی ہیں۔ مہ جبیں نے آئیں بائیں شائیں کر کے بات ٹال دی مگر جب انہوں نے ثانیہ، ہانیہ کا حال پوچھا تو مہ جبیں صحیح معنوں میں پھنس گئیں۔

”پچھلی بار میمونہ بھابھی بتا رہی تھیں کہ ثانیہ کی شادی چند ماہ میں متوقع ہے میں تو کارڈ کا انتظار کرتی رہی۔ کیا ہوا شادی اب تک نہیں ہوئی یا میمونہ بھابھی اس اہم موقعے پر مجھے یاد رکھنا بھول گئیں۔“

اسی نوعیت کے تابڑتوڑ سوالوں کے نتیجے میں مہ جبیں کو بتانا پڑا کہ ثانیہ اور فائز کی منگنی ٹوٹ گئی تھی۔

”فائز اپنی کولیگ میں دلچسپی لینے لگا تھا۔ اس نے شادی سے انکار کر دیا اور اس انکار کا نتیجہ عارفہ کے ساتھ ساتھ ہمیں بھی بھگتنا پڑ رہا ہے۔ بھائی جان سخت خفا ہیں ہم لوگوں سے۔“ مہ جبیں نے بالآخر بتا ہی دیا۔

”ثانیہ کی منگنی ختم ہو گئی۔“ نزہت بھابھی نے اتنے مسرت بھرے استعجاب کا مظاہرہ کیا کہ مہ جبیں حیرت سے انہیں تکنے لگیں نزہت کو بھی اپنے بے موقع ردعمل کا احساس ہوا۔

”میرا مطلب ہے بہت افسوس ہوا جان کر۔“ انہوں نے رسمی سا افسوس کر تو ڈالا لیکن چہرے کے تاثرات الفاظ کے ساتھ میل نہ کھاتے تھے۔

”کہیں اور رشتے وشتے کا سلسلہ تو نہیں چلا اب تک؟“ وہ دریافت کر رہی تھیں۔ مہ جبیں نے مایوسی سے نفی میں گردن ہلا دی۔

”چلو یہ تو سب نصیبوں کے کھیل ہیں۔ میں جلد چکر لگاؤں گی۔ میمونہ بھابھی کے پاس۔ یاد سے میرا سلام کہہ دینا۔“ نزہت الوداعی کلمات ادا کر کے چلی گئیں۔

”میں تو اپنا سلام نہیں پہنچا سکتی آپ کا کیا پہنچاؤں گی۔“ ان کے جانے کے بعد مہ جبیں نے افسردگی سے سوچا اور پھر باقی ماندہ خریداری کرنے

آگے بڑھ گئیں۔

☆☆☆

''آپ کو پتا ہے ہانیہ آپی بڑے ماموں پاکستان آئیں گے تو میرے لیے ٹیب لائیں گے انہوں نے مجھ سے پرامس کیا ہے۔''

سدید انتہائی مسرت بھرے انداز میں ہانیہ کو اطلاع دی رہا تھا۔ آج اس کا روزہ نہیں تھا۔ نیچے کچھ من پسند نہ ملنے پر وہ پیٹ پوجا کے لیے چپکے سے اوپر آ گیا تھا۔ ہانیہ نے اسے نوڈلز بنا دیے تھے اور اب وہ ہانیہ کے پاس بیٹھا مزے سے نوڈلز کھا رہا تھا۔

''کب آئیں گے تمہارے بڑے ماموں۔'' ہانیہ اس کی باتیں سنتے ہوئے موبائل پر بھی نگاہیں دوڑا رہی تھی سرسری سے انداز میں پوچھا تھا۔

''جیا آپی کی شادی کے ٹائم ہی آئیں گے ناں، سدید نے اس کی معلومات میں اضافہ کیا۔

جیا مہ جبیں کے بڑے بھائی کی بیٹی تھی تقریباً ہانیہ کی ہی ہم عمر تھی دو چار سال بعد ان کا پاکستان کا چکر لگتا۔ ہانیہ سے بھی اس کی اچھی علیک سلیک تھی، اب بہت عرصے سے وہ پاکستان نہیں آئے تھے سدید کے منہ سے اس کی شادی کی خبر سن کر اسے خوش گوار سی حیرت ہوئی تھی۔

''اچھا تو کب ہو رہی ہے تمہاری جیا آپی کی شادی۔'' اس نے دلچسپی سے پوچھا۔

''حدید بھائی کے ساتھ ہوگی آپی۔'' نوڈلز سے انصاف کرتے ہوئے اس نے مگن سے انداز میں جواب دیا۔

سدید کا جواب اس کے حواسوں پر بم کی طرح گرا۔ اس نے بے یقینی سے سدید کو دیکھا جس کو اندازہ تک نہ تھا کہ اس کی یہ بات سن کر اس کی ہانیہ آپی کی دل کی دھڑکن رکنے لگی ہے۔

''تمہیں یہ بات کس نے بتائی۔ تمہاری امی نے ناں۔'' کسی موہوم امید کے تحت اس نے پوچھا۔

مہ جبیں ماں تھیں یہاں سے انکار سن کر بیٹے کو سدا کنوارہ تھوڑی رکھ سکتی تھیں پھر جب بھتیجی کی صورت ان کے پاس بہترین انتخاب تھی لیکن حدید اتنی آسانی سے ماں کی بات تسلیم کرنے والوں میں سے نہ تھا۔

سدید کی اگلی بات نے اس خوش فہمی کا بھی خاتمہ کر دیا۔

''نہیں آپی! یہ بات امی نے نہیں بتائی مجھے تو حدید بھائی نے بتایا تھا۔'' سدید نے جھٹ تردید کی تھی۔ وہ بے ساختہ لب کچلنے لگی۔

''آپ لوگ آج افطاری میں کیا بنائیں گے؟'' سدید نے اپنے مطلب کا موضوع چھیڑا۔ ہانیہ اس کا سوال سن کر بھی غیر حاضر دماغی سے اسے دیکھتی رہی۔

''آپ آج قیمے والے سموسے بنائیں گے۔'' وہ پوچھ رہا تھا۔

''بنائیں گے ناں ہانیہ آپی؟'' سدید نے اس کا گھٹنا ہلاتے ہوئے پوچھا۔ وہ اب بھی اسے خالی خالی نگاہوں سے تکے گئی۔

''بتائیں ناں ہانیہ آپی بنائیں گے یا نہیں؟'' اس نے آپی کی خاموشی پر زچ ہوتے ہوئے سوال دوہرایا۔

''ہاں بنائیں گے۔'' ہانیہ کو اب بھی علم نہ تھا کہ وہ کیا بنانے کا پوچھ رہا ہے مگر اثبات میں جواب دے ڈالا۔

''اوکے پھر ٹھیک ہے۔ میں افطاری سے پہلے اپنا حصہ آ کر لے جاؤں گا۔''

مطمئن انداز میں کہتا ہوا وہ نوڈلز کا خالی باؤل ایک طرف رکھتے ہوئے جانے کے لیے اٹھ کھڑا ہوا۔ سدید کے جانے کے بعد وہ دونوں ہاتھوں میں سر تھام کر بیٹھ گئی۔

میمونہ اور ثانیہ خریداری کے لیے بازار گئی ہوئی تھیں۔ ان کے سامنے تو وہ اپنے ان بہتے آنسوؤں کا جواز بھی پیش نہ کر سکتی تھی آنسو جو بے طرح امڈے ہی آ رہے تھے اور وہ اکیلے پن کا فائدہ اٹھاتے ہوئے مزید زار و قطار رونے لگی۔

بابا نے حدید سے اس کی نسبت ختم کر دی تھی اس نے باپ کے فیصلے کو بظاہر خوش دلی سے قبول کر لیا تھا لیکن دل کا حال تو رب ہی جانتا تھا۔ اس کی زندگی میں حدید کا مقام کوئی دوسرا لے ہی نہ سکتا تھا بالکل اس طرح جیسے حدید اس کی جگہ کسی اور کو نہ دے سکتا تھا۔

حدید نے بابا کے فیصلے کو تسلیم نہ کیا تھا۔ اس کا ہر انداز چیخ چیخ کر کہتا تھا کہ وہ اپنے اور ہانیہ کے رشتے کو لے کر کتنا پر یقین اور پر امید ہے۔ ہانیہ کی سرد مہری اور رکھائی کو تو وہ کسی خاطر میں نہ لاتا تھا۔

منہ سے ایک لفظ بولے بنا وہ اپنی جذبے لٹاتی نگاہوں سے ہی ہانیہ کو باور کروا دیتا تھا کہ وہ ہانیہ کو کسی قیمت پر خود سے الگ نہ ہونے دے گا۔

ہانیہ اپنے جان سے پیارے بابا کی حکم عدولی نہ کر سکتی تھی۔ بابا کی حکم عدولی کی بات نہ ہوتی تب بھی اسے ثانیہ کی منگنی ٹوٹنے کے بعد اپنا اور حدید کا تعلق عجیب سی شرمندگی میں مبتلا کرتا اس کی بہن بھی تو فائز کے نام پر برسوں بیٹھی تھی فائز کے حوالے سے اس نے اپنی پلکوں پر کتنے سنہرے سپنے سجا رکھے ہوں گے۔

فائز کی خود غرضی نے یہ سپنے یک لخت نوچ ڈالے۔ جب اس کی پیاری بہن کا دامن محبت کے حوالے سے خالی رہا تو وہ حدید کی سچی محبت میں مبتلا ہو کر مغرور نہ ہونا چاہتی تھی کم از کم جب تک ثانیہ کو اس کے حصے کی خوشیاں نہ ملتیں ہانیہ نے خود اپنے آپ پر خوشیوں کو حرام سمجھ لیا تھا۔

یہ عجیب و غریب منطق تھی لیکن وہ اپنے پیاروں کے لیے ایسی ہی حساس اور سر پھری تھی۔ اس کے وہم و گمان میں بھی نہ تھا کہ حدید اس کی تھوڑے سے عرصے کی سرد مہری سے تھک کر خود بھی راہ بدل لے گا۔ یقین کرنا مشکل تھا مگر سچ یہ ہی تھا وہ کیسے اسے کسی اور کا ہوتا دیکھ سکے گی۔ اس کا دل دھاڑیں مار کر رونے کا کر رہا تھا۔ میمونہ اور ثانیہ بازار سے لوٹیں تو اس کی نچڑی ہوئی رنگت دیکھ کر پریشان ہو گئیں۔ دو گھنٹے پہلے وہ اسے بھلا چنگا چھوڑ کر گئی تھیں ایسا کیا ہو گیا تھا کہ وہ رو، رو کر بے حال ہو چکی تھی۔

"میرا دل گھبرا رہا ہے امی۔" وہ ماں کے سینے سے چمٹ کر پھر سے رونے لگی تھی۔

"اوہ میرے خدا، کیا حالت ہو گئی ہے میری بچی کی۔ ہانیہ بچے پانی پی لو۔ طبیعت خرابی میں روزہ توڑنے کی گنجائش ہے۔"

وہ بیٹی کی حالت دیکھ کر ازحد پریشان ہو گئی تھیں۔

"اپنے بابا کو فون کر کے جلدی آنے کا کہو۔ ڈاکٹر کے ہاں چلیں گے۔" انہوں نے ثانیہ کو مخاطب کیا۔ وہ پہلے ہی انہیں کال ملا چکی تھی۔

"بابا فون اٹینڈ نہیں کر رہے۔"

ثانیہ خود روتی بلکتی ہانیہ کو دیکھ کر حواس باختہ ہو گئی تھی۔ میمونہ کی کوشش کے باوجود ہانیہ نے پانی کا گلاس لبوں سے نہ لگایا تھا۔

"ذرا سی سحری کرتی ہو۔ یہ حال تو ہونا تھا۔ میں اور تمہارے بابا سمجھا سمجھا کر تھک گئے کہ ڈھنگ سے کھایا پیا کرو مگر تم دونوں کے کان پر جوں نہیں رینگتی۔ بی پی ہی لو ہو رہا ہو گا۔ ثانیہ بیٹا دوبارہ کال ملاؤ بابا کو۔" میمونہ کا دل اس کی حالت دیکھ کر ڈوبا جا رہا تھا۔

"بابا فون نہیں اٹھا رہے امی۔ دوبار ملا چکی ہوں۔ مسجد جاتے ہوئے سائلنٹ موڈ پر لگایا ہو گا پھر ہٹانا بھول گئے ہوں گے حسب معمول۔" ثانیہ نے خود کلامی کے سے انداز میں بتایا۔

"نیچے دیکھو، تمہارے چاچو یا حدید میں سے کوئی ہو تو اسے بلا کر لاؤ۔" وہ ہانیہ کے ٹھنڈے یخ ہاتھ مسلتے ہوئے بولیں۔

"کسی کو مت بلائیے۔ میں ٹھیک ہوں۔" اس نے بختی سے منع کرنا چاہا۔

"بے وقوف مت بنو۔ حالت دیکھی ہے اپنی۔" ثانیہ اسے ڈپٹتے ہوئے تیزی سے نیچے بھاگی تھی۔ چند لمحوں بعد بوکھلائی ہوئی مہ جبیں بھی ثانیہ کے ساتھ اوپر موجود تھیں۔

"حدید کو فون کر کے گھر آنے کا کہا ہے۔ ابھی

دس منٹ میں پہنچ جائے گا بھابھی! آپ فکر نہ کریں۔ ڈاکٹر زاہد کلینک پر ہی ہوں گے۔ ان کے پاس لے چلتے ہیں۔" مہ جبیں نے میمونہ کو تسلی دی۔

ہانیہ کا پورا وجود پسینے میں نہایا ہوا تھا اور ہاتھ پاؤں ٹھنڈے برف ہو رہے تھے۔ وہ آنکھیں بند کیے ہولے ہولے لرز رہی تھی۔ مہ جبیں اس پر پڑھ کر پھونکنے لگیں۔

حدید کا آفس زیادہ دور نہ تھا۔ ماں کا فون سن کر وہ واقعی تیر کی سی تیزی سے گھر آیا تھا اور فوراً دھڑ دھڑ سیڑھیاں چڑھتا اوپر آ گیا۔

"بھاڑ میں گئیں ساری پابندیاں۔" ہانیہ کی حالت دیکھ کر اس کے ہاتھوں کے بھی طوطے اڑ گئے تھے۔ وہ اس وقت نیم بے ہوش سی ہو چکی تھی مہ جبیں اور ثانیہ بہت مشکل سے اسے سہارا دے کر نیچے لائی تھیں۔ ثانیہ کو سدید کے پاس گھر پر رکنا پڑا تھا۔

میمونہ اور مہ جبیں دونوں اسے سنبھالتے ہوئے گاڑی میں بیٹھیں اور حدید تیز رفتار ڈرائیونگ کرتے ہوئے اسے قریب ترین کلینک لے آیا۔ بلڈ پریشر خطرناک حد تک لو ہو چکا تھا۔ ڈاکٹر نے فوری ڈرپ لگا دی۔

"ذرا دیر پہلے ہی تو سدید اس کے پاس سے ہو کر آیا تھا۔ بتا رہا تھا ہانیہ آپی نے نوڈلز بنا کر دیے۔ ایک دم سے طبیعت کیسے بگڑی۔" مہ جبیں نے متفکر انداز میں پوچھا۔

"مجھے کیا خبر مہ جبیں! ہم تو خود اسے بھلا چنگا چھوڑ کر بازار گئے تھے۔" میمونہ نے تھکی تھکی سی سانس خارج کی "اچھا بھابھی آپ فکر نہ کریں۔ اللہ نے کرم کیا بروقت ڈاکٹر کے پہنچ گئے۔ اب حالت بہتر ہے۔" مہ جبیں نے انہیں تسلی دی۔

"تم لوگ نہ ہوتے تو کیا ہوتا۔" ان کی آنکھیں ڈبڈبا گئی تھیں۔

"ہم کیوں نہ ہوتے تائی امی۔ آپ تایا ابو کی باتوں کی ٹینشن مت لیا کریں اور نا ہی کبھی خود کو ہم سے دور سمجھیں تایا ابو کا غصہ بھی ان شاء اللہ جلد ختم ہو جائے گا۔" حدید نے ان کے ہاتھ تھامتے ہوئے تسلی دی۔ میمونہ نے نم آنکھوں کے ساتھ اثبات میں سر ہلا دیا۔

☆☆☆

"بتاؤں گی تمہارے بابا کو کہ اگر آج حدید نہ ہوتا تو کس مشکل صورت حال سے دوچار تھے ہم۔ خود تو فون تک اٹھانے کی زحمت نہ کی۔ ان کی بلا سے کوئی جیے یا مرے۔"

عصر کے بعد ان کی گھر واپسی ہوئی تھی۔ وہ واپسی کے سفر میں مستقل حدید کی نگاہیں خود پر مرکوز پا کر ذہنی اذیت میں مبتلا رہی تھی اب ماں کی بات سن کر اعصاب مزید کھنچ گئے۔

"پلیز امی! بابا سے ان لوگوں کا تذکرہ مت کیجیے گا۔"

"ارے واہ کیوں نہ کروں۔ انہیں احساس تو ہونا چاہیے اور کیا بتاؤں انہیں کہ کیسے لے کر گئے تھے ڈاکٹر کے پاس۔"

"کچھ بھی کہہ دیجیے رکشہ پر، ٹیکسی پر لیکن پلیز حدید کا نام مت لیجیے میں نہیں چاہتی، بابا کے دل میں پھر سے ان لوگوں کے لیے نرم گوشہ پیدا ہو۔"

ہانیہ کو اس وقت اس ہرجائی شخص کا تذکرہ بھی گوارا نہ تھا۔ کتنا بڑا ڈرامے باز تھا وہ۔ خود شادی رچانے کی تیاری کر بیٹھا تھا اور آج پریشان نظر آنے کا کیسا عمدہ ناٹک کر رہا تھا جب کوئی تعلق تھا ہی نہیں تو اسے ہانیہ کے جینے، مرنے سے کیا فرق پڑتا تھا ہانیہ کی آنکھیں پھر سے چھلکنے کو بے تاب ہوئیں۔

"اچھا تم ریلیکس رہو۔ ہم بابا سے چچی جان یا حدید کا کوئی ذکر نہیں کریں گے۔" ثانیہ بہن کے ردعمل پر حیران تو ہوئی تھی لیکن وہ اس وقت اس کے اعصاب پر مزید بوجھ نہ ڈالنا چاہتی تھی سو اسے تسلی دینا ہی مناسب جانا۔

میمونہ بھی اس کی حالت دیکھ کر مزید کچھ نہ کہہ پائیں۔

☆☆☆

معظم صاحب، فائز اور شازمہ خاموشی سے سحری میں مصروف تھے جب عارفہ آتی دکھائی دیں۔

"دیکھ لیں پاپا! اتنا منع کرنے کے باوجود امی پھر سے اٹھ گئی ہیں۔" فائز نے خفگی بھرے انداز میں باپ کو مخاطب کیا۔

"ابھی گھنٹہ بھر پہلے تو آپ کی آنکھ لگی ہے آپ کو نہیں اٹھنا چاہیے تھا بیگم۔" معظم صاحب نے بیوی کو نرمی سے مخاطب کیا۔

"میں ٹھیک ہوں اب کل بھی آپ لوگوں نے مجھے سحری کے ٹائم نہیں جگایا۔ آج کا روزہ نہیں چھوڑوں گی۔" وہ قطعیت بھرے انداز میں گویا ہوئیں۔

"امی آپ کو مستقل مائیگرین کا مسئلہ چل رہا ہے۔ درد بڑھ جاتا ہے تو وومیٹنگ شروع ہو جاتی ہے۔ روزے کی حالت میں دوا کیسے لے پائیں گی۔" فائز ماں کے لیے متفکر تھا۔

"اللہ خیر کرے گا نہیں ہوگا آج درد۔ سحری کے بعد دوا لے کر سو جاؤں گی۔" انہوں نے بیٹے کو تسلی دی پھر بریڈ کی طرف ہاتھ بڑھایا۔

"شازمہ! امی کے لیے روٹی ڈال دو۔" فائز نے بیوی کو مخاطب کیا وہ جی اچھا کہہ کر اٹھی تھی۔

"رہنے دو بیٹا! تم اپنی سحری کرو۔ ٹائم پہلے ہی بہت کم ہے۔ میں بریڈ ہی لوں گی۔" انہوں نے شازمہ کو منع کیا۔

وہ جی کہہ کر پھر سے بیٹھ گئی تھی وقت واقعی کم تھا لیکن اگر ان کی ثانیہ ہوتی تو اس کا جواب قدرے مختلف ہوتا تھا۔

"ایک روٹی پکانے میں دیر ہی کتنی لگے گی پھوپھو! آپ بیٹھیں، میں فٹافٹ روٹی ڈالتی ہوں۔"

ماضی کی ایک یاد ذہن کے پردے پر لہرائی تھی جب وہ بھائی جان کے ہاں افطاری کے بعد بچیوں کے اصرار پر رات وہیں رک گئی تھیں۔

شازمہ بری بہو نہ تھی بس وہ ثانیہ نہ تھی نہ چاہتے ہوئے بھی وہ لاشعوری طور پر شازمہ کا ثانیہ سے موازنہ کرتی رہتیں۔ اس کے نتیجے میں دل پر دھرا بوجھ مزید بڑھتا جاتا تھا۔

جو کچھ ہوا، اس میں شازمہ کا کوئی قصور نہ تھا۔ وہ اس بچی کو خود بیاہ کر لائی تھیں اور ان کا ضمیر اسے کسی ناکردہ جرم کی سزا دینے کی اجازت نہ دیتا تھا وہ اس کے لیے شفیق ساس بننے کی اپنی سی کوشش میں مصروف رہتی تھیں لیکن ان کا اپنا ذہنی اضطراب ہر گزرتے دن کے ساتھ بڑھتا جا رہا تھا۔ یونس بھائی ان کے لیے باپ سے بڑھ کر تھے۔ ابا مرحوم کی تو کوئی بھولی بسری یاد ہی دماغ میں موجود تھی یہ بھائی جان تھے جنہوں نے زندگی بھر باپ کی کمی محسوس نہ ہونے دی۔ وہ ان کی محبتوں اور شفقت کا شمار ہی نہ کر سکتی تھیں اور ان کی وجہ سے ان کا پیارا بھائی کس صدمے سے دوچار ہوا، یہ سوچ ہر گھڑی اذیت سے ہم کنار کرتی رہتی۔ اگر عارفہ کو بھائی جان کے گھر کا چکر لگائے دس دن سے زیادہ عرصہ ہو جاتا تو گیارھویں دن وہ خود اسے لینے پہنچے ہوتے۔

اور اب کتنی مدت سے انہوں نے بھائی کا چہرہ تک نہ دیکھا تھا۔ انس بھائی اور مہ جبیں بھابھی رابطے میں تھے اور عارفہ کو تسلی دلاسا بھی دیتے رہتے لیکن وہ بھائی جان کی ناراضی کا بوجھ اٹھاتے اٹھاتے تھک چکی تھیں۔ سر میں رہنے والا مستقل درد اسی ذہنی ٹینشن کا نتیجہ تھا۔ اب کافی عرصے سے راتوں کی نیند بھی روٹھ چکی تھی۔ معظم بیوی کو سمجھانے بجھانے کی اپنی سی کوشش کرتے رہتے لیکن عارفہ کے لیے اپنی سوچوں سے چھٹکارا پانا ممکن ہی نہ تھا۔ اب بھی وہ کسی سوچ میں ہی گم لگ رہی تھیں۔

معظم صاحب نے ان کے آگے رکھی پلیٹ اپنی جانب کھسکائی اور خاموشی سے اپنی روٹی ان کے سامنے کر دی۔

عارفہ شوہر کی اس ادا پر مسکرا دیں۔ یہ بے پناہ محبت کرنے والا شخص ان کے لیے اللہ کا انعام تو تھا ہی مگر ساتھ ساتھ بھائی جان کا انتخاب بھی تھا۔ اپنی لاڈلی کے لیے انہوں نے ایک ہیرا چنا تھا اور خود ان

کے ہیرے جیسی بیٹی کس ناقدری سے ٹھکرائی گئی۔

وہ پھر سے تکلیف دہ سوچ کے زیر اثر آئیں معظم بیوی کے چہرے کا اتار چڑھاؤ دیکھتے ہوئے ان کے ذہنی کرب کا اندازہ لگا سکتے تھے۔

اب عارفہ کے اعصاب مزید ٹینشن برداشت کرنے کے متحمل نہ تھے۔ انہیں اپنی بیوی کو اس ذہنی اذیت سے نجات دلانے کے لیے کچھ کرنا ہی تھا۔ انہوں نے دل ہی دل میں اپنے ارادے کو عملی جامہ پہنانے کی ٹھان لی۔

☆☆☆

ہانیہ کے منع کرنے کے باوجود میمونہ نے شوہر کو سب کچھ بتا دیا تھا۔

"آپ کو کسی اور سے پتا چلتا تو مجھ پر ہی بگڑتے لیکن اگر اس وقت مہ جبیں اور حدید کا ساتھ نہ ہوتا تو جانے کیا ہوتا آپ کی لاڈلی کے ساتھ اس کی حالت دیکھ کر میرے تو ہاتھ پاؤں پھول گئے تھے اور ہر بار کی طرح ضرورت کے وقت آپ کا موبائل بند تھا۔"

"ڈاکٹر نے کیا بتایا اب تو روزے گرمی کے بھی نہیں ہیں اور بچیاں تو بچپن سے ہی روزے رکھنے کی عادی ہیں۔ شدید گرمی میں روزہ رکھ کر کالج وانج بھی جاتی تھیں پہلے تو کبھی اس طرح بی پی لو نہیں ہوا۔" وہ بیوی کی باقی باتوں کو دانستہ نظر انداز کرتے ہوئے بیٹی کی طبیعت کے بارے میں ہی متفکر ہوئے۔

"میں کیا جانوں۔ ڈاکٹر تو کہہ رہا تھا۔ ذہن پر کوئی بوجھ ہے۔" میمونہ نے شوہر کو احساس دلانے کے لیے غلط بیانی سے کام لیا۔

ڈاکٹر زاہد ڈراموں والے ڈاکٹر تو تھے نہیں جو مریض کی شکل سے اس کے دل کا حال پا جاتے انہوں نے تو مرض کے مطابق فوری ٹریٹمنٹ دی تھی لیکن میمونہ تو ماں تھیں جانتی تھیں کہ بیٹی جذباتی اور نفسیاتی توڑ پھوڑ سے گزر رہی ہے۔ بھلے سے خود کو جتنا مرضی مضبوط ظاہر کرتی رہے لیکن باپ کے بے رحمانہ فیصلے نے اسے ذہنی طور پر خاصا ڈسٹرب کر دیا ہے اور وہ یونس احمد کو اسی چیز کا احساس دلانا چاہتی تھیں۔

"کل کسی اچھے سے اسپیشلسٹ سے ٹائم لیتا ہوں۔ تم بھی تو بچیوں کے کھانے پینے کا بالکل خیال نہیں رکھتیں۔ کل سے یہ ذمہ داری بھی میں اٹھاؤں گا۔" ہر بار کی طرح انہوں نے میمونہ کا قصور ڈھونڈ ہی لیا تھا۔ میمونہ بس خفگی سے انہیں دیکھ کر رہ گئیں۔

☆☆☆

"یہ جو تم دن میں چھ بار مجھے فون کر کے بیمار کا حال پوچھ رہے ہو۔ میں بیمار کو فون پکڑا دیتی ہوں خود تفصیلی حال احوال دریافت کیوں نہیں کر لیتے۔" ثانیہ مسکراتے ہوئے حدید سے مخاطب ہوئی۔

پاس لیٹی ہانیہ نے بہن کو گھور کر دیکھا۔ وہ جس شخص کو سوچنا بھی نہیں چاہ رہی تھی ثانیہ اس کی ہر کال ہنستے مسکراتے اٹینڈ کر رہی تھی۔

"ڈر لگتا ہے یار! بیمار بہت خوں خوار ہوا پڑا ہے۔" وہ بے چارگی بھرے لہجے میں بولا۔ ثانیہ ہنس پڑی تھی۔

"ویسے ثانیہ! مجھے تمہاری بہن واقعی سمجھ میں نہیں آ رہی۔ پہلے اس کی رکھائی، اجنبیت اور بے گانگی سراسر مصنوعی تھی۔ میں جانتا تھا کہ وہ تایا ابو کی وجہ سے یہ رویہ اپنانے پر مجبور ہے لیکن کل وہ مجھے جیسی قہر برسانی نگاہوں سے گھور رہی تھی میں واقعی حیران پریشان رہ گیا تھا۔ کہیں بیماری کا اثر خدانخواستہ اس کے دماغ پر تو نہیں ہو گیا۔"

وہ تشویش بھرے انداز میں پوچھ رہا تھا۔ فون کے اسپیکر سے نکلتی آواز قریب لیٹی ہانیہ کی سماعتوں تک باآسانی پہنچ رہی تھی۔

"میں پاگل ہوں اور دماغی مریض بھی اس سے کہو، میرے متعلق سوچنا اور بات کرنا چھوڑ دے۔ اب اس کے سوچنے کے لیے اور بہت کچھ ہے۔" وہ اونچی آواز میں تڑخ کر بولی۔

ثانیہ نے حیران ہو کر اسے دیکھا۔ حدید نے بھی اس کی آواز سن لی تھی۔

"کیا مسئلہ ہے ہانیہ! کون سی چیز تمہیں ڈسٹرب

کررہی ہے۔ مجھ سے بات تو کرو یار۔"

وہ برا مانے بغیر منت بھرے لہجے میں گویا ہوا تھا۔ ہانیہ نے فون جھٹ پٹ کر کال کاٹ دی۔

"اگر تم نے دوبارہ حدید سے بات کی یا اس کی کال اٹینڈ کی تو مجھ سے برا کوئی نہ ہوگا۔" غصے سے لال بھبوکا ہوتے چہرے کے ساتھ اس نے ثانیہ کو وارننگ دی۔

"او کے، او کے ریلیکس میں نہیں کروں گی بات۔" ثانیہ اس کے اس انتہائی ردعمل پر حیران پریشان تھی۔ ہانیہ نے تھک ہار کر آنکھیں موند لیں۔

اس وقت تو ثانیہ نے اسے کریدنا مناسب نہ جانا لیکن رات کو نماز تراویح سے فارغ ہو کر دونوں بہنیں سونے لیٹیں تو ثانیہ نے بہت نرمی اور محبت سے چھوٹی بہن کو مخاطب کیا۔

"تمہیں حدید کی کون سی بات بری لگی ہے مجھے بھی نہیں بتاؤ گی؟" وہ یہ سوال سن کر پھر سے چڑ گئی۔

"جب میرا اس سے کوئی تعلق ہی نہیں ہے ثانیہ تو تم بار بار اس کا ذکر کیوں چھیڑ رہی ہو۔" وہ بیزاری سے بولی تھی۔ ثانیہ اس کا جواب سن کر خاموش ہو گئی۔

"آئی ایم سوری ثانیہ میں کچھ چڑچڑی ہو رہی ہوں۔" اس نے پشیمان ہو کر معذرت کی۔

"اٹس او کے۔" ثانیہ ملائمت بھرے انداز میں مسکرائی۔

"تم بہت اچھی ہو ثانیہ اور بہت بہادر بھی۔ میں چاہوں بھی تو تم جیسی نہیں بن سکتی۔" ہانیہ نے محبت سے بہن کے ہاتھ تھامے۔ وہ مسکرا دی۔

"سچ بتاؤ جب تمہیں فائز بھائی نے چھوڑا تو تم نے یہ صدمہ کیسے برداشت کیا؟" ہانیہ نے بے بس انداز میں بہن سے استفسار کیا۔ ثانیہ نے لمبی ٹھنڈی سانس اندر کھینچی۔

"میں جھوٹ نہیں بولوں گی ہانیہ۔ یہ میری زندگی کا مشکل ترین وقت تھا۔ میں فائز کے اس اقدام پر بہت زیادہ ہرٹ ہوئی تھی لیکن پھر میں نے ماضی میں جھانک کر دیکھا۔ فائز کے حوالے سے میرے پاس کوئی خوب صورت یاد موجود نہ تھی۔ محبت بھرا کوئی فقرہ تو دور کی بات اپنائیت بھری ایک نگاہ تک میری یادداشت میں محفوظ نہ تھی پھر میں اس شخص کے لیے کیوں روتی تڑپتی۔ میں نے اپنی عزت نفس کو مقدم جانا۔ جب فائز نے مجھے اپنی زندگی میں شامل کرنے سے انکار کر دیا تو میں نے بھی اپنی زندگی سے فائز نامی صفحہ پھاڑ دیا۔

کام مشکل تھا لیکن میں نے اللہ سے استقامت اور سکون قلب مانگا اور الحمد للہ اس رب کائنات نے حیرت انگیز طور پر میرے دل کو سکون سے بھر دیا۔ میں اب بھی اسی کے آگے دامن پھیلا کر اپنا بہترین نصیب مانگتی ہوں۔ رب سے مانگنے میں کیا شرمانا اور مجھے اپنے رب کی ذات سے پوری امید ہے وہ مجھے فائز کا بہترین نعم البدل عطا کرے گا ان شاءاللہ۔"

ثانیہ نے نہایت سچائی سے دل کا حال کہہ سنایا تھا۔ ہانیہ نے رشک بھری نگاہ بہن پر ڈالی۔

کیا حدید کو کھو دینے کے بعد ایسا سکون اسے بھی میسر آ سکے گا۔ اس نے حسرت سے سوچا۔ اس کا دامن تو خوب صورت یادوں سے بھرا پڑا تھا وہ کیسے یہ سب اپنے ذہن سے کھرچ کر مٹائے گی۔

وہ بے بس ہو کر آنکھیں موند گئی تھی۔ جانتی تھی کہ ثانیہ اب اس سے اس کے اضطراب کی وجہ دریافت کرنا چاہے گی لیکن وہ اس بارے میں خود سے بات کرنا نہیں چاہتی تھی ثانیہ کو کیسے کچھ بتا پاتی۔ "سو نیند آرہی ہے ثانیہ" کہہ کر کروٹ بدل گئی تھی۔

☆☆☆

اپنے دفتر میں معظم کو آتا دیکھ کر یونس احمد حیران ہوئے تھے۔

"اگر آپ مجھے دھکے مار کر بھی نکالنا چاہیں گے یونس بھائی تب بھی میں آپ سے بات کیے بنا ٹلنے والا نہیں۔"

معظم کے کہنے پر وہ خفیف ہوئے۔ بہنوئی ان کے متعلق کیا گمان کیے ہوئے تھے۔

''کیسی باتیں کرتے ہو معظم! عارفہ کے حوالے سے تم میرے لیے قابل احترام بھی ہو اور مجھے بہت عزیز بھی۔'' وہ ان سے معانقہ کرتے ہوئے دھیمے لہجے میں گویا ہوئے۔ ان کا یہ رویہ معظم کے لیے خوشگوار حیرت کا باعث تھا۔

''میں نے بہت بار آپ کے پاس معافی مانگنے کے لیے آنے کا سوچا لیکن ہر بار عارفہ نے روک دیا۔ وہ نہیں چاہتی تھی کہ ہمارے رشتے کا بھرم ٹوٹے لیکن یونس بھائی سچ یہ ہی ہے کہ اپنے بیٹے کے کارنامے پر میں آپ سے ہاتھ جوڑ کر معافی مانگنے کا طلب گار ہوں۔ اگر آپ بڑے پن کا مظاہرہ کرتے ہوئے ہمارا قصور معاف کرسکیں تو ہم آپ کے مزید احسان مند ہو جائیں گے۔''

''بیتی باتیں مت دوہراؤ معظم۔ اس سے کچھ حاصل نہیں اور تمہارا یا عارفہ کا اس معاملے میں کوئی قصور بھی نہیں دیر سے ہی سہی لیکن یہ بات میری سمجھ میں آ گئی ہے۔''

یونس احمد نے بھی یہ اعتراف کر کے اپنے کندھوں پر دھرا بھاری بوجھ سرکایا۔ معظم اعلاظرفی کے اس مظاہرے پر مزید شرمسار ہو کر معافی مانگنے لگے تھے۔

''اگرچہ ہم معافی کے قابل نہیں لیکن آپ دل سے ہمیں معاف کر دیجیے۔ فائز کی حرکت نے ہمیں آپ سے آنکھیں ملانے کے قابل نہیں چھوڑا لیکن خدا گواہ ہے کہ ہم نے فائز کی ضد کے آگے گھٹنے ٹیکے تو اس کی ایک وجہ یہ بھی تھی کہ ہم جانتے بوجھتے اپنی بچی کو آزمائش سے دوچار بھی نہیں کرنا چاہتے تھے۔ فائز ثانیہ کو بھی خوش نہ رکھ پاتا تب ہم آپ کے ساتھ رب کے بھی گنہگار ٹھہرتے۔ آپ کو لاعلم رکھنے کی بددیانتی ہم سے نہیں ہو پائی۔''

معظم شرمندگی سے چور لہجے میں وضاحت دے رہے تھے۔

''کہا ہے ناں معظم! پچھلی باتوں کو مت دوہراؤ۔ جو ہوا اسی میں رب کی کوئی بہتری ہوگی۔''

انہوں نے بہنوئی کو اس موضوع پر مزید بات کرنے سے روک دیا تھا۔

''عارفہ کیسی ہے۔ میری ایک ڈانٹ بھی نہ سہہ پائی۔ ساری عمر اس کے کتنے لاڈ اٹھائے ہیں تو کیا ایک بار ڈانٹنے کا بھی حق نہیں رکھتا تھا۔ وہ تو اس دن کے بعد دوبارہ شکل دکھانے کی روادار نہ ہوئی۔ اگر ملنے آ جاتی تو میں نے کتنی دیر ناراض رہ لینا تھا۔'' وہ اس بار قدرے ناراضی بھرے لہجے میں گویا ہوئے۔

''آپ کی بہن بہت چھوٹے دل کی ہے یونس بھائی! آپ کی ناراضی کا بار سہہ نہیں پائی۔ آپ اسے دیکھیں گے تو حیران رہ جائیں گے ہڈیوں کا ڈھانچہ بن گئی ہے۔ سر درد اور بے خوابی دونوں مرض ایسے جان کو چمٹے ہیں کہ بالکل نچڑ کر رہ گئی ہے۔ اس کی حالت کی وجہ سے ہی آج میں دل کڑا کر کے آپ سے ملنے چلا آیا۔''

معظم کے بتانے پر یونس احمد دل ہی دل میں تڑپ کر رہ گئے۔ اماں ابا بلاوجہ خوابوں میں نظر نہیں آ رہے تھے۔ ان کی لاڈلی ذہنی اذیت میں مبتلا تھی اور وہ ابھی تک اپنی انا کا پرچم ہی تھامے کھڑے تھے۔

''میں آؤں گا اس سے ملنے۔ ان شاءاللہ بھلی چنگی ہو جائے گی۔'' انہوں نے معظم کے ساتھ گویا خود کو بھی تسلی دی۔

''ضرور آئیے گا بلکہ عارفہ نے اب تک عید کا جوڑا نہیں بنوایا ہے آپ کی بہن شاپنگ کی کس قدر شوقین ہے۔ سارا سال میری جیب ڈھیلی کرواتی ہے لیکن عید کا جوڑا ہمیشہ آپ کا دلایا ہوا ہی پہنتی ہے۔''

معظم نے بے تکلفی بھرے انداز میں یاد دلایا تھا۔ یونس احمد نے مسکرا کر اثبات میں سر ہلا دیا۔

☆☆☆

مسجد میں عصر کی نماز ادا کر کے وہ جوتے تلاش کرنے لگے تو انس احمد نے جھک کر ان کے جوتے سیدھے کیے۔

یونس احمد نے محبت بھری نگاہ اپنے چھوٹے بھائی پر ڈالی۔ آج کے دور میں ایسا سعادت مند بھائی

کس کو ملتا ہے۔ کس خندہ پیشانی سے ان کی جھڑکیاں سننے کے باوجود وہ فرماں بردار بھائی ہی بنے رہے تھے۔

"آج کام سے جلدی آ گئے ہو۔"

انہوں نے معمول کے سے انداز میں دریافت کیا تھا انس احمد نے جھٹکے سے سر اٹھا کر بڑے بھائی کو دیکھا۔ معمول کا یہ سوال ان کی سماعتوں کے لیے کتنا غیر معمولی ثابت ہوا تھا۔ ان کی آنکھیں بھر آئیں لگتا تھا دعائیں قبولیت کا درجہ پا گئی تھیں۔

"جی بھائی جان آج کام جلدی نمٹ گیا تھا پھر مہ جبیں نے کچھ سودا سلف بھی منگوایا تھا بس جلدی آ گیا۔" انس احمد نے مودب انداز میں جواب دیا۔

"کیا بنا رہی ہے مہ جبیں آج؟" انہوں نے پوچھا۔

"کیا پتا بھائی جان ایک ہی چٹورا ہے گھر میں روزہ نہ رکھتے ہوئے بھی سب اس کی فرمائش پر بنتا ہے۔" وہ سدید کا حوالہ دے رہے تھے۔

"بچہ ہے ابھی روزے رکھنے کی عمر آئے گی تو روزے بھی رکھ لے گا۔" وہ مسکرائے تھے۔ دونوں بھائی اسی طرح روٹین کی باتیں کرتے کرتے گھر پہنچے تھے۔ انس احمد اپنی بے پایاں خوشی دل میں چھپائے فرمابردار بنے ساتھ ساتھ چل رہے تھے۔

"مہ جبیں سے کہو جو بھی بنا رہی ہے مقدار بڑھا دے۔ ہم آج نیچے افطاری کریں گے۔"

انہوں نے انس احمد کو اطلاع دینے والے انداز میں بتایا تھا۔ گھر کی دہلیز کے اندر قدم رکھتے ہی انس بڑے بھائی سے لپٹ گئے تھے۔

"عید آنے میں ابھی کچھ دن باقی ہیں یار۔" وہ ان کی پشت تھپکتے ہوئے مسکرا دیے۔

"میری عید تو آج ہو گئی بھائی جان۔" انس چہکے تھے پھر مہ جبیں کو آوازیں دینے لگے۔ یونس احمد مسکراتے ہوئے سیڑھیاں چڑھ گئے۔

☆☆☆

افطاری میں تھوڑا وقت ہی باقی تھا لیکن خوشی کے مارے مہ جبیں سے ہر سیدھا کام بھی الٹا ہو رہا تھا۔

"لوگوں کے پریشانی میں ہاتھ پاؤں پھولتے ہیں چچی جان آپ کے ساتھ الٹ معاملہ ہو رہا ہے۔"

ثانیہ کو ان کی بوکھلاہٹ دیکھ کر ہنسی آ رہی تھی۔

انس احمد کے لبوں سے نیچے افطاری کرنے کا مژدہ سن کر وہ ہی سب سے پہلے لپک کر نیچے آئی تھی اور اب جلدی جلدی چچی کا ہاتھ بٹا رہی تھی۔

حدید بہت کچھ بازار سے بنا بنایا لے آیا تھا۔ سدید دسترخوان سجانے میں بھائی کی مدد کر رہا تھا۔ میمونہ آنکھوں کی نمی پونچھتے ہوئے بار بار اللہ کا شکر ادا کر رہی تھیں سب کے چہروں سے خوشی پھوٹی پڑ رہی تھی۔ صرف ہانیہ تھی جو دسترخوان کے ایک سرے پر سر جھکائے خاموشی سے بیٹھی تھی۔

"بہت کام چور ہو گئی ہو ہانیہ! طبیعت خرابی کے بہانے کی آڑ میں کب تک ہاتھ پر ہاتھ دھرے بیٹھو گی۔ کم از کم برتن رکھوانے میں ہی ہیلپ کروا دو یار!"

حدید نے اس کے قریب آتے ہوئے مخاطب کیا۔ ہانیہ نے بے تاثر نگاہوں سے اسے دیکھا پھر خاموشی سے اٹھ گئی تھی۔

"کیا ہو گیا ہے اس لڑکی کو۔" حدید اس کے چہرے پر خوشی کی کوئی رمق نہ پا کر چکرا گیا تھا۔

افطاری کے بعد یونس احمد نے عارفہ کی طرف جانے کا اعلان کیا تھا۔

"عارفہ کی عیدی وغیرہ کی کچھ تیاری کی ہے تم نے؟"

انہوں نے مہ جبیں سے پوچھا تھا۔ ہر بار یہ ذمہ داری میمونہ نبھاتی تھیں اس بار یقیناً ان سے ڈر کر میمونہ نے عارفہ کے لیے کچھ نہ خریدا تھا لیکن مہ جبیں اور انس بہن کو عیدی دینا یاد رکھے ہوئے تھے۔ مہ جبیں نے جھٹ اپنی تیاری سے آگاہ کر دیا۔

"جوتے کا سائز کچھ بڑا لگ رہا ہے۔ عارفہ کو اس سے ایک نمبر چھوٹا آتا ہے۔" میمونہ نے چیزیں دیکھ کر رائے دی۔

"ہائے اللہ بھابی جان۔ آپ ساتھ ہوتیں تو بتاتی ناں میں نے تو سب کچھ اپنی سمجھ کے مطابق خریدا۔ آپ کے بغیر مجھ سے کوئی کام ڈھنگ سے نہیں ہو پاتا۔" مہ جبیں نے دکھڑا رو دیا تھا۔

"چلو جو کمی بیشی ہے بعد میں پوری ہو جائے گی۔ اب جلدی چلنے کی کرو۔" یونس احمد نے بیگم اور بھاوج کو مخاطب کیا۔ انس نے فٹافٹ گاڑی نکالی تھی۔

عارفہ دونوں بھائیوں اور بھاوجوں کو اپنے سامنے دیکھ کر گنگ رہ گئی تھیں۔ پھر انہوں نے یونس احمد کے سینے میں منہ چھپا کر رونا شروع کیا تو انہیں چپ کروانا محال ہو گیا۔ یونس احمد خود بہن کے سر پر بوسہ دیتے ہوئے آب دیدہ ہو رہے تھے۔

"رونا بس کر دو عارفہ! تمہیں پھر سر میں درد ہو جائے۔" معظم نے نرمی سے بیوی کو سمجھایا۔

"اب نہیں ہو گا۔" انہوں نے بھرائی ہوئی آواز میں فوری یقین دہانی کروائی۔ سب مسکرا دیے تھے۔

شرمندہ شرمندہ سا فائز بھی ماموں ممانیوں سے ملنے آیا تھا رسمی سی سلام دعا کر کے وہ ایک طرف بیٹھ گیا۔ کسی نے اسے دوبارہ مخاطب نہ کیا ہاں جب شازمہ خاطر مدارت کا سامان لینے آئی تو یونس احمد نے میمونہ کو مخاطب کیا۔

"بہو کو سلامی دیں بیگم۔" میمونہ نے حکم کی تعمیل کی۔

شازمہ جوان مہمانوں کی آمد پر قدرے گھبرا گئی تھی ذرا پرسکون ہوئی۔ وہ ماموں کی صاحبزادی کو بھی دیکھنے کی متمنی تھی لیکن دونوں بھائیوں کی اولادوں میں سے کوئی ہمراہ نہ تھا۔

"رب نے مجھ گناہ گار کی دعائیں سن لیں۔ میں اپنی خوشی الفاظ میں بیان نہیں کر سکتی بھابی بیگم!" عارفہ میمونہ کے ہاتھ تھامتے ہوئے اپنی دلی کیفیت کا اظہار کر رہی تھیں۔

"مجھے تو خود سب کچھ خواب کی مانند لگ رہا ہے عارفہ۔ تمہارے جلیبی جیسے بھائی کو سمجھنا میرے بس کی تو بات نہیں۔ ہم تو خود اس سرپرائز سے اب تک سنبھل نہیں پائے۔"

میمونہ نے شگفتہ انداز میں کہا۔ جلیبی جیسے بھائی جان نے تو بیگم کو گھورا مگر باقی سب مسکرا دیے تھے۔

☆☆☆

رمضان کا آخری عشرہ شروع تھا۔ گھر کی رونق بحال تھی سب حسب سابق عید کی تیاریوں میں مگن تھے سوائے ثانیہ کے جو پڑھائی کی آڑ میں تقریباً گوشہ نشین ہو چکی تھی۔ عید کے فوراً بعد اس کا فائنل سمسٹر تھا اور یہ سب سے الگ تھلگ رہنے کا بہت معقول بہانا تھا۔

پھر ایک دن اچانک نزہت کی آمد ہوئی تھی۔ نیچے مہ جبیں سے علیک سلیک کر کے مہ جبیں کو اپنے ساتھ لیے اوپر چلی آئیں۔ میمونہ انہیں دیکھ کر خوش گوار حیرت میں مبتلا ہوئیں، آس پڑوس کے جن گھروں میں ان کے قریبی تعلقات تھے نزہت کا گھرانہ ان میں سرفہرست تھا، اب تو خیر انہیں یہاں سے گئے ایک مدت ہو گئی تھی وہ بہت گرم جوشی سے نزہت سے گلے ملیں۔

ثانیہ ہانیہ بھی جھٹ نزہت آنٹی سے ملنے پاس آئیں۔ ہنس مکھ سی نزہت آنٹی ان کی فیورٹ آنٹی تھیں۔ نزہت بچیوں سے بہت محبت سے ملیں۔ خاص طور پر ثانیہ کو خاصی دیر تک خود سے چمٹائے رکھا۔

اس خصوصی التفات کی وجہ کچھ دیر بعد کھل کر سامنے آئی۔ بچیوں کے وہاں سے ہٹتے ہی وہ میمونہ سے مخاطب ہوئیں۔

"میمونہ بھابھی بہت آس لے کر آپ کے پاس آئی ہوں مجھے مایوس مت لوٹائیے گا۔" انہوں نے بہت لجاجت بھرے انداز میں میمونہ کو مخاطب کیا۔ میمونہ نے ناسمجھی سے انہیں دیکھا۔

"میں اپنے سعد کے لیے ثانیہ کو مانگنے آئی ہوں۔ جب مہ جبیں سے پتا چلا کہ عارفہ کے بیٹے سے ثانیہ کا رشتہ ختم ہو گیا ہے میں نے سوچ لیا تھا کہ

عید کے فوراً بعد آپ لوگوں کی طرف آؤں گی لیکن روز دل میں خدشہ ستاتا کہ کہیں اتنی سی دیر سے کوئی اور رشتہ نہ آجائے میں نے سوچا روزہ ہے تو کیا ہوا۔ آج آنے کی ہمت کر ہی لیتی ہوں۔ اگر آپ لوگ میری درخواست قبول کر لیتے ہیں تو یقین مانیں میری عید تو آج ہی ہو جائے گی۔"

نزہت کے لبوں سے یہ بات سن کر میمونہ پر شادی مرگ طاری ہو گئی۔ سعد ان کی آنکھوں کے سامنے پلا بڑھا تھا۔ شریف النفس والدین کا سلجھا ہوا بچہ۔ پڑھا لکھا اور ایک سرکاری محکمے میں بہت اچھی پوسٹ پر فائز۔

رب نے ان کی ثانیہ کے لیے کیا بہترین نعم البدل عطا کیا تھا۔ رب کی اس کرم نوازی پر ان کی پلکیں بھیگ گئیں لیکن اسی لمحے ایک اور سوچ ذہن میں کلبلائی تھی۔ پتا نہیں اس رشتے میں سعد کی مرضی شامل تھی یا نزہت خود سے ہی رشتہ مانگنے چلی آئیں۔ سابقہ تجربے نے انہیں وہمی بنا دیا تھا اور انہوں نے دل کا خدشہ زبان پر لانے میں کوئی عار نہ سمجھا۔

"بات یہ ہے نزہت بھابھی کہ میری ثانیہ بالکل سیدھی، سادی گھریلو سی بچی ہے۔ ایسی لڑکیاں ماؤں کو تو فوراً پسند آجاتی ہیں لیکن آج کل کے لڑکوں کی پسند، ناپسند کا کچھ بھروسا نہیں ہوتا۔ آپ پہلے سعد سے اس کی رضا مندی پوچھ لیجیے۔"

میمونہ کی بات سن کر نزہت مسکرا دی تھیں۔

"میں آپ کا خدشہ سمجھ سکتی ہوں میمونہ بھابھی اور اگر آپ یہ بات نہ کرتیں تو شاید میں آپ کو بتانا بھی غیر ضروری سمجھتی میں نے اگر آج ثانیہ کے لیے دست سوال پھیلایا ہے تو یہ میرے ساتھ میرے بیٹے کے دل کی خواہش بھی ہے۔" نزہت نے مسکراتے ہوئے آگاہ کیا۔

"بہت پہلے جب گھر میں سعد کی شادی کا ذکر چھڑا تو میں نے صاحبزادے سے اس کی مرضی پوچھی۔ کہنے لگا ایک بار یونس انکل وغیرہ سے بات کر کے دیکھ لیں اگر وہ ثانیہ کے لیے مان جائیں۔ مجھے تب اپنے بے چارے بیٹے پر بہت ترس آیا۔ اس غریب کو تو علم ہی نہ تھا کہ ثانیہ کسی اور سے منسوب ہے۔ میرے بتانے پر اس کے چہرے کی جوت بجھ گئی۔ پھر میں نے بہتیری کوشش کی کہ کوئی ایسی لڑکی ڈھونڈوں جو مزاج اور عادتوں میں اپنی ثانیہ جیسی ہو۔ سچ کہوں میمونہ بھابھی مجھے اپنے آس پاس ایک بھی لڑکی ایسی نہ نظر آئی پھر اس دن مہ جبیں سے بازار میں ٹاکرا ہوا تب پتا چلا کہ ثانیہ کی نسبت ختم ہو گئی ہے۔ کہنا تو نہیں چاہیے لیکن یہ خبر سن کر مجھے بے پناہ خوشی ہوئی میں آج اسی لیے تو دوڑی دوڑی آپ کے پاس چلی آئی کہ کہیں اتنی پیاری بچی پھر کسی اور سے منسوب نہ ہو جائے۔" نزہت مسکراتے ہوئے مخاطب تھیں۔

"ہم دونوں گھرانے ایک دوسرے کے لیے کھلی کتاب کی مانند ہیں نزہت بھابھی۔ آپ نے ثانیہ کو سعد کے لیے منتخب کیا تو یہ یقیناً ہماری خوش بختی ہے۔ میں غلط بیانی کیوں کروں۔ آپ کا مدعا جان کر میرے دل نے اس رشتے پر فوری رضا مندی دے دی ہے باقی میں ثانیہ کے بابا سے مشورہ کر کے آپ کو آگاہ کر دوں گی۔" میمونہ نے متانت بھرے انداز میں جواب دیا۔

"آپ لوگ کل ہمارے ساتھ افطاری کر لیجیے۔ یونس بھائی اور حاجی صاحب کی ملاقات ہو جائے گی۔ سعد سے بھی دوبارہ مل لیجیے گا اور اگر یونس بھائی کا جواب ہاں میں ہو گا تو میں بتائے دے رہی ہوں شادی ہم جھٹ پٹ کریں گے۔" نزہت کی خوشی چھپائے نہ چھپ رہی تھی۔

"اگر روزہ نہ ہوتا تو میں ابھی آپ کا منہ میٹھا کرواتی نزہت بھابھی۔ میری عقل سمجھ کے مطابق تو رشتہ پکا ہی سمجھیے۔" مہ جبیں مسرت بھرے انداز میں گویا ہوئیں۔

"تمہارے منہ میں گھی شکر۔ کل افطاری پر تم نے اور انس بھائی نے بھی آنا ہے بلکہ آپ سب لوگ بچوں سمیت آیئے۔ رشتہ ہونا نہ ہونا مقدر کی بات

ہمارا آپ کا ساتھ تو برسوں پرانا ہے۔"

"ہم آئیں گے ضرور آئیں گے اور کل آپ کے ہاں آکر ہی منہ میٹھا کریں گے۔" مہ جبیں ہنستے ہوئے گویا ہوئیں۔

ادھر کمرے میں ہانیہ بہن سے لپٹ گئی تھی۔

"کتنے اچھے ہیں سعد بھائی۔ اللہ کرے بابا فوراً ہاں کردیں۔" لاؤنج میں ہونے والی خواتین کی گفتگو اس نے حرف بہ حرف سنی تھی اور پھر خوشی سے بھاگتی اندر ثانیہ کے پاس پہنچی تھی۔

ثانیہ بے یقین تھی۔ سعد اس کے لیے ہرگز اجنبی نہ تھا۔ وہ ایک ہی گلی میں اکٹھے کھیل کود کر بڑے ہوئے تھے۔ وہ اس کا اسکول فیلو بھی تھا۔ بچپن کی بے تکلفی بڑے ہونے کے بعد قصہ پارینہ بن گئی تھی لیکن جب تک وہ ان کے پڑوس میں بستا تھا۔ آتے جاتے آمنا سامنا بھی ہو جاتا تھا۔ وہ خوبرو اور ڈیسنٹ سا لڑکا اس کے ساتھ کا طلب گار تھا اور کبھی اسے احساس تک نہ ہوا ثانیہ کی حیرانی فطری تھی۔

"آنٹی نے کل سب کو افطاری پر بلایا ہے۔ امی تمہیں تو کبھی ساتھ نہیں لے کر جائیں گی لیکن میں ضرور ساتھ جاؤں گی۔ امی نے منع کیا تب بھی اتنے دنوں سے سعد بھائی کو دیکھا تک نہیں پہلے تو بہت ڈیشنگ تھے۔ اللہ جانے اب کیسے ہو رہے ہوں گے دیکھنا تو بنتا ہے ناں۔" ہانیہ پرجوش ہو کر پلان بنا رہی تھی۔

"اتنی ایکسائیٹڈ مت ہو ہانیہ! ابھی یہ صرف ایک پروپوزل ہے۔" ثانیہ نے متانت بھرے انداز میں بہن کو سمجھانا چاہا۔

"میرے دل نے گواہی دے دی ہے وہ ہی میرے جیجا جی ہوں گے۔" وہ یقین بھرے انداز میں بولی۔ ثانیہ اس کے بچپنے پر سر جھٹک کر رہ گئی۔

☆☆☆

ہانیہ کے دل کی گواہی سچی تھی۔ ثانیہ کا نصیب سعد سے جڑنا تھا سو جڑ کر رہا۔ آج سعد کی فیملی کو جوابی افطاری پر مدعو کیا گیا تو وہ صرف افطاری کرنے ہی نہ آئے تھے بلکہ وہ اپنی ہونے والی بہو کے لیے عیدی بھی لائے تھے۔ ثانیہ کے چہرے پر بکھرا گلال اسے عجیب سا نکھار بخش رہا تھا۔

آج عارفہ اور معظم بھی مدعو تھے عارفہ نے بھتیجی کو خود سے لپٹا کر اس کے ماتھے پر بوسہ دیا۔

"سدا خوش رہو میری جان!" انہوں نے اسے دل سے دعا دی مگر پلکیں بھیگ سی گئیں۔ ثانیہ نے پھوپھو کی ہتھیلی کی پشت پر بوسہ دیا۔ وہ اپنی پیاری پھوپھو کے دل کی حالت سے بے خبر نہ تھی مگر یہ قسمت کے کھیل تھے۔ وہ رب کی رضا پر راضی رہی تو رب نے بھی اس کا دامن خوشیوں سے بھر دیا۔

وقت رخصت جب دونوں خاندانوں میں الوداعی کلمات کا تبادلہ ہو رہا تھا تب نزہت کو دوبارہ بہو کی یاد ستائی۔

"بھئی ہماری بیٹی کو تو بلا دو۔ کیا وہ اللہ حافظ کہنے نہیں آئے گی۔" ان کے کہنے پر ہانیہ مسکراتے ہوئے ثانیہ کو بلانے چلی گئی۔ دل ہی دل میں وہ نزہت آنٹی کی چالاکی کی قائل ہو گئی۔ وہ آج اپنے برخوردار کو ساتھ لائی تھیں تو ثانیہ کی ایک جھلک بھی دکھائے بغیر واپس تھوڑی جا سکتی تھیں۔

سعد جو ثانیہ سے سامنا نہ ہونے پر مایوس سا کھڑا تھا ماں کی بات سن کر اس کا چہرہ کھل اٹھا اور جس وقت شرمائی بوکھلائی اور گھبرائی سی ثانیہ ہانیہ کے ہمراہ سسرالیوں کو اللہ حافظ کہنے پہنچی تو پہلی نگاہ ہی سامنے کھڑے سعد پر پڑی وہ تو پہلے ہی وارفتگی سے اسے تک رہا تھا۔ نگاہوں کے تبادلے پر جہاں ثانیہ بری طرح ٹپٹائی سعد سر جھکا کر مسکراہٹ چھپانے لگا۔ وہ ثانیہ کو چھیڑ رہی تھی۔

"میری فکر چھوڑ کر اپنی خیر مناؤ۔ چچی جان بھی صرف تمہارے امتحان ختم ہونے کی منتظر ہیں پھر وہ بھی دھوم دھام سے تمہیں مسز حدید بنا کر اپنے پورشن میں لے جائیں گی۔" ثانیہ نے جوابی وار کیا۔

"پلیز ثانیہ! میں اس وقت صرف تمہارے لیے دل سے خوش ہونا چاہتی ہوں۔ میرا موڈ خراب مت

کرو۔" وہ بگڑے ہوئے انداز میں بولی۔

"تمہارے ساتھ کیا مسئلہ ہے ہانیہ! حدید بے چارے کو الگ پریشان کیا ہوا ہے۔ اب جب سب ٹھیک ہو گیا ہے تو تمہارے چہرے کے بگڑے زاویے میری سمجھ سے بالاتر ہیں کھل کر بتاؤ تمہیں حدید سے کیا شکایت ہے۔" ثانیہ نے سنجیدگی سے پوچھا۔

"سننا ہی چاہتی ہو تو سنو۔ تمہارے حدید صاحب زبانی کلامی مجھ سے محبت کا جتنا مرضی راگ الاپیں مگر حقیقت یہ ہے کہ وہ مجھ سے مایوس ہو کر جیا سے شادی پر راضی ہو گیا تھا نہ صرف راضی بلکہ ان دونوں کی شادی تک طے ہو چکی تھی۔ چلو مان لیا وہ اس کا حق تھا ظاہر ہے جب بابا نے ہمارا رشتہ ختم کر دیا تھا تو اس نے بھی کہیں تو شادی کرنی تھی۔ لیکن مجھ سے محبت کے دعوے دار نے دوسرا ظلم مجھ پر نہیں بلکہ اس لڑکی پر توڑا۔ جیا نے بھی تو رشتہ جڑنے پر اس کے حوالے سے کچھ خواب اپنی پلکوں پر سجا لیے ہوں گے ناں مگر جب یہاں بابا کی ناراضی ختم ہوئی تو محترم کی محبت پھر سے جاگ اٹھی۔ اصل حیرت مجھے چچی پر ہے۔ بیٹے کی خاطر انہوں نے بھتیجی پر ظلم کر ڈالا۔ شادی تک طے ہونے کے بعد جانے کیا کہہ سن کر اپنے بھائی سے معذرت کی ہوگی اور اب دوبارہ مجھے بہو بنانے کو تیار بیٹھی ہیں۔"

وہ ناراض لہجے میں مہ جبیں کا بھی شکوہ کر بیٹھی اور ثانیہ کے لیے تو یہ انکشاف اتنا حیرت انگیز تھا کہ وہ حیرت سے آنکھیں پھاڑے بیٹھی کی بیٹھی رہ گئی۔

"تمہیں یہ سب کس نے بتایا ہانیہ۔" اس نے سنجیدگی سے استفسار کیا۔

"مجھے علم ہے میری بات پر تمہیں مشکل سے ہی یقین آئے گا لیکن سدید جیسا معصوم بچہ خود سے گھڑ کر تو یہ بات نہیں بتا سکتا ناں۔" ہانیہ کے کہنے پر ثانیہ چپ ہو گئی۔

☆☆☆

"سدید نے کہا یہ سب۔" ثانیہ کی بات سن کر وہ ایک لمحے کو حیران ہوا۔

"ہاں جس روز ہانیہ کی طبیعت بگڑی تھی تو اس کی وجہ یہ انکشاف ہی تھا۔" ثانیہ کے کہنے پر حدید نے سوچ کے گھوڑے دوڑائے پھر سر پر ہاتھ مارا۔

"تمہاری بہن کا اپر چیمبر بالکل خالی ہے۔ سدید کی باتوں کو اتنا سیریس لے بیٹھی۔"

حدید کو سب یاد آ گیا تھا۔ ماموں نے جیا کا رشتہ اپنے سسرالی عزیزوں میں طے کیا تھا اور اس روز مہ جبیں یہ ہی تذکرہ لے بیٹھی تھیں۔

"بھائی جان جیا کی شادی پاکستان آ کر کریں گے۔ بھابھی کے میکے میں رہنا تو ممکن نہ ہوگا ظاہر ہے وہ جیا کا سسرال ہوگا۔ میرا خیال ہے وہ ہمارے ہاں ہی قیام کریں گے۔ شادی والا گھر ہوگا تو نئے سرے سے پینٹ وغیرہ تو کروانا پڑے گا ناں۔" وہ تو عمومی انداز میں بات کر رہی تھیں مگر سدید صاحب کا موڈ آف ہو گیا۔

"پہلے حدید بھائی کی شادی ہونی چاہیے۔ میں نے ان کا شہ بالا بننا ہے۔ آپ جیا آپی کی شادی ہونے کا کہہ رہی ہیں۔"

"تم دعا کرو گے ناں تو بھائی کی شادی ہوگی۔" مہ جبیں نے پیار سے بیٹے کو مخاطب کیا۔

"دعا کروں گا تو ہو جائے گی۔" سدید نے کنفرم کرنا چاہا۔

"ہو جائے گی یار! بالکل ہو جائے گی۔" حدید نے پیار سے اس کے بال بکھیرے۔

"جیا آپی سے پہلے یا ان کے بعد؟" سدید کو یقین نہ آ رہا تھا۔

"ان کے ساتھ ہی ہو جائے گی یار۔ ابھی تو جیا کی شادی میں بھی چھ آٹھ مہینے ہیں تو دعا کرے گا تو اپنی نیا بھی پار لگے گی۔"

وہ ٹھنڈا سانس بھرتے ہوئے بولا۔ اس وقت کیا خبر تھی کہ عام سے انداز میں کی جانے والی یہ بات زندگی کو کس طوفان سے ہمکنار کر دے گی۔ اس نے ہانیہ کی عقل پر ماتم کرتے ہوئے ثانیہ کو سارا ماجرا کہہ سنایا۔ ساری بات سن کر ثانیہ کی ہنسی نکل گئی تھی۔

"حد ہوتی ہے بے وقوفی کی...... محترمہ نے مجھ پر اعتبار نہ کیا۔ میری محبت پر اعتبار نہ کیا۔ اعتبار کیا اس چھوٹے پیکٹ کی بات پر۔"

وہ دانت کچکچاتے ہوئے بولا۔ شکر ہے سدید سامنے نہ تھا ورنہ ایک جھانپڑ کا حق دار تو تھا ہی وہ۔

"اب ناراض ہونے کی باری تمہاری ہے۔ میں کم از کم اس معاملے میں تمہارے ساتھ ہوں۔" ثانیہ مسکرا کر بولی۔

"محترمہ کو اتنی آسانی سے معاف کرنے والا ہوں بھی نہیں۔ میری نرمی اور محبت کا بہت ناجائز فائدہ اٹھاتی ہے وہ۔"

وہ مصنوعی خفگی سے بولا مگر اندر سے دل شانت ہو چکا تھا۔

☆☆☆

"پھر کیسے معافی مانگوں اس سے۔" ہانیہ منمنا کر بولی تھی۔

"مجھے کیا خبر کیسے معافی مانگو۔ تم نے کم تو نہیں ستایا اسے وہ ناراض ہونے کا پورا پورا حق رکھتا ہے اور مجھ سے اس معاملے میں کوئی امید مت رکھنا۔ میں تمہاری کوئی سفارش نہیں کرنے والی۔" ثانیہ نے ہری جھنڈی دکھائی۔

"کتنی بے وقوف تھی میں اس سدید کے بچے کی بات پر یقین کر لیا۔" ہانیہ کا بس نہ چل رہا تھا اپنے سر پر کوئی چیز اٹھا کر دے مارے۔ ثانیہ دل ہی دل میں مسکرائی۔ بظاہر بے نیاز بنی ہوئی تھی۔ حدید کا اتنا تو حق بنتا ہی تھا کہ ہانیہ اپنی غلطی کا اعتراف کرتے ہوئے اسے منانے کی کوشش کرے۔

حدید اب سنجیدگی کے تمام تر ریکارڈ توڑے ہوئے تھا۔ چاند رات کو گھر میں روایتی گہما گہمی تھی۔ دیورانی جیٹھانی سر جوڑے بیٹھی عید کے دن مہمانوں کی خاطر مدارت کے پروگرام کو فائنل ٹچ دے رہی تھیں۔

عید کا سارا دن مہمانوں کی آمد کا تانتا بندھا رہتا تھا اور امید واثق تھی کہ ثانیہ کے سسرال والے بھی کل عید ملنے ضرور ہی تشریف لائیں گے۔ عید کے دن کام والی ملازمہ چھٹی کرتی تھی سو ثانیہ گھر کی سیٹنگ اور صفائی ستھرائی کا آدھا کام رات کو ہی نمٹا لینا چاہتی تھی۔

سدید اپنی متوقع عیدی کا حساب لگانے کے لیے سب کا سر کھانے میں مصروف تھا۔ ہانیہ کی نگاہیں حدید کو تلاش رہی تھیں۔ وہ شاید گھر پر ہی نہ تھا۔ مایوس ہو کر وہ کچن میں گھس گئی۔ عید کی صبح چنا چاٹ اور دہی بڑے بنانے کی ذمہ داری اس کی ہوتی تھی۔ وہ بھی کچھ کام ابھی نمٹا لینا چاہتی تھی۔

"امی آج آپ نے مجھے چائے تک نہیں پلائی۔ سامان سارا لے آیا ہوں بس اب ایک کپ کڑک سی۔"

وہ سامان کے تھیلے اٹھائے بولتے ہوئے کچن میں آیا۔ ہانیہ کو دیکھ کر ٹھٹکا پھر فوراً ہی واپس پلٹنے لگا۔

"اب بنا بولے یہاں سے نکلے ناں تو مجھ سے برا کوئی نہ ہوگا۔" ہانیہ نے روہانسے انداز میں اسے پکارا۔

"تم سے برا کوئی ہے بھی نہیں۔" حدید نے کٹیلی نگاہ ڈالتے ہوئے جواب دیا۔

"غلطی انسان سے ہی ہوتی ہے اور بندہ سوری کرنے کا تو موقع دیتا ہے۔ میں دو دن سے تمہیں ڈھونڈتی پھر رہی ہوں اور تم سامنے ہی نہیں آ رہے۔" ہانیہ نے سوری کرنے کے بجائے شکوہ کر ڈالا۔

"تم دو دن میں تھک گئیں۔ کمال ہے بھئی۔"

وہ طنز کرنے سے باز نہ آیا۔

"اچھا طعنے ہی دیتے رہو گے یا سوری کا موقع بھی دو گے۔" وہ نروٹھے پن سے بولی۔

"دیا موقع کرو سوری" حدید نے لب بھینچ کر مخاطب کیا۔

"جب تمہارا مجھے معاف کرنے کا ارادہ ہی نہیں تو سوری بول کر ضائع کیوں کروں۔" وہ اس کے انداز پر تپ گئی تھی۔

اپنے پاس۔" وہ دوبارہ باہر جانے لگا۔

"اچھا ناں کہہ تو رہی ہوں سوری۔" ہانیہ نے جلدی سے کہا۔ حدید کے لبوں پر مبہم سی مسکراہٹ پھیلی جو اس نے فوراً چھپا بھی لی۔

"بس اب جاؤں۔" سنجیدگی سے پوچھا۔

"کتنی بار سوری کرواؤ گے۔ میں بھی تم اذیت سے تو نہیں گزری۔" اس کے کٹھور سے انداز پر ہانیہ بی بی کی آنکھوں سے ٹپ ٹپ آنسو گرنے لگے۔ حدید کو لگا اب لینے کے دینے پڑ جائیں گے سو ڈرامے بازی ختم کرنے میں ہی عافیت جانی۔

"آج مہندی کیوں نہیں لگائی۔" اس نے پوچھا۔

"اس وقت صبا کے پارلر پر کون لے کر جاتا۔" وہ آنسو پونچھتے ہوئے مسکین سے انداز میں گویا ہوئی۔ اس کی عید مہندی کے بنا ادھوری ہوتی تھی گھر کی باقی خواتین تو کون مہندی سے ایک دوسرے کی ہتھیلیوں پر گول ٹکیا لگا کر شوق پورا کر لیتی تھیں لیکن وہ بہت اہتمام سے قریبی پارلر پر جا کر دونوں ہاتھوں پر آگے پیچھے مہندی لگواتی تھی اور یہ ڈیوٹی حدید کو ہی بھگتانی پڑتی تھی۔

"جو ہر بار لے کر جاتا ہے۔ آج بھی وہ ہی لے کر جائے گا ناں چلو فٹافٹ تیار ہو جاؤ۔"

"سچ تم لے کر جاؤ گے اس کا مطلب ہے تم نے مجھے معاف کر دیا۔" وہ بے تحاشا خوش ہوتے ہوئے بولی۔

"بدھو ہو تم، تم سے ناراض رہ سکتا ہوں میں۔" حدید نے ٹھنڈی سانس بھری۔

"ہاں بدھو تو ہوں میں۔ لیکن تم جیسے عقل مند کا ساتھ ملے گا تو بیلنس ہو جائے گا۔" اس نے فراخ دلی سے بدھو ہونا تسلیم کیا تھا۔ حدید بھی جواب میں کوئی پیار بھرا اظہار کرنا ہی چاہتا تھا کہ اسے ڈھونڈتے ڈھونڈتے سدید صاحب وہاں آن نکلے۔

"حدید بھائی سب نے بتا دیا ہے کہ کل مجھے کتنی عیدی بتائیں تا کہ میں فائنل اماؤنٹ کیلکولیٹ کر لوں۔" وہ جیب سے کیلکولیٹر نکالتے ہوئے بولا۔

"فائنل اماؤنٹ میں دو جھانپڑ ایڈ کر لو۔" وہ اس کی بے وقت آمد پر سخت بدمزہ ہوا۔

"بس دو۔" وہ مصروف سے انداز میں بٹن دباتے دباتے رکا۔

"کیا کہا آپ نے جھانپڑ، یو مین تھپڑ ہے ناں ہانیہ آپی جھانپڑ کا یہ ہی مطلب ہے ناں۔" سدید نے ناراضی بھرے لہجے میں کنفرم کرنا چاہا۔

"مذاق کر رہے ہیں تمہارے حدید بھائی۔ پورے ٹو تھاؤزنڈ دیں گے یہ تمہیں عیدی میں۔" ہانیہ نے حدید کو گھورنے کے بعد سدید کو یقین دلایا۔

"ٹو تھاؤزنڈ عیدی کے اور تھری تھاؤزنڈ دعا کے۔ یعنی یہ ہو گئے فائیو تھاؤزنڈ۔" سدید مطمئن ہوا۔

"کیسی دعا۔" ہانیہ نے اچنبھے سے پوچھا۔

"روزانہ افطاری سے پہلے حدید بھائی اور آپ کی جلدی سے شادی ہونے کی دعا کرتا تھا ناں۔ بھائی نے کہا تھا پورے رمضان یہ دعا کرو تو تھری تھاؤزنڈ ملیں گے۔" سدید نے آگاہ کیا۔

حدید چھوٹے بھائی کو کھا جانے والی نگاہوں سے گھورتا رہا۔ اب جانے محترم مزید کیا کچھ انکشاف فرمانے لگے تھے اور اسی لمحے سدید کو کچھ یاد آیا۔

"حدید بھائی میں دو دن دعا کرنا بھول گیا تھا آپ صرف ٹو تھاؤزنڈ ایٹ ہنڈرڈ دے دینا۔ عیدی کے ٹو تھاؤزنڈ سے مل کر یہ ہو جائیں گے فور تھاؤزنڈ ایٹ ہنڈرڈ۔" سدید نے بے ایمانی کرنا مناسب نہ جانا تھا۔

"اب اگر تم یہاں سے نو دو گیارہ نہ ہوئے تو فور تھاؤزنڈ ایٹ ہنڈرڈ تو چھوڑ میں فورٹی روپیز بھی نہیں دوں گا تمہیں۔"

حدید نے اسے دھمکایا تھا۔ ہانیہ کھل کھل کرتی ہنس پڑی تھی۔ حدید نے اسے گھورنا چاہا مگر پھر خود بھی ہنسی نہ روک پایا تھا۔

☆☆

جویریہ حیدر ملغانی

ہم بتائیں کیا

"السلام علیکم امی!"

مریم نے گھر میں داخل ہوتے ہی پرجوش آواز میں سلامتی بھیجی۔ اس کے پیچھے اس کے دونوں بیٹے احد اور سعد اندر داخل ہوئے۔ گھر میں مکمل خاموشی تھی۔

"امی! نانو کہاں ہیں؟" بچوں نے مریم سے سوال کیا۔

"ادھر ہوں بیٹا۔" ماریہ بیگم نے کچن سے باہر آتے ہوئے کہا۔ ساتھ ہی اپنے دوپٹے سے گیلے ہاتھوں کو خشک کیا۔

بچے نانو نانو کہتے ہوئے لپٹ گئے۔ ماریہ بیگم نے بچوں کو خود میں سمولیا۔ باری باری دونوں کے ماتھے پہ بوسہ دیا۔

"ارے ہماری باری کب آئے گی؟ یا پھر ایسے لائن میں لگے رہیں گے۔" مریم نے ناز سے کہا۔

"ارے بلونگڑوں ہٹو تم نے تو مجھے اپنی بیٹی بھی بھلادی۔" ماریہ بیگم نے مریم کو گلے لگایا، مریم نے محبت سے اپنی ماں کے ہاتھوں کا بوسہ لیا۔

"اتوار کو اتنی خاموشی؟ سب کہاں ہیں؟" مریم نے اطراف کا جائزہ لیتے ہوئے کہا۔

"تمہارے ابو قریبی مارکیٹ سے سودا سلف لینے گئے ہیں۔ کرن کے سر میں درد ہے۔ وہ اندر لیٹی ہوئی ہے۔ یاسر تمہاری بھابھی اور بچوں کو میکے چھوڑنے گیا ہے۔" ماریہ بیگم نے فرداً فرداً سب کے متعلق بتایا۔

"بھابھی میکے چلی گئیں؟ میں نے پہلے کال کرکے اپنے آنے کا بتایا بھی تھا۔ پورے بیس دن بعد آئی ہوں۔ میکے آنے کے لیے ایک ایک دن گنتی رہی تھی۔ اگر مجھے معلوم ہوتا میرے آنے کا سن کے بھابھی اپنے میکے چلی جائیں گی تو میں پہلے اطلاعی کال ہی نہ کرتی۔" لاڈلی اور جلد باز مریم ایک ہی سانس میں بولے چلی گئی۔

"ارے بیٹا سانس تو لو۔ آتے ہی اپنا موڈ خراب کرلیا، میں نے تمہیں بتایا تو تھا کہ تمہاری بھابھی کی بہن کوئٹہ سے آئی ہوئی ہے۔ پرسوں اس کی واپسی ہے۔ آج اتوار ہے سب بہن بھائی اکٹھے ہوں گے۔ مل جل کر وقت گزار لیں گے۔ باقی تو سب اسی شہر میں ہوتے ہیں۔ یہ بہن کوئٹہ میں رہتی ہے۔ پردیسن بیٹیاں روز روز تو نہیں آسکتیں۔" ماریہ بیگم نے دھیمے لہجے میں بولتے ہوئے بیٹی کو ٹھنڈا کرنا چاہا۔

"تمہاری بھابھی تو کہہ رہی تھی کہ آج مریم آرہی ہے۔ میں شام کو میکے چلی جاؤں گی۔ رات کے کھانے پہ سب بہن بھائیوں سے ملاقات ہوجائے گی، میں نے بہو سے کہا تم چلی جاؤ۔ مریم ناراض نہیں ہوگی۔ میری بیٹی سمجھ دار ہے۔ رشتے جوڑنا خوب جانتی ہے۔" ماریہ بیگم نے بیٹی کی بدگمانی دور کرتے کرتے اسے مکھن لگانا شروع کردیا۔

"وہ تو میں واقعی ہوں۔" سدا کی جلد باز مریم نے مسکراتے ہوئے کہا۔ اپنا داؤ چلتے دیکھ کر ماریہ بیگم متانت سے مسکرادیں۔

☆☆☆

ماریہ بیگم اور فرید صاحب کے تین بچوں میں مریم سب سے بڑی اس کے بعد یاسر اور کرن تھے۔ مریم ننھیال اور ددھیال میں پہلی بچی ہونے کی وجہ سے

بہت لاڈلی رہی۔ سونے پہ سہاگہ اکلوتی بہو ہونے کی وجہ سے سسرال میں بھی بڑی اہمیت ملی۔ اسی وجہ سے مزاج میں خود پسندی آگئی۔

دوپہر کے کھانے میں ماریہ بیگم اور کرن نے بہت اہتمام سے کھانا تیار کیا۔ چکن بریانی، قورمہ، میٹھے میں بچوں کی پسندیدہ رس ملائی، رائتہ اور سلاد جیسے لوازمات کے ساتھ ساتھ ماریہ بیگم کے ہاتھ کے پکے ہوئے نرم نرم پھلکے (روٹیاں) سب نے سیر ہو کر کھایا۔ کھانے کے بعد بچے اور کرن موبائل پہ مصروف ہو گئے۔

فرید صاحب قیلولے کے لیے اپنے کمرے میں چلے گئے۔

ماریہ بیگم برتن دھونے کے ارادے سے باورچی خانے میں جانے لگیں، تو مریم نے ان کا ہاتھ پکڑ کر ساتھ بٹھا لیا۔

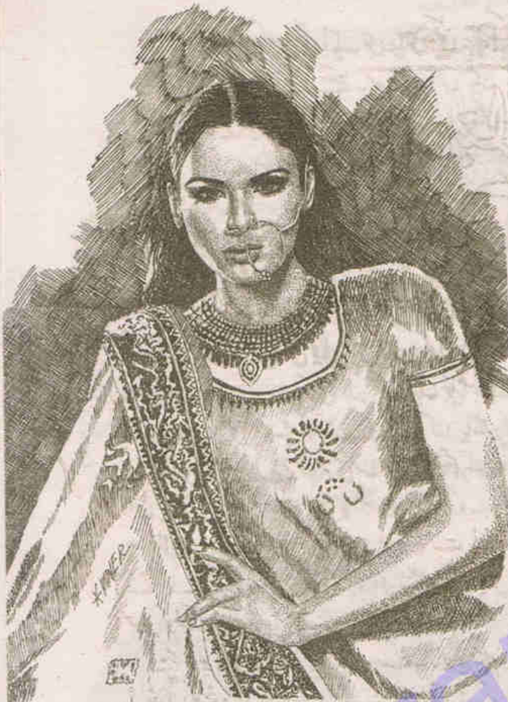
"ارے امی بیٹھیں تو سہی۔ برتن بعد میں دھل جائیں گے۔ ہم ماں بیٹی کچھ گپ شپ کر لیں۔"

ماریہ بیگم خاموشی سے بیٹھ گئیں۔

"امی آپ کو معلوم ہے اس دفعہ میری ساس اپنی تینوں بیٹیوں، دامادوں اور نواسوں کے لیے گرمیوں کے کپڑے بھجوا رہی ہیں اس کے ساتھ دوسری اشیاء بھی، کپڑے لان کے مشہور برانڈز کے ہیں۔ امی آپ بھی اس دفعہ میرے سوٹ کے ساتھ فہد (شوہر) کا بھی سوٹ بھیجنا۔ اپنے نواسوں کے تو لازمی ہی دیں گی۔" آخر کار مریم نے بلی تھیلے سے باہر نکالی۔

"بیٹا تمہارے سسرال اور میکے کے معاشی حالات میں بہت فرق ہے۔ تمہاری ساس کو تمہارے مرحوم سسر کی پنشن، مارکیٹ میں موجود چار دکانوں کا کرایہ بھی ملتا۔ الحمدللہ فہد بھی اچھی پوسٹ پر ہے۔ اس کی تنخواہ تمہارے ابو اور یاسر کی تنخواہ سے کئی گنا زیادہ ہے۔ بیٹا وہ صاحب ثروت ہیں ہمارا بھلا ان سے کیا مقابلہ؟

بیٹا بیاہی بیٹیوں کو عیدین پہ دینا دلانا ہوتا ہے۔



مگر گرمیوں کا الگ سے کیسے کریں؟ ویسے بھی کئی سالوں سے عید گرمیوں میں ہی آ رہی ہے۔ اس لیے عید پہ لان کے سوٹ ہی دیے جاتے ہیں۔ بیٹا تم تو جانتی ہو تمہارے ابو اور یاسر کی آمدنی سے گھر کا گزارا مشکل سے ہوتا ہے۔

یاسر خود بال بچوں والا ہے۔ بچوں کے ہزار اخراجات ہیں۔ وہ تو ہماری بہو بھلی بھانس ہے۔ اس نے اپنے پیسوں کو بھی الگ نہیں کیا تمہاری خالہ اگلے سال کرن کی شادی کا کہہ رہی ہیں۔ اس کا جہیز تیار کرنا ہے۔ مہنگائی کا حال دیکھ رہی ہو۔ کیسے عفریت کی طرح منہ پھاڑے کھڑی ہے۔

اتنی مہنگائی میں بیٹی کا فرض خوش اسلوبی سے پورا ہو جائے یہ بھی اللہ کا بہت بڑا کرم ہے۔"

ماں کی باتیں سن کے مریم پریشان ہو گئی۔ امی

میری ساس کیا کہیں گی ایک ہی بیاہی بیٹی ہے اسے بھی گفٹ نہیں دے سکتے۔ میری ساس تین تین بیٹیوں کو دیتی ہیں۔" مریم کی سوئی وہیں پہ اٹکی تھی۔

"ارے بیٹا ہماری سمدھن بہت اچھی اور سمجھدار ہیں۔ میں تو اللہ کا شکر ادا کرتے کرتے نہیں تھکتی کہ میری بیٹی کے سسرال والے نہ صرف کھلے ہاتھ والے ہیں بلکہ کھلے دل والے بھی ہیں۔ تمہاری ساس نے تمہیں بھی پہننے اوڑھنے میں کمی نہیں کی۔ اپنی بیٹیوں اور تم میں کبھی کوئی فرق نہیں رکھا۔ نہ تمہارے میکے کی طرف سے کوئی گلہ شکوہ کیا۔ بیٹا اچھے اور خاندانی لوگوں کا یہی وصف ہے۔ مانا کہ دنیا میں اچھے لوگوں کی کمی ہے۔ تمہاری ساس اور شوہر ان لوگوں میں سے ہیں بیٹا! اللہ کا شکر ادا کیا کرو۔ حالات تمہارے سامنے ہیں۔"

ماریہ بیگم نے بیٹی کو سمجھاتے سمجھاتے اس کے چہرے پہ نگاہ ڈالی تو ان کا دل بھینچ گیا۔

"اچھا بیٹا تم پریشان نہ ہو۔ تمہارے ابو اور میں کچھ کرلیں گے۔ ہو جائے گا ان شاء اللہ۔"

ماریہ بیگم نے ذہن میں جوڑ توڑ کرتے ہوئے اپنی پریشانی کو چھپالیا۔

☆☆☆

"بیگم آپ کے شاہی ملبوسات سل کے آ گئے ہیں، لگتا ہے اس دفعہ ماسٹر صاحب نے سونے کے تاروں سے سلائی کی ہے۔ سلائی کی ادائیگی کرتے ہوئے مجھ ناچیز کی جیب خالی ہو گئی۔" فہد نے مسکراتے ہوئے کپڑوں والا تھیلا مریم کے ہاتھ میں دیا۔ مریم فوراً کپڑے دیکھنے لگی اور ساتھ ساتھ تبصرہ بھی کرنے لگی۔ فہد اور اس کی امی مریم کی بچوں سی کیفیت دیکھ کے مسکرا دیے۔

"ارے یہ کیا کر دیا؟" مریم نے دردناک چیخ ماری۔ "ارے ستیاناس کر دیا۔ یہ کس کے ناپ کا سلائی کر دیا ہے۔ لگتا ہے ماسٹر صاحب اب سٹھیا گئے ہیں۔" مریم نے اسٹائلش سا سی گرین سوٹ ساس اور شوہر کے سامنے پھیلایا۔ جو مریم کے باقی سوٹوں کے سامنے کافی اسمارٹ لگ رہا تھا۔

"ارے ارے یہ تو کاکی باجی (بڑی نند کوکب) کا لگ رہا ہے۔" جو بہت ہی کمزور تھیں۔ اسی کمزوری کی وجہ سے کوکب سے کاکی بن گئیں۔

"واقعی بیٹا ایسا لگ رہا ہے۔" اس کی ساس نے مسکراہٹ چھپاتے ہوئے کہا۔

"آنٹی اتنا پیارا سوٹ تھا۔ میری امی نے دیا ہے۔ ڈیزائنر سوٹ۔ لگتا ہے اب ماسٹر صاحب واقعی بوڑھے ہو گئے ہیں۔ آپی کے ناپ کا سی دیا ہے۔"

"ہاں بیٹا اس دن تم دونوں ساتھ ہی تو گئی تھیں۔ ماسٹر صاحب کو کپڑے دینے۔ اس نے کوکب کا سمجھ کے اس کے ناپ کا سلائی کر دیا ہے۔"

بہو کی صدماتی کیفیت دیکھ کے ساس نے تسلی دینا لازمی سمجھا۔ جبکہ فہد مسکراہٹ چھپاتے ہوئے وہاں سے رفو چکر ہو گیا۔

کیونکہ وہ جانتا تھا کہ ماسٹر صاحب کا غصہ اب اس "غریب" پہ ہی نکلے گا۔

"میری امی نے مجھے اتنا پیارا سوٹ کتنے "ارمانوں" اور محبت سے دیا ہوگا۔ اگر ڈھیلا ڈھالا ہو جاتا تو پھر دوبارہ بنوا لیتی۔ مگر یہ تنگ سوٹ اب کس کام کا۔"

مریم نے اپنے فربہ سراپے پہ نظر دوڑاتے ہوئے یاسیت سے سوچا۔ چھریرے بدن والی مریم اب دو بچوں اور اچھی خوراک کے وجہ سے موٹی لگنے لگی تھی۔

ضرور امی نے اپنی لاڈلی بہو کو دکھایا ہوگا۔ اس نے نظر لگائی ہوگی میرے سوٹ کو حاسد کہیں کی۔

اسی نظر بھاڑ نے میرا سوٹ برباد کر دیا ہائے میری امی نے کتنی محبتوں اور ارمانوں سے خریدا ہوگا۔" (پتا نہیں امی اور کرن نے اپنی کتنی ضرورتوں کو پس پشت ڈال کے اس لاڈلی کی "خواہش" کو پورا کیا ہوگا)

قارئین! کوئی بتلائے کہ ہم بتلائیں کیا؟

☆☆

لبنیٰ آصف

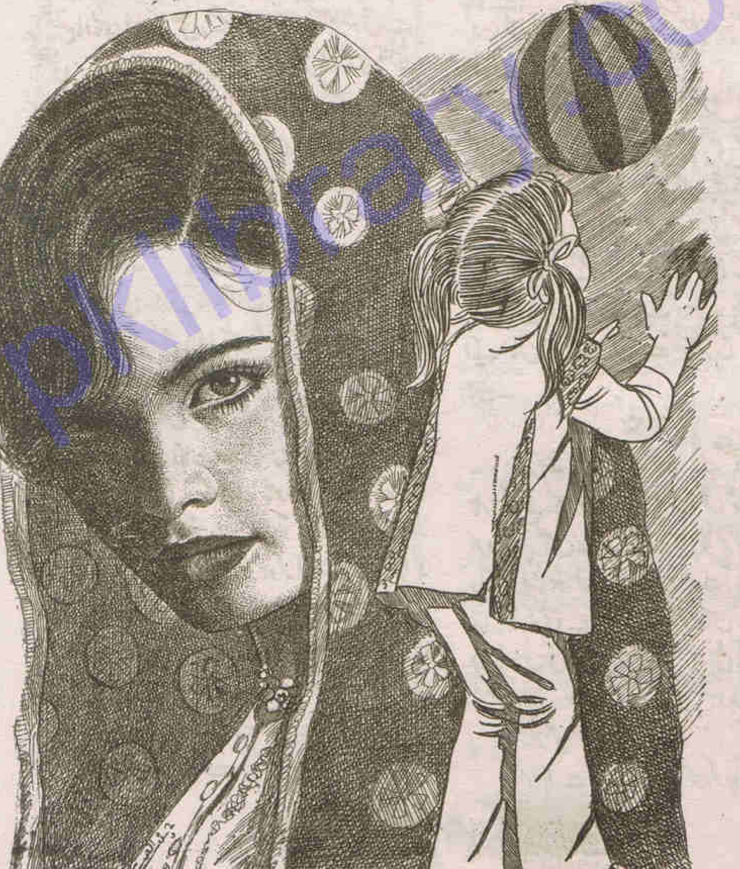
سیفٹی پن

"ماں جی! بتائیں ناں کیا فیصلہ کروں، عجب دورا ہے پر لا کھڑا کیا ہے آپ کے نواسے نے؟"

"تو ارم! تم بھی تو اتنی سی بات کو مسئلہ بنائے بیٹھی ہو۔"

"اماں! یہ اتنی سی بات ہے؟ لڑکیاں بالکل اپنی ماؤں پر ہی جاتی ہیں عادتوں میں، جب بھی میں نے عمر کی یہ والی کزن کو دیکھا ہے۔ ہمیشہ ہی بڑی سی سیفٹی پن بے تکے پن سے کہیں نہ کہیں لگی ہوتی ہے اور قمیص کے چاک تو ہمیشہ ہی پھٹے ہوتے ہیں۔ کبھی اس میں بھی سیفٹی پن لگی ہوتی ہے اور کبھی یوں ہی! اماں! مجھے دیکھ کر الجھن ہوتی ہے۔"

"ارم ٹھنڈے دل سے سوچو، لڑکی ہر لحاظ سے بہتر ہے۔ پڑھی لکھی ہے۔ شکل صورت کی پیاری ہے۔ کھانا کتنا اچھا پکاتی ہے۔ اکلوتی ہے لیکن گھر اچھا سنبھالا ہوا ہے۔ دیکھے بھالے لوگ ہیں اور سب سے بڑھ کر تمہارا بیٹا پسند کرتا ہے اسے۔"



"ہاں اماں! وہ سب تو ٹھیک ہے لیکن کیا کروں کچھ باتیں میرے ذہن میں اٹک کر رہ جاتی ہیں کہ نکالنا مشکل ہو جاتا ہے۔"

"بس! بیٹے کو کہہ دو کہ بٹن ٹانکنا اور ٹانکا لگانا سیکھ لے۔"

"ارے نانو! میں تو پوری قمیص سینا سیکھ لوں گا بس رشتہ او کے کریں آپ لوگ۔"

"ہاں! کرو تم بے تکی باتیں۔ یہ نہیں کہ سمجھاؤں گا بیوی کو۔"

"اچھا اماں! عفرا کو میری زندگی میں شامل تو ہونے دیں سب سمجھا دوں گا۔"

☆☆☆

رشتہ پکا ہوا اور سال بعد شادی کا عندیہ دے دیا گیا۔ اس دوران ارم جب بھی بیٹے کے سسرال جاتیں واپسی میں کڑھتی رہتیں۔ پتا نہیں کتنا شوق ہے سیفٹی پن لگانے کا۔ جب عفرا ملتی کہیں نہ کہیں سیفٹی پن لازمی لگی ہوتی۔ اماں بیٹی دونوں ہی کہیں نہ کہیں بڑی سیفٹی پن لگائے ہوئے ہوتیں۔ بہت بار بات زبان تک آتے آتے رہ جاتی ارم یہی سوچتیں۔ نیا نیا رشتہ ہے برا نہ مان جائیں۔

☆☆☆

عفرا کی دادی کا انتقال ہو گیا تھا۔ تدفین تو دوسرے دن ظہر میں تھی لیکن عمر کہنے لگے۔ "ڈبل رشتہ داری ہے۔ رات میں چلیں گے۔"

خیر رات میں عفرا کے پاس پہنچے عفرا تو دادی کے غم میں رو رو کر ہلکان ہو رہی تھی دادی سے اٹیچ بھی بہت تھی گلے لگایا تو پھوٹ پھوٹ کر رونا شروع ہو گئی۔ ارم تسلی کیا دیتیں ان کے تو سینے میں اتنی زور سے سوئی چبھی کہ حواس باختہ ہو کر آہستہ سے عفرا کو الگ کیا۔ عفرا کی پیٹھ پر ہاتھ پھیرا اور اپنا سینہ سہلانے لگیں ہو نہ ہو یہ سیفٹی پن ہو گی۔ دیکھا تو گلے کی سیفٹی پن کھلی ہوئی تھی۔ جلدی سے عفرا کی توجہ سیفٹی پن پر مبذول کرائی، لاپروائی سے دوبارہ بند کی اور رونے میں مشغول ہو گئی ارم سے رہا نہ گیا بول ہی پڑیں۔

"عفرا کسی اور کے بھی چبھ سکتی ہے۔"

افرا نے دوبارہ سیفٹی پن نکالی اور کھلے گلے کو موڑ کر لگا لی۔ "گلا بڑا ہے ناں اس لیے لگائی ہے۔"

ارم بولنا تو بہت کچھ چاہتی تھیں لیکن وقت اور موقع کی مناسبت سے خاموش رہنا ہی بہتر تھا۔ اپنے سینے پر چبھی سیفٹی پن کی تکلیف بڑھنے لگی تو مردانے میں چھوٹے بچے کو بھیج کر عمر کو بلوایا اور گھر کی راہ لی۔

گھر آ کر دیکھا تو پن اچھی خاصی چبھ گئی تھی۔ ٹیوب لگا کر ایک دفعہ پھر ارم سوچنے بیٹھ گئیں۔

دوسرے دن تدفین میں جانا تھا۔ ارم نے آج تو سوچ لیا تھا۔ گلے لگالیا بھی عفرا یا عفرا کی ماں کو تو بس ہلکے سے کہیں پھر کوئی پن نہ گھس جائے۔ بیٹی بھی صبح ہی اپنے سسرال سے آ گئی تھی کہ بھائی کے سسرال جانا ہے۔

خیر بخیر و عافیت تدفین کے بعد گھر پہنچے تو بیٹی کہنے لگی۔

"امی! بھابھی کی قمیص کا چاک پھٹا ہوا تھا اور گلے میں اتنی بڑی سیفٹی پن لگا رکھی تھی۔ اندر سے لگا لیتیں اگر گلا بڑا تھا اتنی بری لگ رہی تھی۔"

"ارے بیٹا! چلتی پھرتی دادی چلی گئیں کپڑے لتے، کا ہوش کسے رہتا ہے۔" بیٹی کے سامنے اس طرح کی بات کر کے بات کو مزید بڑھاوا دینا تھا۔ ایک اماں ہی تھیں جن سے ہر طرح کی بات کر سکتے ہیں۔

☆☆☆

خیر اللہ نے خیر و عافیت سے منگنی سے شادی کی تاریخ تک کا سفر طے کرایا آج کل شادی کی تیاریاں عروج پر تھیں۔ ناپ آیا دلہن کا تو اس قمیص کا بھی چاک پھٹا ہوا تھا ارم کو غصہ تو بہت آیا مگر بولنا بے کار تھا۔ ٹیلر کو سختی سے ہدایت کی کہ دلہن کے جتنے کپڑے ہیں سب کی چاک مضبوط کرنا پٹی لگا کر اور گلے کا خاص خیال رکھنا بڑا نہ ہو۔ بٹن مضبوط ٹانکنا۔

ٹیلر بھی شکل دیکھ رہا تھا۔

ارم اسے کیا بتاتیں کہ دلہن کو چاک پھاڑنے اور

گلے کو چھوٹا کر کے بڑی سی سیفٹی پن لگانے کا شوق ہے اور اگر بٹن ٹوٹا ہو تو بڑی عقل مندی سے وہاں بھی سیفٹی پن لگا لیتی ہے۔

☆☆☆

شادی پر سب ہی دلہن کی تعریف کر رہے تھے۔

"ارم! بہو تو تمہاری شان دار ہے۔ بہت پیاری لگ رہی ہے۔" ارم مسکرا مسکرا کر تعریف وصول کر رہی تھیں۔ اور دل میں شکر ادا کر رہی تھیں کہ آج ماں بیٹی کے کپڑوں میں کہیں سیفٹی پن نہیں نظر آ رہی ہے۔ عزت رہ گئی۔

رخصت کروا کر گھر لائے۔ کھیر کھلائی ہوئی مزید رسموں کا دور چلا۔ ارم بیٹی سے کہنے آئی تھیں کہ دلہن کو کمرے میں لے جاؤ تو بیٹی عفرا سے پوچھ رہی تھی۔

"بھابھی! شرارے کی شرٹ کی فٹنگ ٹھیک آئی تھی۔"

"نہیں آپی! شاید شادی کی شاپنگ کر کر کے میں دبلی ہو گئی ہوں اتنی لوز تھی۔"

"تو بھیج دیتیں میں نے ٹیلر سے کہہ دیا تھا فٹنگ کا مسئلہ ہوا تو دوبارہ لاؤں گی شرٹ، اس نے کہا تھا کہ میں کر دوں گا ٹھیک۔"

"اب اتنے سے کام کے لیے کیا بھیجتی کمر پر سے لوز تھی میں نے دو بڑی سیفٹی پنیں دونوں سائیڈ میں لگا لیں۔ دوپٹے میں کون سی نظر آنی تھی۔ گلا بھی تھوڑا بڑا تھا۔ اسے بھی میں نے سیفٹی پن سے سیٹ کر لیا تھا۔ پھر پارلر والی نے جب دوپٹا سیٹ کیا تو سیفٹی پن اندر سے لگا دی۔"

بیٹی نے ارم کو اور ارم نے بیٹی کو — دیکھا اس سے زیادہ سننے کی طاقت نہیں تھی۔

بیٹے کو دیکھا تو وہ اپنی دلہن کو دیکھ دیکھ کر خوشی سے پھولے نہیں سما رہا تھا۔ خوشی اس کے ہر انداز سے جھلک رہی تھی۔

بے اختیار دل سے دعا نکلی یا اللہ بچے کو سیفٹی پن سے بچانا۔

☆☆

آسیہ رئیس خان

نقشِ مہر و ماہ

اسکرین پر نمبر دیکھتے ہی اس کا دل رک گیا۔

اتنے عرصے بعد وہاں سے یہ نمبر ملایا گیا تھا۔

"ہیلو۔" اس نے بری طرح بے قابو ہو کے، تیزی سے دھڑکتے دل کے ساتھ فون کان سے لگایا کہ اب اس میں اپنے جگر کے ٹکڑے، اپنے وجود کے حصے کو خود سے جدا کرنے کا حوصلہ نہیں تھا اور اس کال کا مطلب ہی پروانہ جدائی تھا۔ دوسری جانب سے چند جملے کہے گئے اور وہ اس کے اندیشے کو درست ثابت کرنے والے ہی تھے۔ ادھر مخاطب کے لہجے میں وہ ہلکا سا سرور اور ناز جھلک رہا تھا جو طویل مدت سے منتظر بندے کو خوش خبری سناتے ہوئے در آتا ہے اور ادھر بات ختم ہوتے ہی اس کا فون والا ہاتھ بے جان ہو کے گود میں گرا۔

"کیا ہوا؟ کون تھا؟" ارجمند کمرے میں آئیں اور اس کی اڑی رنگت دیکھ کر سوال کیا۔ اسی وقت ہال کے داخلی دروازے میں صنیع نمودار ہوا۔

جواب دینے کے بجائے اس نے ضبط کرنا چاہا لیکن آنسو تواتر سے گرنا شروع ہو گئے۔

"ارحبا...... کیا ہوا بیٹا؟" وہ اس کے پاس دوڑیں اور صنیع چاہ کے بھی ہل نہ سکا۔

☆☆☆

اس نے چھوٹے گیٹ کو ہاتھ کے دباؤ سے آگے دھکیلا اور پٹ کے وا ہوتے ہی نظر بائیں جانب اٹھی رہ گئی۔ وہ مبہوت ہو کے پلکیں جھپکانا بھول گیا۔ اسے لگا وہ کسی باغبانی یا انٹیریئر ڈیزائننگ کے مجلے میں چھپی تصویر میں داخل ہو گیا ہے جہاں کسی ماہر نے وہ خوب صورت سیٹ ترتیب دیا تھا، کامل اور حسین۔

باہر سے ہی بڑے پٹ والا گیٹ جو عموماً گاڑی کے آنے جانے کے لیے استعمال ہوتا ہے، اس کے اوپر سے سفید بوگن ویلیا کے پھول جھانک رہے تھے اور چھوٹا گیٹ جو مکین اپنی آمد و رفت کی خاطر استعمال کرتے ہیں، اس کے سر کی اونچی کمان کے گرد بھی وہی بوگن ویلیا کے پھول لپٹے تھے مگر اندر تو کچھ اور ہی سماں تھا۔

احاطہ بہت بڑا نہیں تھا۔ مختصر سی جگہ میں اس نے ڈھیروں گملے اور پودے اور جگہ بھی دیکھے تھے لیکن یہاں وہی ڈھیروں گملے اور پودے کسی اور جہان کا منظر پیش کر رہے تھے۔ اس کی حسن پرست طبیعت سے یکایک ساری کلفت چھٹ گئی۔ مختلف قامت کے گملوں کی ترتیب اور لوہے کے سیاہ مختلف اسٹینڈز کے علاوہ پودوں کے قد اور رنگوں کو بڑی ہنر مندی اور سلیقے سے استعمال کیا گیا تھا۔ جوہی، چنبیلی اور جانے کون کون سی خوشبوؤں کی 'کاک ٹیل' فضا میں بکھری تھی۔ درمیان میں سیاہ چھت والا جھولا تھا جس کی چھت بیل سے ڈھکی تھی۔ بیل بھی وہ جس کے پتے کم اور پھول زیادہ تھے۔ وہ ابھی شوخ رنگوں والا برڈ باکس اور مٹی کی گھنٹیوں کو دیکھ رہا تھا کہ عائشہ باہر آئی۔

"ہیلو۔"

ایک 'ننھی' سی پر اعتماد آواز پر تفصیلی جائزہ لیتی، صنیع کی نگاہ ٹھہر گئی اور وہ بے اختیار ہی آواز کی سمت متوجہ ہوا۔ اسے دوسرا جھٹکا لگا۔

اس سانولی اور فربہی مائل بچی کی عمر تقریباً پانچ

مکمل ناول



برس ہوئی جو جواب طلب نگاہیں اس پر جمائے
اطمینان سے کھڑی تھی مگر اس کا اطمینان غارت ہوگیا تھا۔ بچی کا بایاں بازو مکمل تھا لیکن دایاں ہاتھ کہنی تک تو ٹھیک تھا، اس کے آگے بمشکل چند انچ کی لمبائی تھی اور پھر کلائی، ہتھیلی کے بنا اس چند انچ کے حصے سے ہی انگلیوں کی جگہ پتلی اور نہایت چھوٹی سی کوئی چیز جڑی تھی۔ اس کا ایک بازو مکمل نہیں تھا۔

ذرا دیر قبل دل نشیں اور کامل لگ رہا منظر اچانک اسے نامکمل لگنے لگا۔ بچی کے بازو نے اس کے بدن میں وہ لہر دوڑائی تھی جو اسے دور جانے پر اکسا رہی تھی تاکہ وہ پھر اس کریہہ اور عجیب بازو کو دیکھ نہ سکے۔

"کون ہے؟" اندر سے پوچھتی جو لڑکی باہر آئی وہ بھی اس بچی کی طرح سانولی تھی۔ بے ارادہ ہی صنیع نے اس کے دونوں بازو دیکھے جو ڈھیلی سی گہری سرمئی آستینوں میں چھپے تھے تاہم ہتھیلیاں اور مکمل انگلیاں نظر آرہی تھیں۔

"صنیع صفدر، مجھے مسز ارجمند انعام دار سے ملنا ہے۔" اس نے معذرت کرکے پلٹنے کی خواہش کو دباتے ہوئے آمد کا مقصد بیان کیا۔

"آئیں۔" وہ بچی کا ہاتھ تھامے اندر چلی گئی جو ساتھ جاتے ہوئے پلٹ کے اسے دیکھ رہی تھی۔

وہ احاطے پر ایک طویل ستائشی نظر ڈالتا 'ناقابل ستائش' ہستیوں کے پیچھے چل پڑا۔ اگر اسے اس خوبصورتی نے اتنا متاثر نہ کیا ہوتا تو وہ ان دونوں کو دیکھنے کے بعد شاید وہیں سے پلٹ گیا ہوتا۔

اسے نظروں کے سامنے اور اپنے اطراف میں حسن ہی اچھا لگتا تھا پھر وہ چاہے انسانوں میں ہو یا بے جان چیزوں میں۔

ہال میں بھی جو چیز سب سے نمایاں تھی وہ ہر قد وقامت اور مختلف الانواع کے پودے اور چینی کے گملے تھے۔ مسز ارجمند انعام دار صوفے پر بیٹھی تھیں۔ اس نے اپنا تعارف اور تابش کا حوالہ پیش کیا۔ جتنی دیر وہ ان سے بات کرتا رہا، وہ بچی اس کے سامنے کرسی پر بیٹھی اسے دیکھتی رہی تھی۔ تاہم وہ اس کی موجودگی سے ہی بے آرام ہو رہا تھا۔

گھر میں امی ابو میں ٹھنی تھی اور وہ ہمیشہ ماں کا ساتھ دینے والا، ان کا کیس مضبوط کرنے کی خاطر اور ابا کو ان کا فیصلہ تبدیل کرنے پر مجبور کرنے کے لیے انہیں دھمکی دے کر گھر سے نکل گیا تھا کہ جب تک ان کا ارادہ نہیں بدلے گا وہ واپس نہیں آئے گا۔

ہفتہ بھر کی خواری کے بعد تابش نے اسے اپنے کسی جاننے والا کا پتا دیا تھا جنھیں پے انگ گیسٹ کی ضرورت تھی اور آج وہ یہاں موجود تھا۔ اس نے یہ ساری تفصیل بتائی نہ انہوں نے پوچھا۔

"آپ کا گھر نہیں ہے؟" وہ چپ ہوا تو اچانک اس بچی نے پوچھا۔

"ہے۔"

"پھر آپ یہاں کیوں رہیں گے؟" اس سیدھے سوال پر اس نے مسز ارجمند انعام دار کو دیکھا۔

عموماً بچوں کے اس قسم کے سوال پر گھر والے خجل ہو کر انہیں چپ کروا دیتے ہیں، اسے بھی یہ ہی امید تھی لیکن انہوں نے تو مسکراتے ہوئے سر اور آنکھ کے اشارے سے اسے جواب دینے کہا۔

"آں۔ وہ اس لیے۔" فی الفور کوئی وجہ اس کے ذہن میں نہیں آئی تھی۔

"کیا آپ نے غصے میں گھر چھوڑ دیا ہے؟" اس نے خود ہی اندازہ لگالیا اور صنیع کو جھٹکا لگا۔

"ہماری عاشو بہت باتونی ہے۔" مسز ارجمند نے ہنستے ہوئے اسے باخبر کیا۔

"اور اس کا فیورٹ کارٹون بات بات پر گھر چھوڑنے کی دھمکی دیتا ہے کبھی کبھار چھوڑ کے چلا بھی جاتا ہے۔" وہ بڑے پیار سے کہتے ہوئے محظوظ بھی ہو رہی تھیں۔

صنیع نے خود پر جبر کرکے پہلی بار تفصیلی اور گہری نظر سے بچی کا جائزہ لیا۔ کریم ٹائٹس پر اس نے گہرے جامنی رنگ کا اونچا سا فراک پہنا تھا۔

بالوں کی دو پونیوں میں اسی رنگ کے کلپ لگے تھے۔ سانولی رنگت اور عام سے نقوش تھے مگر اس میں وہ جھجک یا شرم نہیں تھی جو اکثر اجنبیوں کے سامنے بچوں میں نظر آتی ہے۔ وہ جتنے اعتماد سے اسے دیکھ رہی تھی، وہ اتنا ہی بے آرام ہو رہا تھا۔

"کمرہ دیکھ لیں۔ مزید کسی چیز کی ضرورت ہو تو بتا دیجیے گا۔ دروازہ لیفٹ میں ہے۔" ارجمند کے کہنے پر وہ کھڑا ہو گیا۔

برآمدے یا چھوٹے سے پورچ میں آ کے اس نے پھر ایک ستائشی اور طویل نظر اس دلکش منظر پر ڈالی جو وہ روز دیکھ سکتا تھا اگر یہاں رہنے کا ارادہ کر لیتا۔ اس گوشے میں بلا کی کشش تھی۔

اس رہائشی کالونی میں سارے ہی بنگلے اسے پیارے لگ رہے تھے کہ شہر میں یہ طرز آرائش کہیں دکھائی نہیں دیتی ہے۔ یہ بنگلے عالیشان یا امارت کا اظہار کرنے والے نہ تھے بلکہ متوسط طبقے کی محبت، بچت، محنت اور بے شمار خوابوں کی تعبیر تھے۔ گیٹ سے پورچ کے درمیان چھ سات فٹ کا فاصلہ تھا۔ اسی میں ایک طرف اتنی جگہ تھی کہ گاڑی کھڑی ہو سکتی تھی۔ وہاں اس وقت اسکوٹی کھڑی تھی۔ چند گملے اور دیوار سے لگی کیاری وہاں بھی تھی لیکن دوسرے حصے جیسی بہتات نہ تھی۔

دروازے کے دونوں جانب چینی کے بڑے سے گملوں میں پام کے پودے لہرا رہے تھے۔ دروازہ مقفل نہیں تھا۔ اندر داخل ہوا تو سب سے پہلی چیز جو اس نے نوٹ کی وہ یہ کہ اس کمرے میں کوئی گملا اور پودا نہیں تھا۔ قدرے کشادہ کمرہ اس کے لیے کافی تھا۔ کمرے کی آرائش یعنی رنگ و روغن، پردے، چادر وغیرہ سب اس کی نفاست پسند اور حسن پرست طبیعت کو خوش کر رہے تھے۔ مسہری، الماری، شیشہ، چھوٹی میز، کرسی، شیشے کے سامنے والی دیوار پر میکرا آرٹ کا نمونہ ٹنگا تھا اور پلنگ کے سامنے والی دیوار پر ایک گوشے میں کھڑکی تھی، باقی دیوار پر میٹل کی چھ آرائشی گول پلیٹیں آگے پیچھے اوپر نیچے لگی تھیں جن کے قطر مختلف تھے۔ وہ ان پر نیلے اور سفید رنگوں سے بنے نقش و نگار سے اچھی طرح واقف تھا کہ کچھ اسی قسم کی پرتگیز وال پلیٹس اس کے 'کچن' میں بھی تھیں۔ ملحقہ غسل خانہ، اے سی اور پنکھا، کوئی چیز یا بات ایسی نہ تھی جو وہ ارادہ بدلتا سوائے اس مکین کے۔

وہ کھڑکی کے پاس آ کے رکا اور اسکوٹی کے آس پاس کی خالی جگہ نے بچا کھچا تامل بھی مٹا دیا۔ احاطے کے اس حصے میں دوسری طرف کی طرح گھاس نہیں بلکہ پکا فرش تھا اور سب سے زیادہ فضیحت کار پارکنگ کی ہی تو تھی۔

"مجھے گھر والوں سے کیا لینا دینا۔ اس گیٹ سے اندر اور اس سے باہر، کسی کو دیکھنا ہے نہ واسطہ رکھنا ہے۔" اس کمرے کے دروازے کے سامنے ہی بڑا گیٹ اور پارکنگ تھی۔

وہ ارجمند کو رات اپنا سامان لے کر آنے کی اطلاع دے کر ہال سے نکلا اور ادھر حبا اپنے کمرے سے۔

"مجھے اب بھی اس مہربانی کی وجہ سمجھ میں نہیں آ رہی۔"

"اس میں سمجھنے والی کیا بات ہے!" انہوں نے لاپروائی سے کہا۔

"وہ اُدھر کے کمرے میں رہے گا اور ہم ادھر۔"

"مگر ہمیں پے اینگ گیسٹ کی ضرورت ہی کہاں ہے؟"

"تمہیں کچھ اسٹیشنری لینے جانا تھا نا۔" انہوں نے سوال نظرانداز کر کے اسے اہم کام یاد دلایا۔

"وہیں جا رہی ہوں۔" وہ جانتی تھی، اب بحث لاحاصل ہے۔

"آجاؤ عاشو۔" اس نے عائشہ کو آواز لگائی۔

وہ لاکھ اعتراض کرتی، اب کچھ نہیں ہو سکتا تھا کہ وہ بندہ رات سامان لے کر آنے کا عندیہ دے کر گیا تھا۔ دروازے کا پٹ اسٹاپر سے ہٹا کے پیچھے فریم

کی کیل میں ٹنگی چابی نکال کر اس نے دروازہ واپس اسٹاپر سے لگایا۔

عائشہ کاندھے پر اپنا ننھا سا پرس ترچھا لٹکائے حاضر تھی۔

"دیر مت کرنا۔" انہوں نے صوفے کے دستے پر سر رکھتے ہوئے ہدایت دی۔

سارا رستہ وہ بغل والے کمرے میں اس اجنبی کی موجودگی اور موجودگی کی وجہ پر کڑھتی رہی۔ اسے کوئی خاص فرق نہ پڑتا اگر عائشہ ایک عام بچی ہوتی یا پھر وہ بھی اس کی طرح عام سا انسان ہوتا۔

☆☆☆

وہ "بائٹ باکس" سے نکلا تب ہی ساڑھے گیارہ ہو رہے تھے۔ سامان کیا تھا اس کے کپڑوں کا ایک بیگ اور ایک لیپ ٹاپ بیگ۔ کتنا ہی اہم اور ضروری سامان اب بھی گھر پر تھا جو وہ لینے بھی نہیں جا سکتا تھا۔ سنیعہ بھی نہیں تھی ورنہ وہ ہی چیزیں اس تک پہنچا دیتی اور سنیعہ کا گھر سے چلے جانا ہی وہ وجہ تھی کہ وہ اب کسی ضرورت کے لیے بھی گھر نہیں جانا چاہتا تھا۔

اس نے ہارن بجائے بغیر ہی گاڑی روکی اور چھوٹے گیٹ سے اندر آیا۔ پھولوں کی ملی جلی خوشبو نے اس کا استقبال کیا۔ اسے شرمندگی نے گھیرا کہ وہ سوئے ہوئے مکینوں کو نہ اٹھا رہا ہو۔ گیٹ کھلنے کی آواز پر ہی پورے احاطے میں روشنی پھیل گئی۔

"آ گیا پے اینگ گیسٹ!" وہ کوفت سے سوچتی باہر آئی۔

ارجمند بستر پر لیٹ گئی تھیں سو وہ انہیں روک کر خود باہر آئی تھی۔

"دروازہ کھلا ہے۔" حبا نے اسے دیکھتے ہوئے ساتھ والے کمرے کی طرف اشارہ کیا۔ وہ پلٹنے لگی تھی کہ صنیع گویا ہوا۔

"اسکوٹی کی کیز۔" وہ رک گئی اور چہرے پر 'کیوں؟' درج کیا۔

"مجھے گاڑی اندر لینی ہے۔" صنیع نے ہاتھ سے گیٹ کے باہر کھڑی کار کی سمت اشارہ کیا۔

"ہینڈل لاک نہیں ہے۔" اس نے کہا اور صنیع کا دل کیا اپنا سر پیٹ لے۔

مزید کچھ بولے بغیر اس نے اسکوٹی کا ہینڈل پکڑا اور گھسیٹ کے دیوار کے قریب کھڑی کر دی۔

"مجھے صبح جانا ہوتا ہے۔" پیچھے سے حبا کی آواز آئی۔

وہ اس کا مدعا سمجھ گیا اور اسے ہلکا سا غصہ آیا کہ اسے اب تو چابی دے دینی چاہیے مگر وہ وہیں کھڑی تماشا دیکھ رہی تھی۔ اس نے گیٹ کھول کر پٹ پورے وا کیے اور اسکوٹی یونہی گھسیٹ کے گیٹ سے باہر کھڑی کی۔ پھر گاڑی میں بیٹھ کے کار اندر لے کر اسے صحیح جگہ کھڑی کی اور دوبارہ باہر جا کے اسکوٹی گھسیٹ کر اندر کر لی۔ یہ ساری مشقت اس لیے تھی کہ صبح اسکوٹی باہر نکالنے کے لیے اسے نیند سے اٹھ کے پہلے گاڑی نہ ہٹانی پڑے۔ جب وہ گیٹ بند کر رہا تھا، حبا اندر چلی گئی۔

بیگ لیے وہ کمرے میں آیا۔ سب کچھ ویسا اور وہی تھا جو وہ دیکھ کر گیا تھا۔ بس مسہری کے ساتھ والی میز پر پانی سے بھرے جگ اور گلاس کا اضافہ ہوا تھا۔

جب وہ نہا کر نکلا تو باہر سے آرہی آواز نے متوجہ کیا۔ وہ کھڑکی کے قریب آیا۔ حبا بڑا گیٹ مقفل کر رہی تھی۔ شور اس زنجیر کا تھا جو گیٹ کی کنڈی پر مکمل بھروسا نہ ہونے کی گواہ تھی۔ اس سے فارغ ہو کے اس نے چھوٹے گیٹ کو تالا لگایا اور پھر جھولے کے قریب جا کے اس پر رکھی کچھ چیزیں اٹھا کر اندر چلی گئی۔ کچھ دیر بعد احاطے کی بتی بند ہو گئی۔ تاہم باہر سڑک کی عوامی بتی کی زرد سی روشنی وہاں مدھم اجالا کیے تھی۔

بڑے دن بعد ڈھنگ کا بستر نصیب ہوا تھا لہٰذا نیند بھی گھیر کر آرہی تھی۔ اس نے سونے سے پہلے فون اٹھا کے دیکھا۔ سنیعہ کا کوئی پیغام تھا نہ اس نے رابطہ کرنے کی کوشش کی تھی۔ وہ بھی اس سے ناراض تھا کہ وہ گھر سے گئی کیوں؟ اس لیے خود بھی اس سے

رابطہ نہیں کر رہا تھا۔ اسی سے وہ آتے ہوئے راستے میں بات کر چکا تھا۔ اس نے بتی بجھائی اور آنکھیں بند کر لیں۔

☆☆☆

اس نے ارجمند کے سامنے سر تو ہلا دیا تھا مگر ارادہ نہیں تھا کہ وہ ناشتہ کرے گا یا کھانا کھائے گا۔ اچھا کھانا اس کی کمزوری تھا اور ظاہر ہے نفاست تو ہر چیز کی طرح کھانے میں تو از حد ضروری تھی۔

جب صبح دروازے پر دستک ہوئی تو اس نے مندی آنکھوں سے فون اٹھا کے وقت دیکھا۔ آٹھ بج کے پچیس منٹ ہو رہے تھے۔ اس نے اٹھ کے ہاتھوں سے بال ٹھیک کیے اور دروازہ کھولا۔ سامنے ٹرے لیے وہ کھڑی تھی۔ بنا کچھ کہے اس کی طرف بڑھائی، صنیع نے تھام لی۔ وہ ابھی پوری طرح جاگا بھی نہیں تھا، اس نے مشکل سے پوری آنکھیں کھولیں پھر منہ کھولا ہی تھا کہ وہ پلٹ گئی۔

"ہیں!" اس نے ہاتھ میں ٹرے کو دیکھا۔

اب دوبارہ سونا بے کار تھا۔ ٹرے رکھ کے اس نے فون دیکھا۔ کسی کا پیغام تھا نہ خطا ہوئی کالز۔

"جانے یہ جلا وطنی، یہ جدائی کتنی طویل ہے!" فون واپس رکھتے ہوئے اس نے سوچا۔

نہانے اور برش کرنے کے بعد اس نے ٹرے میں رکھے ڈھکے پیالوں کو کھولا۔ اشتہا انگیز خوشبو نتھنوں سے ٹکرائی۔ اسے بھاپ اڑاتی روئی جیسی اڈلی، سانبھر اور ناریل کی تازہ چٹنی کی امید نہیں تھی۔ اس نے فوراً چمچہ اٹھایا اور اڈلی کا چھوٹا سا ٹکڑا چمچ میں لے کر سانبھر کے پیالے میں ڈبویا۔

ذائقہ زبان اور منہ میں پھیلتے ہی اس نے کرسی قریب کھینچی اور کسی مقدس کام کی طرح اس نے برتن خالی کیے۔ سانبھر کے معاملے میں اس کی زبان بڑی نخریلی تھی۔ اس کا ماننا تھا کہ صحیح سانبھر ہر کسی کو بنانا نہیں آتا پھر جنوب کی ہر ریاست اور ہر ضلع میں اس کا ذائقہ اور ترکیب بھی مختلف تھی۔

چمچہ ٹرے میں رکھ کے وہ سیدھا ہوا تو ٹرے

دیے کے جانے والی لڑکی کی 'کوکنگ اسکلز' (پکانے کی مہارت) سے از حد متاثر تھا مگر سوچنے پر بھی اس کی صورت یاد نہیں آرہی تھی۔ دروازے پر دستک ہوئی تو وہ پلٹا۔ دروازہ کھلا تھا اور وہاں ارجمند کھڑی تھیں۔

"آئیے نا پلیز۔" وہ اٹھ کھڑا ہوا۔

"تم ناشتے میں کیا پسند کرتے ہو، یہ علم نہیں تھا سو آج عاشو کی فرمائش والا ناشتہ ہی دے دیا۔ اگر بتا دو تو کل سے وہی دیں۔"

"آنٹی! یہ بہت اچھا ناشتہ تھا۔ ویسے میں سب کھا لیتا ہوں۔" یہ نصف سچ تھا۔ ناشتہ وہ دیسی ہی کرتا تھا مگر لذیذ اور روایتی 'آتھینٹک' کھانا اس کی کمزوری تھا۔

"چلیں یہ تو بہت اچھی بات ہے۔ ابھی چائے؟ ویسے اٹھتے ہی چائے چاہیے ہوتی ہے یا آخر میں؟"

"جی پہلے۔"

"اوکے۔ ابھی چائے بھجواتی ہوں۔" وہ چلی گئیں۔

وہ جو سوچ چکا تھا۔ یہاں کھانے کا تکلف نہیں کرے گا کہ اسے صرف ایک آرام دہ بستر کی ضرورت تھی مگر اب وہ خیال کمزور ہو گیا تھا۔

وہ بیگ سے کپڑے نکال کر الماری میں رکھ رہا تھا تب کھڑکی سے اسے مگ لیے عائشہ آتی دکھائی دی۔ اس کے پاس ٹرے نہیں تھی وہ ایک ہاتھ میں مگ تھامے دھیمے دھیمے چلی آرہی تھی۔ وہ دروازے سے باہر آیا۔ اس نے آگے آ کر مگ لینا چاہا کہ وہ بہ عجلت گویا ہوئی۔

"میں اندر آ کر دوں گی۔" وہ احتیاط سے مگ پر نظریں رکھے تھی۔ وہ پیچھے ہو گیا۔

اس نے پوری کوشش کی نظر اس عجیب سے بازو پر نہ پڑے مگر پل بھر کی غفلت میں کہنی سے ذرا نیچے چند انچ کے بعد انگلیوں کے نام پر جڑے گوشت کے وہ ٹکڑے دیکھتے ہی اسے جھرجھری آئی، رونگٹے

کھڑے ہو گئے۔ شکر تھا بچی کی مکمل توجگ پر تھی۔

"دیکھا!" دروازے میں پہنچ کر اس نے فخر سے گردن اونچی کی۔

"میں نے اسی لیے مما اور پاپا کو پیچھے آنے نہیں دیا کیوں کہ مجھے معلوم تھا، میں گراؤں گی نہیں۔" صنیع نے لے لیا۔

"تھینک یو۔" وہ کمرے کے اندر نہیں آئی تھی۔

اس وقت وہ جوتوں سمیت یونیفارم پہنے اسکول جانے کے لیے تیار تھی۔

"آپ بھی اسکول کی تیاری کر رہے ہیں؟" اس نے اندر کھلی الماری اور پلنگ پر رکھے کپڑے دیکھتے ہوئے پوچھا۔

"نہیں۔" وہ مسکرایا۔

"عاشو!" دوسرے دروازے سے حبا اسے پکارتی باہر آئی۔

"چلو۔" اسے آنے کا اشارہ کرتی وہ تیزی سے اسکوٹی کے پاس گئی۔

"دیر ہو گئی ہے۔" اس کے ایک ہاتھ میں عائشہ کا بستہ تھا اور دوسرے شانے پر اپنا پرس جھول رہا تھا۔

عائشہ اسے دیکھ کے ہاتھ ہلاتی نیچے اتر گئی۔ حبا نے بیگ آگے رکھا، چابی لگائی۔ عائشہ اس کے پاس جانے کے بجائے بغل کا چھوٹا گیٹ پورا کھول چکی تھی۔ اس نے اسکوٹی گیٹ سے باہر نکال کے روکی۔ اسے احساس نہیں تھا، وہ منہ کھولے کچھ حیران سا عائشہ کو خود سے پیچھے بیٹھتے دیکھ رہا تھا۔ اس کی حرکات دیکھتے ہوئے وہ لاشعوری طور پر اس کی مشکل یا کام مکمل نہ ہونے، بگڑنے یا اس کے مدد کے لیے پکارنے کا منتظر تھا۔

"اللہ حافظ۔!" بازو والے دروازے سے نکلتی ارجمند کی آواز پر وہ ٹھٹھکا جواب گیٹ کی طرف جا رہی تھیں۔ وہ دونوں انہیں دیکھے، پلٹے بنا ہی بلند آواز میں 'اللہ حافظ' کہتی آگے بڑھ گئیں۔ ارجمند گیٹ بند کر کے واپس آئیں۔ اسے احساس ہوا کہ یہ ان تینوں کا معمول تھا۔ اس نے انہیں مخاطب کیا۔

"آپ کا گارڈن بہت خوبصورت ہے۔"

"شکریہ۔ یہ سب حبا کی محنت ہے۔ اسے بھی اپنے پاپا کی طرح بے انتہا شوق ہے۔" انہوں نے اپنے مختصر اور خوبصورت احاطے پر نظر ڈالی۔

"میں دوپہر میں نہیں آؤں گا لیکن رات کا کھانا یہیں کھاؤں گا۔" اسے باغیچے میں دلچسپی تھی، اچھے کھانے میں بھی لیکن باغیچہ سنوارنے والی اور پکانے والی میں نہیں۔ وہ ایک دو بات کے بعد اندر چلی گئیں اور اس نے جھولے پر بیٹھ کے چائے ختم کی۔

☆☆☆

اس نے سند تو بزنس ایڈمنسٹریشن کی لی تھی اور اس کا شوق بھی یہ ہی تھا مگر اس کا ایک اور شوق تھا جو گھر میں کوئی سمجھتا نہیں تھا۔ سارے خاندان کے نزدیک پکانے کھانے اور اسے سجانے کا شوق لڑکیوں کو ہو تب ہی وہ خوبی ہوتا ہے۔

اس کے خواب تو بڑے تھے تاہم اس نے آغاز 'ٹیک اوے' سے کیا تھا۔ اس کے دوست تابش اور اس نے مل کے دو سال قبل 'بائٹ باکس' شروع کیا تھا۔ جہاں آرڈر لیے جاتے تھے مگر وہیں بیٹھ کر کھانے کی سہولت نہیں تھی۔ فوڈ ڈیلیوری ایپس کی بہتات نے ان کا کام آسان اور کامیاب بنا دیا تھا۔

کچھ عرصہ پہلے اس نے شوقیہ ہی اپنے تجربات کی ویڈیوز بنانا شروع کیں جو تابش کے کہنے پر یوٹیوب چینل پر اپ لوڈ کیں تو یہ کام بھی چل پڑا۔ بقول تابش اس کے سبسکرائبرز میں نوے فی صد لڑکیاں تھیں جو پکانے یا سیکھنے کے لیے نہیں اس کی صورت پر فریفتہ ہو کے اسے 'فالو' کر رہی تھیں۔ وجاہت تھی تو سہی اسے اس کا احساس بھی حد سے سوا تھا۔ اس کا سارا خاندان ہی حسن و جمال میں اپنی مثال آپ تھا اور اب اس کے بے گھر ہونے کی وجہ بھی۔

رات وہ گھر پہنچا تو دس بج چکے تھے۔ وہ سارا راستہ کھانے میں کیا ہوگا، سوچتا رہا تھا۔
صبح اس نے غور نہیں کیا تھا اور پھر وہ دونوں چلی گئیں تو ادھر صرف ارجمند تھیں مگر اس وقت دوسری طرف سے باتوں کی آوازیں آ رہی تھیں۔ ہال اور اس کے کمرے کے درمیان میں دروازہ تھا جو بند تھا۔
"میں صنیع کو کھانے کے لیے ادھر ہی بلا لیتی ہوں۔" ارجمند کی آواز دھیمی تھی۔
"مما! میں گرم کر دیتی ہوں۔ آپ ادھر ہی دے آئیں۔" ارجمند جیسی احتیاط اس کی آواز میں نہیں تھی۔
"اچھا نہیں لگتا بیٹا۔ اچھا رکو، پوچھ لیتی ہوں، تم کچن میں دیکھ لو۔"
جب ارجمند نے پوچھا تو اس نے یہیں دے دیں کہا۔
کچھ دیر بعد وہ کھانا لیے آئیں تو ساتھ عائشہ بھی تھی اس کے ہاتھ میں پانی کی بوتل تھی۔ اسے ان دونوں پر بھی حیرت تھی جو کیسے اسے چیزیں پکڑائے جا رہی تھیں۔
"تھینک یو۔" اس نے باری باری دونوں سے چیزیں لے کر میز پر رکھیں۔
"ہو جائے تو آواز دینا، برتن لے جاؤں گی۔" ارجمند نے کہا۔
"مجھے آواز دینا۔" عائشہ نے اچک کر حکم دیا۔
"ہماری عاشو کو بڑوں والے کام کرنے کا بہت شوق ہے۔" انہوں نے اس کے بالوں پر ہاتھ پھیرتے ہوئے دلار سے کہا۔
"چلو، اب انکل کو کھانے دو۔" وہ اسے لیے چلی گئیں۔
سلیقے سے کٹا، سجا سلاد، دال پر لگا تڑکا، خوش رنگ بھنڈی پر بکھرا ہرا دھنیا اور سنہری موتیوں جیسے نقش والے سنکے پھلکے، اس کا دل خوش ہو گیا۔
اس نے بڑی رغبت سے سیر ہو کے کھایا اور ہر لقمے پر پکانے والے کی صلاحیت کو سراہا۔

☆☆☆

بال خشک کرتے ہوئے وہ نظروں کو سیراب کرنے کمرے سے باہر آیا تو برآمدے میں زینے کے پاس عائشہ کسی کاغذ پر جھکی تھی۔ آس پاس رنگ بکھرے تھے۔ مارے تجسس کے وہ قریب آیا۔
عائشہ نے سر اٹھا کے دیکھا اور سلام کیا۔
"کیا ہو رہا ہے؟" اس نے جوابی سلامتی کے بعد دریافت کیا۔ جواب دینے کے بجائے وہ سر اٹھا کے پیچھے ہوئی تا کہ وہ خود دیکھ لے۔ صنیع ذرا سا جھکا۔
ایک گڑیا کی تصویر تھی جس کے کپڑوں میں وہ رنگ بھر رہی تھی۔ جب ذرا غور کیا تو واضح ہوا کہ وہ دراصل ڈریس کا اسکیچ ہے۔
"آپ کو ڈیزائننگ کا شوق ہے؟"
عائشہ نے سر ہلایا۔ جامنی اسکیچ پین اٹھا کے پیر کے پنجے کے نیچے دبایا اور سلیقے سے ہاتھ سے اس کا سرپوش کھینچ کے الگ کیا پھر اسکیچ پین بائیں ہاتھ میں لے کر رنگ بھرنے لگی۔ وہ چپ چاپ اسے دیکھتا رہا۔
کاغذ کو جگہ پر رکھنے کے لیے وہ اس کا ایک گوشہ پیر کے انگوٹھے سے دبائے تھی اور ایک طرف اپنے نامکمل بازو کی کہنی رکھی تھی۔ جامنی رنگ کا کام ہونے پر اس نے اسکیچ کو گردن کے پاس رکھ کر ٹھوڑی سے دبایا تا کہ وہ گرے نہیں اور پھر جس ہاتھ سے پین گردن کے پاس رکھا تھا، اسی سے سرپوش لگا کے ٹھوڑی ہٹا دی۔ اسکیچ پین نیچے گر گیا۔
"آپ کو بھی ڈرائنگ اور کلرنگ کا شوق ہے؟" اب کی دفعہ اس نے دوسرے اسکیچ پین کا سرپوش دانتوں سے کھینچ کر الگ کیا۔
"اونہوں۔" وہ اپنے کاموں کے لیے اس کی اکتسابی عادات پر متحیر تھا۔ اس کے وہاں موجود ہونے کے باوجود اس نے مدد نہیں مانگی تھی۔ دوسرے بازو کی کمی وہ خود پوری کر رہی تھی۔
"آج آپ کی چھٹی ہے؟" ذرا وقفے کے

بعد صنیع نے پوچھا۔
''ہوں۔ کیا آپ کی بھی چھٹی ہے؟''
''نہیں۔''
''آپ ابا کی طرح اسکول نہیں جاتے تو کون سے آفس جاتے ہیں؟'' اس نے ہاتھ روک کے سر اٹھایا۔ اس کی تصویر میں سارے رنگ بھرے جا چکے تھے۔
''شیف آفس۔'' اسے سمجھانے کے لیے اس نے آسان لفظوں کا انتخاب کیا۔
''آپ شیف ہیں؟'' پہلی بار اس کے چہرے پر حیرانی اور خوشی کا ملا جلا تاثر پھیلا۔
''ہوں۔'' اس نے پرسوچ سا اوں لمبا کھینچا۔ ''ٹیکنیکلی تو نہیں مگر۔''
''عاشو!'' اندر سے آئی صدا پر اس کی وضاحت ادھوری رہ گئی۔
''اتوار کی چھٹی نہیں کرتے؟'' عائشہ کو بلانے آئی ارجمند نے اسے دیکھتے ہی سوال داغا۔
''نہیں۔'' وہ مسکرایا۔
''آجاؤ۔ آج ہمارے ساتھ ناشتہ کرو۔''
وہ تولیہ کمرے میں رکھنے آیا۔ ٹی شرٹ اتار کر اس نے ہینگر سے شرٹ نکالی اور یونہی شیشے میں اپنے عکس پر نظر پڑ گئی۔ ہمیشہ اپنی صورت دیکھ کر مسکرانے والا جانے کیسے آج اپنے دونوں بازو دیکھ کے مسکرانا بھول گیا۔
''صنی انکل!'' باہر سے عائشہ نے پکارا تو اس نے شرٹ پہنی اور بٹن بند کرتا باہر آیا۔
عائشہ کے پیچھے کھانے کی میز تک پہنچا جو باورچی خانے میں ہی تھی۔
''آؤ بیٹھو۔'' ارجمند نے کرسی کھسکاتے ہوئے کہا اور مگ میں چائے چھان رہی حبا چونک کے پلٹی۔ وہ کرسی پر بیٹھ رہا تھا۔ اب کچھ نہیں ہو سکتا تھا سو چپ رہی۔
کشادہ اور جدید طرز کا باورچی خانہ اسے پسند آیا۔ جہاں کاؤنٹر پر سلیقے سے رکھے مختلف اپلائنس گھر میں پکانے کے شوقین کی موجودگی کے شاہد تھے۔ اسے خوش گوار سا احساس ہوا۔
ناشتے میں آلو کے پراٹھے تھے اور اسے لگا اس سے اچھے پراٹھے آج سے پہلے اس نے کبھی نہیں چکھے تھے۔ وہ تینوں بات کر رہے تھے جو عائشہ کے سوالوں کے جواب پر مشتمل تھی جب کہ حبا خاموشی سے اپنا پراٹھا ختم کر کے چلی گئی تھی۔

☆☆☆

اس نے دو بار ہال کے داخلی دروازے سے باہر دیکھا۔ بازو والے کمرے کی جلتی بتی کی روشنی احاطے میں بھی اجالا کر رہی تھی۔
''اب سو بھی جائے انسان!'' اس نے جھنجھلا کے سوچا۔
ارجمند اور عائشہ کے سو جانے کے بعد کچھ دیر باہر جھولے پر خود کے ساتھ وقت گزارنا اس کا معمول تھا۔ یہ اس کا 'می ٹائم' ہوتا تھا۔ اکثر بچوں کی کاپیاں اور پرچے بھی وہ وہاں بیٹھ کر جانچتی تھی۔ بغل والے کمرے کی کھڑکی سے جھولا دکھائی دیتا تھا اور وہ اسی لیے اس کے سو جانے یا بستر پر جانے کا انتظار کر رہی تھی۔
اپنا مگ تیار کرنے کے بعد اس نے ہال سے تیسری دفعہ جھانکا تو بتی بجھ چکی تھی۔
''شکر ہے۔'' وہ باہر نکلی۔
صنیع نے نماز پڑھ کے بتی بجھا دی تھی۔ ارادہ سونے کا تھا لیکن جب میز سے فون اٹھایا تو سدیعہ کا پیغام تھا۔ وہ وہیں کھڑا رہ گیا۔
''کیسے ہیں؟''
''یہاں میرے پاس وقت نہیں تو آپ ہی میسج یا کال کر لیں۔''
''گھر کیوں چھوڑا غصے میں؟''
''میں ٹھیک ہوں، میری فکر نہ کریں۔''
''گھر جائیں واپس۔''
عادتاً اس نے ہر بات ایک الگ سطر میں لکھی تھی۔

قارئین اب گھر بیٹھے پرچا حاصل کرسکتی ہیں

ہماری بہت سی قارئین جو دور دراز علاقوں میں رہتی ہیں ان کے لیے اکثر و بیشتر پرچوں کا حصول دشوار ہوتا ہے اور موجودہ حالات نے تو اسے مزید دشوار بنا دیا ہے۔ جس کی بناء پر ہماری قارئین کو پرچا حاصل کرنے میں دشواری کا سامنا ہے۔ ان حالات میں آپ کو گھر بیٹھے پرچا مل سکتا ہے۔

ہم آپ کے دروازے پر پرچا پہنچائیں گے اور آپ کو اس کے لیے صرف پرچے کی قیمت ادا کرنا ہوگی۔ کوئی اضافی رقم آپ سے وصول نہیں کی جائے گی۔ پرچے کی پیکنگ اور ڈاک کے اخراجات ادارہ برداشت کرے گا۔ ہمیں درج ذیل رقم بھجوا کر آپ ہر ماہ باقاعدگی سے گھر بیٹھے پرچا حاصل کرسکتی ہیں۔

اگر آپ کو پرچا اندرون ملک نہیں مل پایا ہے تو آپ ایک پرچے کی رقم -/150 روپے بھجوا کر پرچا حاصل کرسکتی ہیں۔

رقم بھجوانے کا آسان ترین طریقہ ایزی پیسہ ہے۔

آپ کسی بھی ایزی پیسہ شاپ، ایزی پیسہ موبائل ایپ یا بنک اکاؤنٹ سے ہمارے اکاؤنٹ نمبر 0317-2266944 میں رقم بھیج کرسکتے ہیں۔

سالانہ خریدار اندرون ملک قارئین کے لیے:

فی ڈائجسٹ -/1800 روپے بھجوائیں

سالانہ خریدار بیرون ملک قارئین کے لیے:

بیرون ملک پاکستانی درج ذیل طریقہ سے رقم بھجوائیں۔

ڈرافٹ بنام "عمران ڈائجسٹ، اکاؤنٹ نمبر 0010000015680030، الائیڈ بینک لمیٹڈ، عیدگاہ برانچ، کراچی، آن لائن کے لیے "PK44ABPA0010000015680030"، کوشش کریں کہ ڈرافٹ یا چیک کراچی کی کسی برانچ کا ہو اگر کراچی کے علاوہ کسی اور شہر کا ہو تو -/500 روپے زیادہ روانہ کریں، کیونکہ دوسرے شہر کا چیک ہونے کی صورت میں بینک -/500 روپے کمیشن کاٹتا ہے۔

فی ڈائجسٹ ایشیا، افریقہ، یورپ -/22000 روپے، امریکہ، کینیڈا، آسٹریلیا -/25000 روپے،

کسی بھی معلومات اور آڈر کے لیے اس واٹس اپ نمبر 0317-2266944 پر رابطہ کریں

ایجنٹ حضرات اس واٹس اپ نمبر 03312266944 پر رابطہ کریں

"ٹھیک میں بھی ہوں، مصروف بھی اور گھر بھی جاؤں گا جب ابا مان جائیں گے۔" اس نے بھی عادتاً سارے جواب ایک ساتھ لکھ کر بھیج دیے۔

فون لیے پلنگ کی طرف جا رہا تھا کہ کھڑکی پر نظر پڑی اور باہر حبا کو دیکھ کر وہ ٹھٹھک گیا۔ وہ پیر اوپر کیے مگ تھامے بیٹھی تھی۔ جس حلیے میں اس نے اسے اب تک دیکھا تھا وہ اس سے یکسر مختلف تھی۔ شب خوابی کا ڈھیلا ڈھالا پاجامہ اور ٹی شرٹ، بال کھلے تھے جن کا پیارا 'اسکرنچی' اس کی کلائی پر تھا۔ دونوں ہاتھوں میں مگ تھا اور وہ پیچھے سر ٹکائے آسمان کو دیکھ رہی تھی۔ اس نے سر سیدھا کر کے مگ سے ایک گھونٹ بھرا۔ پیر نیچے کیے اور ان کے زور سے جھولے کو ذرا سا پیچھے کیا۔ جھولا ہلنے لگا، اس نے پیر واپس اوپر کر لیے لیکن اب سر اٹھا کے آسمان کو نہیں دیکھا۔ اس کا انداز ویسا ہی پرسکون، لاپروا اور دھیما تھا جیسا تنہائی سے لطف اٹھانے والے کا ہوتا ہے۔

"یہ بیوہ ہے یا مطلقہ؟" پہلی بار اس نے حبا کے متعلق کچھ سوچا۔

فون کی اطلاعی سرگوشی نے اسے متوجہ کیا۔ اس نے جھٹ دیکھا کہ سعیعہ نے جواب دیا ہوگا لیکن وہ تابش تھا۔ اس نے بے دلی سے فون بستر پر اچھالا اور خود بھی لیٹ گیا۔

☆☆☆

وہ غسل خانے سے نکلا تو دوسری جانب معمول سے زیادہ آوازیں آرہی تھیں۔

"تڑپ تو میں بھی رہی ہوں اپنے پوتے کو دیکھنے کے لیے لیکن حبا اور عاشو کو چھوڑ کے بھی نہیں آسکتی۔" ارجمند حبیب سے کہہ رہی تھیں۔

"یہ ایسا مسئلہ نہیں امی! جس کا سلیوشن نہ ہو۔ آپ انہیں خالہ کے پاس چھوڑ دیں یا تائی اور رضا کو یہاں بلالیں۔" یہ کسی مرد کی آواز تھی۔ وہ غالباً ویڈیو کال پر بات کر رہے تھے۔

"ویسے ہے کہاں حبا؟"

"اسکول کی تیاری کر رہی ہیں دونوں۔ حبا!" انہوں نے بلند آواز میں پکارا۔

"یہ وقت کیسی افراتفری کا ہوتا ہے، تم تو جانتے ہو۔" انہوں نے بیٹے کو پرانا وقت یاد دلایا۔

"حبا کی لیٹ اٹھنے کی عادت اب تک نہیں گئی، پاپا مجھے ہمیشہ ڈانٹتے تھے لیکن وہ جتنا لیٹ کرے اسے کبھی ایک لفظ نہیں کہا۔" بچپن کا شکوہ اب تک ہنوز تھا۔

"برائیاں ہی کیا کریں میری، السلام علیکم۔" حبا کی آواز میں پہلی بار اس نے چہک اور کھنک محسوس کی۔

"وعلیکم اسلام۔" اس کا انداز جتاتا تھا۔

"ٹیچر بننے کے بعد بھی جلدی اٹھنا نہیں سیکھا۔" وہ تب 'مارننگ واک' کے بعد بھی سونے کی عادی تھی اور اب بھی فجر کے بعد سونا لازمی تھا۔

"وقت پر پہنچ جاتی ہوں، کبھی لیٹ نہیں ہوتی یہ اہم ہے۔" وہ بالوں میں برش کرتی آئی تھی، برش صوفے پر رکھ کے چوٹی گوندھنے لگی۔

"اور آپ جان بوجھ کر اس وقت کال کرتے ہیں تاکہ میں لیٹ ہو جاؤں۔"

"یار! گھر میں تو اب چھوٹو کی وجہ سے وقت ہی نہیں ملتا۔ بس یہ ٹریول کے دوران ہی کبھی موقع مل جاتا ہے۔" وہ اب بھی کار سڑک کے کنارے روک کے بات کر رہا تھا۔

"کیسے ہیں بچے، بھابی اور چھوٹو۔ نام نہیں رکھا ابھی تک؟"

"اسی لیے کال کی تھی۔ دو ناموں کو برابر ووٹ ملے ہیں؟ اب آپ دونوں فیصلہ کن ووٹ دیں، براہ مہربانی ٹائی مت کیجیے گا۔"

"او کے نام بتائیں اور آپ نے کسے ووٹ دیا وہ بھی۔" اب کے اسے حبا کی آواز میں شرارت محسوس ہوئی۔

"ہاہا۔ آپ دونوں پہلے ووٹ دیں پھر بتاؤں گا، احمد اور بلال۔"

"بلال۔" ارجمند نے فوراً انتخاب کر لیا۔

"اب چوں کہ یہ فیصلہ کن ووٹ ہے۔" وہ ڈرامائی انداز میں رک گئی۔

"اس لیے میں بھی مما کے ساتھ۔" حبیب سر ہلاتے ہوئے ہنسنے لگا۔

"اب بتائیں بھی۔"

"میرا اور عنایہ کا ووٹ احمد کو تھا۔" عنایہ، حبیب کی جڑواں بیٹیوں میں سے ایک تھی۔

"چلیں مبارک اور اب بلال کی تصویریں ہی نہیں بھیجیں، اس کی حرکتیں بھی دکھائیں۔ اور مجھے اپنا ریکارڈ توڑتے لیٹ نہیں ہونا اس لیے اللہ حافظ۔۔"

"اللہ حافظ۔۔" حبیب نے ہاتھ ہلایا۔ وہ چلی گئی۔ حبیب ماں سے ان کی طبیعت اور روٹین چیک اپ کی تاریخ پوچھ رہا تھا۔

ادھر وہ حیران تھا کہ اس گفتگو میں عائشہ کیوں شامل نہیں ہوئی۔

☆☆☆

وہ اس گھر اور اس کے مکینوں سے مانوس ہو گیا تھا۔ کسی دن تابش 'بائٹ باکس' پر ہوتا تو وہ دوپہر میں گھر آجاتا۔ شام کی چائے اس خوبصورت گوشے میں اس کا پسندیدہ وقت ہو گیا تھا۔ عائشہ کو دیکھ کر اب اس کی وہ کیفیت نہیں ہوتی تھی جو اول اول تھی۔ ہر دن اس کے متعلق ایک نیا انکشاف اسے حیرت کدہ پہنچا دیتا تھا۔

حبا اور اسے دونوں کو ایک دوسرے سے کوئی غرض تھی نہ کوئی آپسی قضیہ تھا۔ وہ دونوں ایک دوسرے سے بے نیاز ہی رہتے تھے۔

اتنے دنوں میں کئی نئی باتیں اس کے علم میں آئی تھیں۔ حبا اسی اسکول میں پڑھاتی تھی جس اسکول میں عائشہ پڑھتی تھی۔ اس کا بڑا بھائی اپنے بیوی بچوں کے ساتھ امریکہ میں تھا۔ اس خوب صورت باغیچے کو وہ روز شام پائپ لگا کے پانی دیتی تھی، البتہ اتوار کا پورا دن وہ یہیں نظر آتی۔ اس دن وہ جانے کیا کیا کرتی رہتی تھی۔ اکثر مٹی سے سنے ہاتھ، بکھرے بال، بالوں میں اٹکے پتے اور چہرے پر لگی دھول کے ساتھ وہ بھی اسے دیکھتا تھا۔ گملوں کی جگہ بدلنا، پودوں کی کٹائی چھٹائی، کیاریوں کی صفائی، کھاد اور گوڈی، جانے کیا کیا ہوتا تھا اس ایک دن میں۔ اس سے سن سن کر کئی پودوں کے نام اور شکلیں بھی اسے یاد ہونے لگی تھیں۔

ہال میں ہو رہی گفتگو اسے ساری کی ساری سنائی دیتی تھی اور اس بات کا حبا کو احساس تھا۔ وہ ہی دبی آواز میں بات کرتی تھی اور جب بات کا رخ زیادہ ذاتی یا سنجیدہ ہوتا وہ باقی دونوں کو ٹوک دیتی یا کسی بہانے ان دونوں کو اندر لے جاتی۔

آج اتوار تھا اور وہ پائپ لگائے اپنی کار دھو رہا تھا۔ اس نے صبح سنیعہ کو پیغام بھیجا تھا کہ کسی طرح آج وہ اس سے باہر ملے یا وہ اسے لینے آجائے گا مگر ابھی تک اس کا جواب نہیں آیا تھا۔

عائشہ آس پاس ہی تھی۔ کبھی حبا کی مدد کرتی پھر اسے ادھورا چھوڑ کے اس کے پاس مدد کی پیشکش کے ساتھ حاضر ہوتی۔

"یہ کیا ہوا ہے؟" عائشہ نے بائیں ہاتھ کی انگلی سے لپٹی بینڈ ایج اسٹرپ کو دیکھ کے پوچھا۔

"یہ......" اس نے اپنی انگلی کو دیکھا۔

"کل ریکارڈنگ کے دوران نائف لگ گیا تھا۔"

"کون سی ریکارڈنگ؟" صبیح نے ہاتھ روک کے اسے دیکھا۔

"آپ نے یوٹیوب پر کوکنگ چینلز دیکھے ہیں؟"

"ہاں۔"

"ویسا ہی میرا بھی ایک چینل ہے اسی کے لیے ویڈیو ریکارڈ کرتے ہوئے کل یہ چھوٹا سا حادثہ ہوا ہے۔" وہ دوبارہ کام کرنے لگا۔

"آپ نے وہ بھی ریکارڈ کرلیا؟"

"کیمرہ آن تھا سو ہو گیا۔" وہ ہٹ کے بعد دروازے کی طرف آیا۔

"میں آپ کے چینل پر وہ دیکھ سکتی ہوں؟" وہ

اس کے پیچھے پیچھے چل رہی تھی۔

"نہیں وہ ایڈیٹ ہو جائے گا یعنی وہ پورشن نکال دیا جائے گا۔"

"کیوں؟" اس کا واسطہ کبھی بچوں سے نہیں پڑا تھا اور پہلی بار ہی اس سے جو بچی ٹکرائی وہ بھی عام نہیں تھی۔

"مجھے دیکھنا ہے۔" وہ چپ رہا تو عائشہ نے کہا۔

"اوکے۔" وہ اس کی ٹیڑھی گردن اور چندھی آنکھیں دیکھ کر مسکرایا۔

"آپ دیکھیے گا۔"

"کب آئے گا، کون سے چینل پر؟" وہ پرجوش ہوگئی۔

"سنیز کچن۔" اسے یہ نام ذرا پسند نہیں تھا جو تابش کا تجویز کردہ تھا۔ اسے امید نہیں تھی کہ چینل چل پڑے گا یا وہ سنجیدگی سے چینل چلائے گا لہٰذا بہتر اور موزوں نام کے لیے دماغ پاشی بھی نہیں تھی۔

"جس دن آئے گا، آپ کو بتا دوں گا۔"

"اوکے۔"

"اب آپ ادھر جا کے ٹیپ اوپن کریں۔" اس نے پکے فرش پر رکھا پائپ اٹھایا۔

عائشہ دوڑتی دیوار کے پاس گئی جہاں نلکے میں پائپ لگا تھا۔ تب ہی حبا نے اسے پکارا۔

وہ دیکھ رہا تھا کہ وہ کام کے دوران عائشہ کو بھی ساتھ لگائے ہوئے تھی مگر اس کے جملے یوں نہیں تھے کہ یہ کردو، وہ کردو بلکہ وہ 'مجھے تمہاری ہیلپ چاہیے یا مجھ سے نہیں ہو رہا، تم بھی آؤ یا یہ مل کے کرتے ہیں۔' اس قسم کے تھے۔

رات کے کھانے کے بعد جب وہ اگلے دن کے لیے اپنا بیگ تیار کر رہی تھی تب عائشہ نے اس کا فون اٹھایا۔

"مجھے انکل کا چینل دیکھنا ہے۔"

"کون انکل؟"

"صنی انکل۔" وہ یوٹیوب کھول چکی تھی۔ حبا کو صنی سمجھنے میں دیر نہیں لگی۔

"ان کا یوٹیوب چینل ہے؟" حبا کا لہجہ سرسری تھا ظاہر ہے آج کل یہ کوئی خاص بات تو نہیں رہی تھی۔

"ہمم۔ سنی ز کچن۔" وہ فون پلنگ پر رکھے سرچ بار میں ٹائپ کر رہی تھی۔

"میں ہیلپ کروں؟" اس نے بیگ ایک طرف رکھا۔

عائشہ نے فون اٹھا کے اس کی سمت بڑھایا۔ حبا فون ہاتھ میں لیے اس کے قریب ہی بیٹھ گئی تا کہ وہ بھی دیکھ سکے۔ دو تین طرح سے اسپیلنگ بدل کے چند چینلو دیکھنے کے بعد انہیں ایک ویڈیو میں صنیع کی شکل نظر آ ہی گئی۔

"جس دن وہ ویڈیو آئے گی، انکل بتائیں گے۔" عائشہ نے اطلاع دی۔

"کون سی ویڈیو؟" حبا نے فون اس کے ہاتھ میں دے دیا۔

"کوکنگ کرتے ہوئے نائف لگ گیا تھا، وہ ویڈیو۔"

وہ فون واپس پلنگ پر رکھے ویڈیو دیکھنے لگی۔ حبا نے مزید کوئی سوال نہیں کیا۔

مگر عائشہ کے سونے کے بعد جب وہ باہر جھولے پر آئی تو فون میں 'سنی ز کچن' کھنگال رہی تھی۔ خاصے سبسکرائبر تھے اور اسی لحاظ سے نیچے تبصرے بھی بے شمار تھے۔ اکثر لڑکیوں کے جملے کھانے یا ترکیب سے نہیں بلکہ کک کے 'لک' سے متعلق تھے اور کک کو بھی اس بات کا پورا احساس تھا۔ چند آرا پڑھنے کے بعد اس نے فون بند کر کے ایک طرف رکھ دیا۔

"سوفل آف سیلف!" اس نے کھڑکی کو دیکھتے ہوئے سوچا۔ جس کے دوسری جانب آج وہ جلد سو گیا تھا۔

☆☆☆

وہ ٹرے دینے آیا تھا۔ گھر میں سناٹا تھا اور ہال

خالی۔ اس نے ہلکے سے دروازے پر دستک دی مگر جواب ندارد۔ وہ اندر چلا آیا۔ ارادہ تھا، تپائی پر ٹرے رکھ دے گا لیکن جب اندر سے باتوں کی آواز آئی تو وہ آگے بڑھا۔ باورچی خانہ اسے معلوم تھا اور خیال تھا آوازیں وہیں سے آرہی ہیں تاہم باورچی خانے کے دروازے پر پتا چلا آواز ارجمند کی تھی اور ان ہی کے کمرے سے آرہی تھی۔

"انہیں تو حبا پسند آئی تھی، لڑکا مجھے بھی اچھا لگا تھا، سلجھا، سمجھ دار، میں تو چاہ رہی تھی یہاں بات بن جائے۔ وہ اسی شہر کے لوگ تھے، پاس ہی رہتی حبا۔"

"پھر کہاں گڑبڑ ہوئی؟"

"سب کی ایک ہی ڈیمانڈ ہوتی ہے عائشہ کو ساتھ نہ رکھنے کی اور حبا کی پہلی شرط ہی یہ ہے۔"

"مما! اسی لیے تو میں اس ارینجمنٹ کے اگینسٹ تھا۔" وہ آواز اور لہجہ پہچان گیا تھا۔ ارجمند حبیب کے ساتھ ویڈیو کال پر تھیں۔

"آپ کہیں تو اب بھی عائشہ کا انتظام ہو جائے گا، مجھے بات کرنے دیں۔"

"حبا کبھی نہیں مانے گی۔"

"تو کیا اس ضد کی وجہ سے ہم اسے اپنی زندگی برباد کرنے دیں؟ وقت نکلا جا رہا ہے، اچھے خاصے پروپوزل اس ضد کی وجہ سے ریجیکٹ ہو رہے ہیں۔" حبیب کی آواز قدرے اونچی ہوگئی تھی۔

"تم صحیح ہو بیٹا! لیکن وہ اس بات سے ایک انچ ہٹنے پر تیار نہیں۔ عاشو کے معاملے میں اسے اپنے علاوہ کسی پر اعتبار نہیں۔"

"وہ ہماری ذمہ داری نہیں ہے۔ آپ ایک بار مجھے حبا سے بات تو کرنے دیں۔"

"نہ بیٹا! میں نہیں چاہتی، تم بہن بھائی کا رشتہ اس وجہ سے خراب ہو۔ وہ اس معاملے میں بہت جذباتی ہے۔ میں سمجھاؤں گی اسے۔"

"اٹس ہائی ٹائم مما۔ اب اگر کوئی معقول پروپوزل ہوا تو میں چپ نہیں بیٹھوں گا۔"

صنیع الٹے پیر ہال میں آیا اور برتن تپائی پر رکھ کے باہر چلا گیا۔

"ایسا لگتا ہے، ہر گھر کا مسئلہ بس ایک ہی ہے، شادی!" گاڑی کی طرف جاتے ہوئے وہ سوچ رہا تھا۔

☆☆☆

وہ ہال کے داخلی دروازے کے دونوں جانب رکھے بڑے گملوں میں، پودے کے اطراف چھوٹے چھوٹے رنگین پتھر جما رہی تھی۔ جو پہلے بھی وہیں تھے لیکن آج اس نے وہ وہاں سے نکال کے دھوئے تھے اور اب خشک کرنے کے بعد واپس رکھ رہی تھی جب اندر اس کا فون بجنے لگا۔

"عاشو! فون ادھر دے دو۔" اس نے وہیں سے آواز لگائی۔ عائشہ فون پکڑا کر واپس بھاگی کہ یہ اس کا ٹی وی دیکھنے کا وقت تھا۔

کال رضا کی تھی، اس نے ریسیو کی۔ اسپیکر آن کیا کہ دونوں ہاتھ مصروف اور قدرے میلے تھے۔

"میں بتاتی ہوں۔" اس نے رضا کی ہیلو کے جواب میں پہلے ہی اندازہ پیش کیا۔

"پھر مما نے آپ سے میری شکایت کی ہے۔"

"کی تو ہے مگر میں نے شکایت کی وجہ سے فون نہیں کیا بلکہ تمھاری یاد آرہی تھی۔"

"بڑی جلدی آئی۔" اس نے جتایا۔

"تمھیں تو وہ بھی نہیں آئی۔" وہ اس روایتی سی لڑائی پر ہنس رہا تھا۔

"آپ کو بھی پتا ہے، کیوں نہیں آئی۔" اس نے نیلا چکنا سا پتھر سفید پتھر کے قریب جماتے ہوئے اسکرین پر رضا کو مسکرا کے دیکھا۔

"ہمم۔ چچی اس لیے ناراض ہیں کہ تمھاری شرط پر تو شادی ہونے سے رہی۔"

"آپ بات بدل رہے ہیں۔" اس کی مسکراہٹ گہری ہوگئی۔

"یہی سمجھو۔ میرے لیے وہ ذکر آسان نہیں۔" انہوں نے دھیمے سے کہتے ہوئے اردگرد دیکھا کہ کوئی سن نہ رہا ہو۔

"آپ کی اور میری سچویشن الگ سہی مگر سیم بھی تو ہے۔" وہ نیا پتھر ہاتھ میں لیے رک گئی۔

"آپ اپنے اصول پر ڈٹے ہیں اور میں اپنی شرط پر۔"

"میں ہم دونوں کے لیے ناامید تو نہیں مگر چچی جان کی فکر بھی جائز ہے۔" رضا سنجیدہ تھا۔

"جن بیٹیوں کو باپ شہزادی بنا کے رکھتے ہیں نا ان بیٹیوں کو یہ بے حس دنیا اوروں سے زیادہ ظالم لگتی ہے۔ پاپا نے عاشو کو فوراً ایکسیپٹ کر لیا تھا، مجھے اس کے معاملے میں مکمل آزادی دی، کسی کی ایک نہیں سنی تھی اور اب جو بھی میری زندگی میں آنے کا خواہش مند ہو مجھے اس سے، اس سے کم کی توقع ہی نہیں۔"

"یعنی چچی کو ٹھیک ہی لگتا ہے تمہیں چچا جان نے بگاڑا ہے۔"

"آپ میری طرف ہیں یا باقیوں کی طرف؟" اس نے ذرا ناراض ہو کے پوچھا۔

"میں تمہاری خوشیوں کی طرف ہوں۔"

"تو پھر مجھے ڈھونڈ کے دیں نا پاپا جیسا انسان اور اب یہ مت کہیے گا کہ آپ ہی ہیں پاپا جیسے انسان۔"

"ہوں تو۔" ادھر وہ ہنس دیا اور صنیع کے اندر اس شخص کو دیکھنے کا تجسس بیدار ہوا۔

"لیکن میرے کسی کام کے نہیں۔" وہ بھی ہنسی۔

"کیا یہ ایک دوسرے سے فلرٹ نہیں کر رہے؟" صنیع نے ناگواری سے سوچا۔

"کرتے رہیں، تمہیں کیا!" پھر خود کو ہی لتاڑا۔

"ایسے دل نہیں توڑتے۔" ادھر سے رضا نے جواب دیا۔ حبا نے جواب میں قہقہہ لگایا۔

صنیع کھڑکی کے پاس سے دور ہوا۔ وہ بلا ارادہ ہی وہاں رک کے باتیں سننے لگا تھا۔

"اب اگر جواب نہیں دیا تو میں خود آجاؤں گا۔" وہ سنیعہ کے لیے پیغام لکھنے لگا۔

☆☆☆

عائشہ نے دروازے میں آکر پکارا۔

"صنی انکل!" وہ لیپ ٹاپ پر ویڈیو ایڈیٹ کر رہا تھا۔ "مما چائے کے لیے بلا رہی ہیں۔"

"چلو۔" وہ لیپ ٹاپ بند کر کے اس کے ساتھ ہی باہر آیا۔

ارجمند جھولے کے قریب کرسی ڈالے بیٹھی تھیں۔ چائے کی ٹرے میں چند بسکٹ، کوکیز اور نمک پارے بھی تھے۔

"بچے شام کی چائے نہیں پیتے۔" عائشہ کو اپنا کپ اٹھاتے دیکھ کر صنیع نے چھیڑا۔

"اوہ! ہماری عاشو کا شمار ان بچوں میں نہیں ہوتا۔ شام کی چائے اور بسکٹ نہ ملیں تو عاشو کا دن ہی ختم نہیں ہوگا۔"

"مما! تائی امی کا فون ہے۔" حبا فون ہاتھ میں لیے دروازے میں ظاہر ہوئی۔

"اس وقت؟" وہ چائے کے کپ لیے کرسی سے اٹھ کھڑی ہوئیں۔

ان کے اٹھتے ہی عائشہ جو جھولے پر ٹرے کی دوسری جانب بیٹھی تھی، اپنا کپ لیے کرسی پر بیٹھنے کے لیے اٹھ کھڑی ہوئی۔ کرسی جھولے سے اونچی تھی اور اس کے ہاتھ میں کپ بھی تھا۔ صنیع نے اپنا کپ ٹرے میں رکھا۔ اس کا ارادہ تھا وہ عائشہ کو اٹھا کے کرسی پر بٹھا دے گا۔

ارجمند کو فون پکڑانے کے بعد حبا نے پلٹنے سے پہلے سامنے دیکھا۔ صنیع کپ رکھ کے کھڑا ہو رہا تھا۔ وہ اس کا ارادہ بھانپ گئی۔ دل کیا آواز دے کر اسے روکے لیکن کیا کہہ کے پکارے، سنو، سنیئے، رکو، صنیع۔ اس نے ہونٹ دانتوں میں دبائے، تب ہی عائشہ پلٹی۔

"آپ میرا کپ ہولڈ کریں گے پلیز؟" صنیع اس ناگہانی درخواست پر متحیر ہوا۔

اتنے کم عمر بچے سے اسے یہ توقع نہیں تھی۔ وہ جھنجھلا جاتی یا رونے لگتی یا وہیں سے حبا یا ارجمند کو

آوار لگاتی تو اسے حیرت نہ ہوتی۔
اس نے کپ عائشہ کے ہاتھ سے لے لیا۔ وہ اپنے چھوٹے بازو کی کہنی کرسی کے دستے پر اور دوسرا نشست پر ٹکا کے کرسی پر چڑھ گئی پھر کپ لینے کے لیے بایاں ہاتھ آگے کیا۔
"تھینک یو۔" اس نے کپ لے لیا۔
"بسکٹس؟" صنیع نے پوچھا۔ اس نے انکار میں سر ہلایا۔
صنیع کو اپنے سوال پر شرمندگی ہوئی۔
"میں یہ ٹرے آپ کی گود میں رکھ دوں؟" اس طرح وہ کپ ٹرے میں رکھ کے چائے میں بسکٹ ڈبو سکتی تھی۔
"میں نے بسکٹ کھا لیے، چائے پینے چیئر پر آئی ہوں۔"
وہ اس کی سوچ سے زیادہ منظم اور صریح تھی۔ صنیع متاثر ہوا۔
"میں نے آپ کا چینل دیکھا۔"
"اوہ! کیسا لگا؟"
"اچھا ہے۔" وہ ذرا ٹھہری۔ "مجھے کوئی ریسپی اچھی لگی تو آپ میرے لیے بنائیں گے؟"
"کیوں نہیں۔ ویسے کیا اچھا لگا آپ کو۔" وہ پر اشتیاق سا آگے ہوا۔
"ابھی تو دیکھا نہیں لیکن میں دیکھ کر بتاؤں گی۔"
"او کے۔"
"عاشو!" حبا نے پکارا۔
"آجاؤ، ہوم ورک کرنا ہے۔"
اس نے بچی کچھی چائے ایک گھونٹ میں ختم کی اور چھلانگ لگا کر کرسی سے اتر گئی۔ کپ ٹرے میں رکھا اور دروازے کی طرف دوڑ گئی۔ حبا نے اسے کچھ کہہ کر اندر بھیجا اور خود باہر آئی۔
صنیع وہاں کچھ دیر بیٹھ کے اس جگہ کی خوبصورتی کو نہارنا اور سراہنا چاہتا تھا۔
جب اس نے جھولے سے ٹرے اٹھائی تو صنیع چونکا۔ وہ خلاف عادت فوراً وہاں سے غائب ہونے کے بجائے کھڑی رہی تو صنیع نے اسے دیکھا۔
"عاشو کو مدد چاہیے ہو تو وہ پوچھتے ہوئے شرماتی نہیں ہے، اگر اتنا ہی دل ہے تو پہلے پوچھیں کہ اسے ہیلپ چاہیے یا نہیں یا اس کے پوچھنے کا انتظار کریں، ہم سب بھی کسی نہ کسی لیول پر مدد کے محتاج ہیں، اسے یہ باور کرائیں، اسے اسپیشل نہیں ہمارے جیسی ہی فیل کرائیں کہ ہمارا اسپیشل فیل کروانا احساسِ کمتری میں مبتلا کروانے والا ہوتا ہے۔" اسے ایک دم احساس ہوا تو وہ رک گئی۔
وہ زیادہ بول گئی تھی۔ حیرت سے اسے تک رہے صنیع پر ایک نظر ڈال کے وہ چلی گئی۔ صنیع نے اسے ہال کے دروازے سے اندر غائب ہوتے دیکھا۔
حیرت انگیز طور پر اسے غصہ نہیں آیا تھا بلکہ حبا کا آخری جملہ کہیں ترازو ہو گیا تھا۔
اتنے دنوں سے وہ جوار جمند اور اس کا رویہ دیکھ رہا تھا، اس لمحے اسے مکمل سمجھ میں آیا کہ ہمدردی اور احساس عمل میں ہو اور سب سے بڑی مدد اسے اعتماد تھمانا ہی تھی۔

☆☆☆

جس دن اس نے اپنی وہ ویڈیو اپ لوڈ کی، اسے یاد سے خبر دی۔ اس نے چاقو سے انگلی کٹنا تو نہیں رکھا تھا لیکن اس کے بعد بینڈ ایج لگانے والا حصہ شامل کیا تھا۔
عائشہ نے ارجمند اور حبا کو ساتھ بٹھا کے وہ ویڈیو دیکھی۔
"یہ تو بہت ماہر ہے۔" ارجمند اس کی 'نائف اسکلز' دیکھ کر ہی متاثرین میں شامل ہو گئیں۔
"اور دیکھو، کیسے صفائی سے سب کچھ کر رہا ہے۔" ان کا حال بھی نیچے لگی لڑکیوں کی بھیڑ جیسا ہی تھا۔
اگلے اتوار کو عائشہ پھر اس کے ساتھ کارڈھونے میں ہاتھ بٹانے موجود تھی۔ جب حبا اسے آواز دیتی،

صنیع کی نظر بھی عائشہ کے ساتھ اس کی جانب اٹھ جاتی تھی۔ اس کا کام تو کچھ دیر میں ختم ہو جاتا تھا لیکن حبا کا کام لمبا چلتا تھا۔ آج اس نے کار کے ساتھ اسکوٹی بھی دھوئی تھی۔

☆☆☆

"میں کل پرنسپل سے شکایت کروں گی اور پھر وہ ان کے پیرنٹس کو بلا کر بتائیں گے کہ انہوں نے کتنا غلط کیا ہے۔" حبا نے اس کے سر پر ہاتھ پھیرا۔

"کیا غلط کیا۔ ابا میں ہینڈی کیپ (معذور) ہوں نا؟" اس کی آواز سے لگ رہا تھا، وہ روتی رہی ہے۔ حبا کا دل سکڑ گیا۔

جب اس نے اپنے لیے پہلی بار یہ لفظ سنا تو حبا سے آکر معنی پوچھے تھے۔ حبا نے ٹالنے یا بہلانے کے بجائے اسے اس لفظ کا مطلب سمجھایا تھا۔ وہ اسے اور بھی بہت کچھ سمجھانا اور کہنا چاہتی تھی لیکن ان سب کو سمجھنے کی عائشہ کی عمر نہیں تھی۔

"تمہیں یاد ہے میں نے ہینڈی کیپ کا کیا مطلب بتایا تھا؟" حبا کے سوال پر وہ سوچنے لگی۔

"بھول گئی۔" وہ تھا ہی اتنا مشکل، وہ کیسے یاد رکھتی۔

"کوئی بھی ایسی کنڈیشن جس میں انسان کی جسمانی، ذہنی یا سوشلی پراپر کام کرنے کی صلاحیت کم یا محدود ہو جاتی ہے۔ اسے ایزی کروں تو جیسے کوئی جمپ نہ کر سکے، چل نہ سکے، دیکھ نہ سکے یا جسے بات سمجھ میں نہ آئے، جسے بات سمجھنے میں دیر لگے یا پھر جو اپنے آس پاس کے لوگوں سے نارملی بی ہیو نہ کریں انہیں تکلیف پہنچائے، ان کا خیال نہ رکھے۔ سمجھ میں آیا؟"

"ہمم۔" عائشہ نے سر ہلایا۔

"اب مجھے بتاؤ ان سب میں سے کون سا کام ہے جو میری عاشو نہیں کر سکتی؟"

"میں سب کرتی ہوں۔" اس نے سوچتے ہوئے جواب دیا۔

"یس اور مینا اور ساحل نے تمہارا خیال نہیں رکھا، تمہیں دکھی کیا، اس لیے وہ سوشلی ہینڈی کیپڈ ہیں تم نہیں۔" اس نے اس کا گال چھوا۔ اس عمر میں لفظوں کے ہیر پھیر میں الجھا کے ہی وہ اسے بہلا پاتی تھی۔

"لیکن ہم کسی کو بھی ہینڈی کیپ نہیں کہہ سکتے، یہ بیڈ مینرز ہیں۔ اس لیے ان کے پیرنٹس سے کہیں گے اور تمہیں بالکل اداس ہونے کی ضرورت نہیں۔"

حبا نے اس کے پیچھے بازو پھیلا کے اسے قریب کیا۔

"یہ ہاتھ جیسا بھی ہے اللہ تعالیٰ نے بنایا ہے اور جو اللہ نے بنایا اس پر ہم نہ اتراتے ہیں نہ ناراض ہوتے ہیں بلکہ صرف۔"

"تھینک یو کہتے ہیں۔" وہ ٹھہر گئی تو حسب توقع عائشہ نے جملہ مکمل کیا۔

"یس۔ اب جاؤ منہ دھوؤ، پھر ہوم ورک بھی کرنا ہے لیکن اس سے پہلے ہم آئس کریم کھانے جائیں گے۔ جاؤ بھاگو!" اس نے پیٹھ پر ہلکی چپت لگا کے اسے اٹھایا وہ کھلکھلاتی اندر بھاگی۔

حبا نے گہرا سانس لیا۔ یہ ہر کچھ دن بعد ہوتا تھا۔ اسکول میں کوئی نہ کوئی اسے کسی برے نام سے پکار لیتا یا اس کا مذاق بناتا تو وہ گھر آکر اسے ضرور بتاتی۔ کبھی اسکول میں ہی کوئی بچہ اسے آکر بتا دیتا کہ عائشہ کے ساتھ یہ ہوا ہے۔ اس کے اسکول میں ملازمت کرنے کی وجہ ہی یہ تھی کہ وہ اس کے قریب رہے، حتی المقدور اسے ایسی صورت حال سے بچا سکے اور وقت پر اس کے ساتھ موجود ہو۔ اس کی موجودگی کی وجہ سے شرارتی بچے بھی محتاط رہتے تھے۔

بالوں پر ہاتھ پھیر کے انہیں درست کیا اور پیچھے فرش پر ہتھیلی ٹیکتے ہوئے ذرا گردن گھمائی تو ایک دم سیدھی ہو گئی۔ وہ برآمدے کے زینے پر بیٹھی تھی اور صنیع اپنے دروازے کی چوکھٹ سے بازو ٹکائے کھڑا تھا۔ دونوں ہاتھ سینے پر بندھے تھے۔ وہ اس کے دیکھنے اور اس طرح چونکنے پر بھی نہ خجل ہوا تھا نہ وہاں سے ہٹا تھا بلکہ اسے مزید جھٹکا دیتا وہ آگے آیا اور دو زینے اتر کے عین سامنے جھولے پر بیٹھ گیا۔

"ویری ویل ہینڈلنگ!" اس کی تعریف پر بھی حبا کی پیشانی شکن آلود ہوگئی۔ اسے کسی سے سند کی ضرورت نہیں تھی خاص طور پر صنیع سے۔

"لیکن اس طرح کب تک عائشہ بہل سکے گی؟" وہ سنجیدہ تھا۔

"میں تو چاہتی ہوں وہ ساری عمر بہلتی رہے لیکن یہ ناممکن ہے۔" صنیع کی سنجیدہ صورت نے ماتھے کی کچھ شکنیں جذب کرلی تھیں۔

"ایک دن اسے یہ تلخ حقیقت قبول کرنا پڑے گی کہ دنیا کے لیے اس کی کمی ویسی نیچرل یا قابلِ قبول نہیں جیسی اس کے گھر والوں کے لیے ہے، میں لاکھ کوشش کروں، اسے کچھ دکھوں اور مایوسیوں سے نہیں بچاسکتی مگر جب تک کرسکتی ہوں کوشش بہرحال کرتی رہوں گی۔" اس کے لہجے کی کاٹ جانے کس وجہ سے تھی۔

"لیکن اب تو کافی سلیوشنز موجود ہیں، پروستھیٹکس سے لے کر روبوٹک ہینڈز تک، انہیں کیوں نہ ٹرائے کیا جائے تاکہ وہ بڑی کلاس یا کالج جانے تک اس کی عادی ہوجائے۔"

اس کے مشورے پر حبا سمجھ نہیں سکی یہ کھری خیر خواہی تھی، اسے کالج میں بُلنگ سے بچانے کی سعی یا وہ اپنی آنکھوں کے سامنے مصنوعی ہی سہی ایک مکمل جسم، ایک کامل انسان دیکھنا چاہتا ہے۔ وہ کتنی دیر مخمصے میں رہی لیکن اس کی سنجیدہ صورت اس وقت اسے تلخ، اکھڑ یا ناشائستہ نہیں ہونے دے رہی تھی۔

"عائشہ کی کنڈیشن یعنی پیدائشی لمب ریڈکشن کا علاج اتنا سادہ نہیں ہے۔ پاپا تھے تب اس پر ریسرچ، ہاسپٹلز اور ڈاکٹروں کے چکر جاری تھے پھر ان کی وفات کے بعد سب یونہی رہ گیا۔ اس کیس میں پروستھیٹک سے پہلے عائشہ کی سرجری بھی ضروری ہے۔" وہ اسے سارا سچ نہیں کہہ سکتی تھی۔

اس معاملے میں ارجمند کا بھی خیال تھا کہ جمع پونجی عائشہ کے مصنوعی ہاتھ اور علاج پر لگانا مناسب نہیں تھا جب کہ انہیں اس کی شادی بھی کرنا تھی اور علاج معالجے کے بعد بھی یہ ڈر تھا کہ عائشہ وہ سب قبول نہیں کر پاتی، نہ اسے وہ پسند آتا کہ اکثر بچے ایک عمر کے بعد اپنی معذوری کے عادی ہوجاتے ہیں وہ پروستھیٹکس رد کردیتے ہیں۔

عائشہ دوڑتی باہر آئی اور ان کی گفتگو کا سلسلہ ٹوٹ گیا۔

"آپ بھی چلیں ہمارے ساتھ آئس کریم کھانے۔" اسے دیکھتے ہی اس نے پیش کش کی۔

"ضرور چلتا مگر ابھی مجھے ضروری کام سے جانا ہے۔" وہ جھولا چھوڑ کے کھڑا ہوا اور حبا نے دل میں شکر ادا کیا۔

"رات میں ملتے ہیں۔" اس نے جاتے ہوئے عائشہ کے بالوں پر ہاتھ رکھا اور کمرے میں چلا گیا۔

"میں چابی لے کر آتی ہوں۔" اس نے اٹھتے ہوئے عائشہ سے کہا۔

عائشہ کی بھیگی سی آواز میں کی گئی اپنے ساتھیوں کی شکایت ابھی تک اس کے کانوں میں گونج رہی تھی اور وہ ذہن پر زور دے رہا تھا کہ اس نے اسکول میں کب کب کس کس کو کیسے کیسے ناموں سے پکارا تھا۔

"ہماری لاابالی، لاپروائی اور مذاق میں کہی گئی باتیں کسی کے دل میں عمر بھر کا زخم اور درد بن کے رہ جاتی ہے، ساری عمر ایک بازگشت بن کے پیچھا کرنے والا دکھ اور ہمیں احساس تک نہیں ہوتا۔" وہ سوچ رہا تھا۔

"اور شاید سب کے پاس ارجمند اور حبا بھی نہیں ہوتیں۔"

☆☆☆

"پرنسپل نے بلایا پھر ان پیرنٹس کو؟" ارجمند نے جانے اس سے پوچھا تھا یا عائشہ سے، وہ دوسرے کمرے میں اندازہ نہیں لگا پایا۔

"جی بلایا تھا، عاشو! میں ٹیبل پر پاؤچ بھول گئی ہوں، لے آؤ پلیز۔" اسے لگا، وہ اگلی بات عائشہ کو سنانا نہیں چاہتی اسی لیے وہاں سے غائب کر رہی

ہے۔

"اوکے۔" وہ شاید کمرے سے چلی گئی۔

"مما! ایک تو وہ ماننے پر تیار نہیں تھے کہ ان کی بچی نے غلط کہا ہے، خوب بحث کی کہ بچے اپنی سمجھ سے جو سمجھتے ہیں وہ ہی کہیں گے مطلب بطور والدین ان کی کوئی ذمہ داری ہی نہیں کہ اپنے بچوں کو احساس کرائیں یا سمجھائیں۔ آخر تھک کے ایک وارننگ دے کے چھوڑنا ہی پڑا۔"

"جانے کیسے بے حس والدین ہوتے ہیں۔" ارجمند کی آواز میں افسوس تھا۔

"یہ لیں۔" عائشہ واپس بھی آگئی۔

"اوہ میرا چاند۔ تھینک یو۔" حبا نے اس کا گال چوما پھر یاد آنے پر ماں کو مخاطب کیا۔

"مما ٹفن!"

"اوہ! بھول ہی گئی۔ ابھی لائی۔"

"چاند کیوں؟" عائشہ کا معصوم سوال اسے بھی مسکرانے پر مجبور اور جواب کے لیے متجسس کر گیا۔

"وہ اس لیے کہ بہت پیاری اور اہم چیز کے لیے چاند اور سورج کی مثال دی جاتی ہے اور آپ نے دیکھا نا سورج اور چاند کتنے برائٹ اور فل آف لائٹ ہوتے ہیں، سب جگہ اجالا اجالا ان ہی سے ہوتا ہے۔"

"ہمم۔"

"تو اس زمین پر بھی جو ہمیں پیارا لگے، وہ ہمارے چاند اور سورج ہیں، ہماری زندگی کا اجالا۔"

"اور آپ اور مما میری۔" عائشہ نے جھٹ کہا۔

"یس۔" اس نے ہنستے ہوئے پھر اسے پیار کیا۔

"جو ہمیں پیارا لگے!" صنیع نے زیرلب دہرایا۔

"یہ اتنا سمپل ہے؟" پہلی بار اپنے حسن کے معیار اور خوبصورتی کی کسوٹی سے ہٹ کر کوئی خیال اس کے دل میں جا گزیں ہوا تھا۔

☆☆☆

وہ کمرے سے باہر نکلا تو عائشہ کو بے صبری سے اپنا منتظر پایا۔ وہ جو اس کے دروازے کے سامنے زینے پر بیٹھی بار بار پیچھے مڑ کے دیکھ رہی تھی کہ کب دروازہ کھلے گا، اسے دیکھتے ہی کھڑی ہو گئی۔

"مجھے آپ کی ہیلپ چاہیے۔" وہی دوٹوک اور پراعتماد انداز کہ مقابل انکار کر ہی نہ پائے۔ ہر بار وہ نئے سرے سے مبتلائے حیرت ہوتا تھا کہ ایک معذور اور نامکمل سی بچی اسے اتنا متاثر کیسے کرتی ہے۔

"مدد؟"

وہ قریب آئی اور دھیمی آواز کے باوجود احتیاطاً ہتھیلی اپنے ننھے سے دہن کے بائیں جانب رکھ کے دیوار بنائی۔

"آپ شیف ہیں نا؟"

"ہمم۔" اس نے اقرار میں سر ہلایا۔

"ایک چاکلیٹ کیک بیک کریں اور اچھا سا ڈنر۔" اسے مزید رازداری درکار تھی سو ہتھیلی کی دیوار گرا کے اسے نیچے جھکنے کا اشارہ کیا۔ اس کے پاس تعمیل کے علاوہ کوئی چارہ نہیں تھا۔

"آج ابا کا برتھ ڈے ہے اور ہم شام میں آپ کے یہاں سلیبریٹ کریں گے۔" صنیع کی ساری حسیات کو برقی جھٹکا لگا اور کان کھڑے ہو گئے۔

"یہ کس کا پلان ہے؟" اس نے بھی سرگوشی میں پوچھا۔

اس نے گردن کے جھٹکے اور آنکھوں سے اپنی سمت اشارہ کیا ساتھ ہی سینے پر ہاتھ رکھا۔ کوئی اور وقت ہوتا تو عام بچی کی خواہش رد کرنا یا اس سے بہانا بنا کے معذرت کرنا اس کے لیے آسان تھا مگر عائشہ عام بچی تھی ہی کہاں!

اگلے بیس منٹ وہ اس کے ساتھ شام کی منصوبہ بندی کرتا رہا جس میں 'مینو' بھی شامل تھا۔

وہ منتظر ہی رہی کہ ارجمند اور عائشہ اس سے

کیک فلیور اور چائنیز، مغلئی یا فاسٹ فوڈ پوچھ کر اس سے ہی آرڈر کرنے کو کہیں گی لیکن وہ دونوں اپنے کاموں میں لگی رہیں۔ ایسا بھی نہ تھا کہ انہیں یاد نہیں تھا، صبح دونوں نے اسے گلے لگا کر مبارک باد اور دعائیں دی تھیں۔

''کیا برتھ ڈے کے دن مجھے کھانا بنانا ہے یا نوڈلز کھانے ہیں؟'' آخر اس نے ہال میں آ کر بلند آواز میں دریافت کیا۔

''ہم باہر جا رہے ہیں۔'' عائشہ نے پیر کی انگلیوں میں دبا کاغذ چھوڑ کے نظر اٹھائی۔

''کہاں؟''

''ہم نے ایک ریسٹورنٹ میں بکنگ کی ہے۔'' جواب ارجمند کی طرف سے آیا۔

اس کی آنکھیں پھیل گئیں۔ اس قسم کے کام وہ دونوں خود سے کبھی نہیں کرتی تھیں بلکہ سب اسی سے کروایا جاتا تھا۔

''آپ تیاری کریں۔'' عائشہ نے پینسل منہ میں دبائی اور ایریز سے ٹیڑھا خط مٹایا۔

''کہاں بک کیا ہے؟'' اس نے ماں کو دیکھا۔

''سرپرائز ہے۔'' عائشہ نے تیزی سے کہتے ہوئے ارجمند کی سمت دیکھ کر نفی میں سر ہلایا کہ بتانا نہیں۔

''اچھا۔ آؤ پہلے تمہیں تیار کر دوں، یہ اب کل کرنا۔'' عائشہ نے سعادت مندی سے پرچا اٹھایا اور ایک کونا دانتوں میں دبایا پھر ہاتھ سے دوسرا کونا دانت تک لے کر ایک ساتھ ملایا اور درمیان سے پرچے کو ہاتھ سے دبایا، پھر تہ ہوا پرچہ ہاتھ میں لے کر نیچے رکھا۔ سارے رنگین قلم اٹھا کے بٹوے میں رکھے، اسے پیر کے انگوٹھے اور انگلی کے درمیان دبا کے ہاتھ سے زپ بند کی اور دونوں چیزیں لیے کھڑی ہو گئی۔

''امی! آپ بھی تیار ہو جائیں، جلد جائیں گے تو واپسی بھی جلدی ہو گی۔''

اسے باہر جانے اور سالگرہ منانے کا ایسا شوق نہیں تھا لیکن ہر بار وہ دونوں اپنی مرضی سے کچھ نہ کچھ اہتمام ضرور کرتی تھیں۔

ہمیشہ کی طرح عائشہ اپنی تیاری کے ساتھ ساتھ اس کو بھی تیاری میں مدد دے رہی تھی جو اسے حسب روایت بلا چوں و چرا ماننا تھی۔ لہٰذا عائشہ کے منتخب شدہ کپڑے، جھمکے، بریسلیٹ اور لپ اسٹک کا شیڈ لگا کر وہ 'برتھ ڈے ریڈی' تھی۔ عائشہ کو اس کم عمری میں بھی رنگوں اور فیشن کی بڑی سمجھ تھی۔ وہ ہمیشہ سے ایک دوسرے سے مطابقت رکھنے والی یا ایک دوسرے کے ساتھ جچنے والی چیزیں ہی منتخب کرتی تھی۔

''اب تو بتا دیں تا کہ اوبر بک کروں۔'' بریسلیٹ مقفل کرتے ہوئے وہ ہال میں آئی۔ عائشہ، ارجمند کو فون تھما رہی تھی۔ اس کا اگلا سوال عائشہ سے ہی تھا کہ وہ کس سے بات کر رہی تھی مگر ارجمند کی بات پر وہ سوال بھول گئی۔

''بک کر لی ہے، دو منٹ میں پہنچ رہی ہے۔'' انہوں نے فون کا اسکرین دیکھتے ہوئے اطلاع دی۔

''واہ مما آپ نے آج ٹیبل بک کر لیا اوبر بک کر لی۔'' وہ ہمیشہ ان کاموں سے کتراتی تھیں۔

''ہاں تو میں پڑھی لکھی اکیسوی صدی کی ماں ہوں، بوڑھی ہوں تو کیا ہوا۔'' وہ ہنس دیں۔

''چلیں گھر، لاک کرتے ہیں، تب تک دو منٹ ہو جائیں گے، چلو عاشو۔'' اس نے ایک بار پھر اس کے سر پر ہیئر بینڈ درست کیا۔ آج اس کے بال کھلے تھے۔ کھلے کھلے ہلکے رنگ کی فل آسمانی میکسی میں وہ اسے آسمانی پری لگ رہی تھی۔

جب ٹیکسی واشی کی سمت جانے لگی تو وہ چونکی۔

''کس ریسٹورنٹ میں ریزرویشن کیا ہے آپ نے؟'' اسے لگا تھا قریب ہی کھار میں کہیں ہو گا۔

''سرپرائز!'' ایک بار پھر عائشہ کی پھرتی دیکھنے لائق تھی۔

''اب ٹریفک کا سرپرائز بھی بھگتیں گے ہم۔''

اس نے آگے رینگ رہی کاروں کی قطار کو دیکھا۔
اللہ اللہ کر کے وہ مطلوبہ مقام پر پہنچے اور گاڑی سے نکلتے ہی پہلی نظر صنیع پر پڑی۔ اس نے پاس کھڑی عائشہ کو دیکھا جو اس 'سرپرائز' پر اس کا ردعمل جاننے کے لیے بڑی پرجوش اور بے صبری ہو رہی تھی۔ وہ اس کی خاطر مسکرادی۔
''نائس سرپرائز۔''
''ابھی تو اور سرپرائز ہے۔'' اس نے خوشی سے حبا کا ہاتھ تھاما اور صنیع کی سمت چل پڑی۔ ارجمند ان کے پیچھے تھیں۔
وہ ریستوراں تو کہیں سے نہیں لگ رہا تھا۔ اس نے سر اٹھا کے نیون بورڈ کو دیکھا۔ ''بائٹ باکس'' کے نیچے مہین حروف میں 'ٹیک اوے' لکھا تھا۔
اس کے قریب پہنچنے تک بھی صنیع فیصلہ نہیں کر پایا تھا کہ اسے سالگرہ کی مبارک باد دینی چاہیے یا نہیں۔
پاس پہنچ کے عائشہ نے اسے سلام کیا۔ وہ پیچھے ارجمند کے لیے رک گئی تھی۔ جب وہ دونوں ساتھ ان تک پہنچیں تو صنیع نے اسے مکمل نظر انداز کرتے ہوئے ارجمند کو سلام کیا۔
''بیٹا! تمہیں اتنی تکلیف دی ہم نے۔ بس اس دفعہ عاشو کو یہی کرنا تھا۔''
''تکلیف کیسی آنٹی! یہ تو میرا شوق، پیشن اور پروفیشن ہے۔'' یہ سچ تھا۔
''آیئے۔'' اس نے ان تینوں کے لیے دروازہ کھولا۔
اندر داخل ہوتے ہی عائشہ کا چہرہ اتر گیا۔ ظاہر ہے وہ صرف 'کچن' تھا ریستوران نہیں پھر بھی کاؤنٹر کے آگے اتنی جگہ تھی کہ ایک چھوٹی سی میز اور دو کرسیوں کا اہتمام ہمیشہ ہوتا تھا۔ آج صنیع نے مزید دو کرسیوں کا انتظام کیا تھا۔ حبا عائشہ کو ہی دیکھ رہی تھی۔
''تھینک یو۔ مجھے یہ سرپرائز بہت اچھا لگا۔'' اس کی کھنکتی آواز پر صنیع نے چونک کے اسے دیکھا۔

وہ جھک کے عائشہ کا گال چوم رہی تھی جس کے چہرے پر مایوسی تھی۔
''لیکن یہاں نہ بلون ہیں نہ۔'' صنیع کو یکا یک افسوس نے گھیرا۔
اس نے تو یہ سوچا ہی نہیں تھا۔ صبح وہ جتنی خوش اور پرجوش تھی اس کے برعکس اس وقت اس کی مغموم صورت اسے بے طرح کھلی اور اس کی وجہ وہ تھا، یہ سچ بھی۔
''کم آن!'' حبا اس کی مایوسی دور کرنے کی کوشش کر رہی تھی۔
''میں تھوڑی نہ بچی ہوں۔ مجھے تو بس آج اچھا کھانا چاہیے اور ڈھیر سارا کیک بھی اور وہ تو یہاں بیسٹ ہوگا۔'' اس نے مسکرا کے عائشہ کے گال پہ پیار کیا اور سیدھی ہو کے صنیع کو دیکھا کہ اس وقت میزبان وہی تھا۔
''بالکل۔'' وہ بھی عائشہ کو دیکھ کے یقین سے مسکرایا۔ ان دونوں کے تبسم اور کھلے چہروں کا اثر تھا کہ وہ بہل گئی۔
اس نے کرسی کھینچی اور عائشہ کو اٹھا کے کرسی پر بٹھایا۔
''پہلے ڈنر یا کیک؟'' وہ جو ایپرن پہنے تھا، دونوں ہاتھ آگے کیے اس نے ہلکا سا خم ہو کے عائشہ سے سوال کیا۔
دروازے کے دوسری سمت سے برتنوں کی، تیز شعلے بھڑکنے اور باتوں کی آوازیں آرہی تھیں جو اندر کی گہما گہمی کی غماز تھیں۔ اس نے باہر فوڈ ڈلیوری ایپز کے ٹی شرٹ میں ملبوس تین چار لڑکے دیکھے تھے جو اپنی بائیکوں کے ساتھ وہاں آرڈر کے منتظر تھے۔
عائشہ نے فیصلے کے لیے اس کی سمت دیکھا۔ صنیع کی موجودگی میں وہ عائشہ کے ساتھ معمول کی طرح موج مستی والا انداز نہیں اپنا سکتی تھی۔ جواب دینے کے بجائے اس نے ارجمند کو دیکھا۔
''کیک لاسٹ میں۔'' انہوں نے مشکل آسان کی۔

"اوکے۔" وہ مسکراتا ہوا اندر چلا گیا۔ جو خود اتنا نفیس اور لذیذ کھانا بناتا ہو، اس کے لیے اس نے بے حد محنت کی تھی۔

چوں کہ وہ ریستوران نہیں تھا لہٰذا سارے کام وہی کر رہا تھا اور یہ اسے بالکل اچھا نہیں لگ رہا تھا۔ اس نے مدد کے لیے اٹھنا چاہا تو صنیع سے پہلے عائشہ نے حکم صادر کیا کہ وہ چپ چاپ بیٹھی رہے۔

اسے ذرا بھی اندازہ ہوتا کہ عائشہ یہ حماقت کرنے والی ہے یا کر چکی ہے تو خود صنیع کو منع کر دیتی۔

جب میز پر ساری اس کی پسند کی چیزیں آئیں تو وہ اور شرمندہ ہوگئی۔ جو چیزیں عائشہ نے تجویز یا طے کی تھیں، اسپرنگ رول، چکن چلی، قورمہ اور سنگاپورین رائس وہ اس کی معصوم سمجھ و عقل کا ثبوت تھے۔ صنیع نے اپنا تجربہ یا سمجھ استعمال کرتے ہوئے اسے بدلنے یا مشورہ دینے کی کوشش بھی نہیں کی۔ اس کی نہ نہ کے باوجود ارجمند نے اسے بھی ساتھ بٹھایا تھا۔

"یہ سب تم نے بنایا ہے؟" ان کے پوچھنے پر اس نے اثبات میں سر کو جنبش دی۔

"عائشہ کی یہ ہی ڈیمانڈ تھی کہ میں خود بناؤں۔" اس نے مسکرا کے عائشہ کو دیکھا۔

سب کچھ بے حد لذیذ تھا اور جب کیک کاٹتے وقت اندر والا عملہ بھی ان کے ساتھ شامل ہوا تو وہ جی بھر کے خجل ہوئی جب کہ عائشہ اپنے کارنامے پر پھولی نہیں سما رہی تھی۔

واپسی میں وہ صنیع کی کار میں تھے کہ اسے بھی گھر ہی جانا تھا۔ عائشہ اچھل کے اگلی نشست پر بیٹھ گئی تھی۔ وہ دونوں پیچھے تھیں۔ وہ ان تینوں کی گفتگو خاموشی سے سن رہی تھی جو عائشہ کے سوال جواب اور پھر مزید سوالوں پر مبنی تھی۔ جلد ہی اس کی پٹر پٹر چلتی زبان خاموش بھی ہوگئی۔

"عاشو سو گئی کیا؟" ارجمند نے آگے اسے دیکھنے کی ناکام کوشش کے بعد پوچھا۔

"جی۔" صنیع نے ایک اچٹتی نگاہ سوئی عائشہ کے سپرد کی۔

"تھک گئی ہے، صبح سے اتنی ایکسائٹڈ تھی، سارا دن شام کے انتظار میں اچھل کود کرتی رہی۔"

اسے ارجمند کے لہجے میں نانی والا پیار محسوس ہوا۔ ذرا دیر بعد انہوں نے بھی پیچھے سر ٹکا کے آنکھیں موند لیں۔ حبا کھڑکی سے باہر نظریں جمائے ہوئے تھی۔

پہلی بار تو یونہی اس کی نگاہ بیک ویو مرر پر پڑ گئی تھی جہاں اس کے چہرے یا ایک رخ نظر آرہا تھا، تنگ سی پیشانی، کاجل بھری آنکھیں اور کان میں جھولتا جھمکا لیکن دوسری تیسری اور چوتھی بار وہ اسے بے اختیاری یا اتفاق نہیں کہہ سکتا تھا۔ اس کی بے نیازی تھی یا کار میں پھیلی خاموشی یا کچھ اور، صنیع اپنی حرکت پر حیران ضرور تھا۔

گھر کے قریب اس نے ارجمند کا بازو ہلایا۔

"مما! گھر پہنچ گئے ہیں۔" عائشہ اور وہ جلدی سونے کی عادی تھیں۔

اس نے گاڑی روکی۔ روز وہ خود ہی گیٹ کھولتا تھا لیکن آج اس سے پہلے ہی حبا اتر گئی تھی۔ انجن بند ہوتے ہی حبا نے عائشہ کی طرف کا دروازہ کھولا۔

"آپ دروازہ کھولیں، میں عائشہ کو لے کر آتی ہوں۔" وہ مکمل احتیاط کر رہی تھی کہ عائشہ نیند سے جاگے نہیں۔ ارجمند اس کا شکریہ ادا کرتی دروازے کی جانب بڑھ گئیں۔

حبا نے اسے اٹھایا اور اس کا سر شانے سے لگا کے دروازے کی جانب بڑھی۔ اس نے ایک گہرا سانس لے کر کھلا چھوڑا دروازہ کھینچ کے بند کیا۔ ابھی باہر نکل ہی رہا تھا کہ نیچے نظر آرہی شے نے جھکنے پر مجبور کیا۔ جب سیدھا ہوا تو ہاتھ میں حبا کا جھمکا تھا۔ اس نے مڑ کے دروازے کی جانب دیکھا۔ جہاں اس وقت کوئی نہیں تھا۔

وہ اسے مٹھی میں دبائے کمرے میں آگیا۔ فون اور دیگر چیزوں کے ساتھ اس نے جھمکا بھی میز پر رکھ دیا۔

"آج تو شاید ادھر نہ آئے۔" اس نے کھڑکی سے باہر جھولے کو دیکھا۔

گھر پر وہ اکثر فرمائشی کھانا بنایا کرتا تھا۔ آج بڑے عرصے بعد یہ کام کیا تھا۔ اچانک اسے گھر کی بڑی شدت سے یاد آئی۔ ابا پر کچھ اثر نہیں تھا ورنہ اب تک فون تو کرتے یا تابش کے ذریعے ہی پیغامِ مصالحت بھجواتے۔

ساری ضروریات اور معمولات سے فارغ ہو کے اس نے بتی بجھائی تو جانے کس خیال کے تحت کمرے کے درمیان رک کے کھڑکی سے باہر دیکھتا رہا۔

ذرا دیر بعد ہی وہ جھولے کی طرف جا رہی تھی۔ وہ پیچھے دیکھے بنا الٹے قدم اٹھاتا پلنگ کی پائنتی پر ٹک گیا۔

اگر وہ جھمکا پہنے ہوتی تو اس کی جسامت، ہیئت ایسی تھی کہ اسے یہاں سے بھی اندازہ ہو جاتا مگر اس وقت دونوں کان خالی تھے۔ اس نے میز پر دھرے سنہری اور سیاہ آویزے کو دیکھا۔

حسب معمول اس کے ہاتھ میں کپ تھا۔

"یہ روز سونے سے پہلے چائے کافی پی کے سوتی کیسے ہے؟" وہ جھولے پر بیٹھنے کے بجائے سست قدموں سے ٹہل رہی تھی۔ اسے کیسے علم ہوتا کہ مگ میں 'ہاٹ چاکلیٹ' ہوتا ہے۔

"اس نے شاید سوچا ہو، ایئر رنگ کہیں گم ہو گیا ہے۔" اسے دیکھتے ہوئے وہ سوچ رہا تھا۔

☆☆☆

اس نے آنکھیں مسل کے دوبارہ دیکھا۔ سادہ سا آملیٹ جس میں نفاست کی جگہ بھی تیل تھا اور روٹی چھوئے بنا ہی اپنے موٹاپے کا اعلان کر رہی تھی۔ اتنا سادہ اور بدسلیقہ ناشتہ اس گھر میں پہلی بار اس کے سامنے تھا۔ اس نے ہمت کر کے پہلا لقمہ منہ میں رکھا اور فیصلہ کیا کہ صورت پھر بھی ذائقے سے بہتر تھی۔ وہ دوسرا لقمہ لینے کی ہمت نہ کر سکا۔

"لگتا ہے، آج لیٹ ہونے کا ریکارڈ ٹوٹ گیا ہے اور ناشتہ آنٹی نے بنایا ہے۔"

اسے بیلا پور میں ہی کام تھا لہٰذا وہ دوپہر کو گھر آ گیا۔ اس کا ارادہ نہیں تھا مگر کچھ دیر بعد عائشہ دروازے میں نمودار ہوئی۔

"صنی انکل کھانا لے لیں۔" وہ ٹرے اٹھا کے نہیں لا سکتی تھی۔ وہ اس کے پیچھے چلا گیا۔ ہال کی تپائی پر ٹرے رکھی تھی وہ لیے کمرے میں آ گیا۔ وہ صبح والا آملیٹ روٹی بھول گیا جب تک کہ اس نے ٹرے میں ڈھکے برتن نہ کھولے۔ مخالف سمت منہ پھلائے دال اور پانی کو یکجا کرنے کی کوشش میں باقی لوازمات کی رنگت بھی بدل گئی تھی۔ چاول تھے یا کھیر پالیٔ، کچھ دیر سوچنے کے بعد اس نے چوتھا جواب منتخب کیا، ان میں سے کوئی نہیں۔ ساتھ اچار تھا جس کی صورت قابل توجہ تھی۔ اس نے واپس سب کو پردہ کروا دیا۔ کھانا تو دور اس میں اسے دیکھنے کی بھی تاب نہ تھی۔

شام کی چائے کا وقت ہوا تو وہ ٹرے اٹھائے ہال میں آیا۔ عائشہ کارٹون دیکھ رہی تھی۔ وہ ایک اچھے 'کک' کی تیمارداری کے لیے آیا تھا۔ اس کے نزدیک 'شوقِ باہمی' بھی کم اہم رشتہ نہیں تھا مگر سیدھا پوچھ نہیں سکتا تھا۔

"آنٹی کہاں ہیں؟"

"مما اندر ہیں۔" وہ صوفے سے اتری نہیں البتہ ٹی وی کی آواز دھیمی کر دی تھی۔ تب ہی حبا اندر آئی۔ اسے صحیح سلامت و صحت مند دیکھ کر اسے اطمینان ہوا۔

"مما آرام کر رہی ہیں۔ کل رات سے ان کی طبیعت ٹھیک نہیں ہے۔"

اس نے آگے آ کر ٹرے لی اور حیرت کے سمندر میں غوطے کھاتے ہوئے غلط فہمی کی دھول دھوتے صنیع نے ٹرے اسے تھما دی، وہ جو خالی ٹرے سمجھ رہی تھی، اس وزن کے لیے تیار نہیں تھی۔ صبح بھی ناشتہ ویسا ہی واپس آیا تھا اور اب یہ ٹرے۔

خیر سے ماں کے پکوانوں سے عیاش ہوئی اس

کی زبان بھی اس کا اپنا بنایا ملغوبہ حلق تک لے جانے سے انکاری ہوگئی تھی پھر وہ تو 'شیف قبیلے' والا تھا۔ صنیع کو ایسا حیرت کا شدید جھٹکا زندگی میں پہلی بار لگا تھا۔ ایسی غلط فہمی اسے کیونکر ہوئی؟

''اگر یہ خوبی بھی نہیں تو۔'' اسے بغور دیکھ رہے صنیع کا خیال اس کے چہرے میں کہیں الجھ گیا۔ اسے احساس ہی نہیں ہوا، حبا کو دیکھ رہی اس کی نگاہ کتنی طویل ہوگئی ہے۔

اس کی صورت ہی حبا کو باور کرا گئی تھی کہ وہ کس غلط فہمی میں مبتلا تھا۔ اسے ہنسی آئی لیکن اگلے پل اپنی طبع آزمائی یاد آئی پھر اس کی خود پر ٹکی نظریں اسے مجل کر گئیں۔

''اُفف! اتنی بھی کیا حیرت!'' حبا نے سوچا۔

''ذرا سا برا کھانا ہی تو بنایا۔'' اس نے خود کو 'مارجن' دیا۔ اس کے خیالات کے ساتھ چہرے کا تاثر بھی بدل رہا تھا مگر اس پل صنیع کھانا، کھانے کا ذائقہ، صورت سب بھول گیا تھا۔

''تم سے بھی نہیں کھایا گیا۔'' ارجمند کی نقاہت بھری آواز اسے واپس ہال میں لے آئی۔

''آپ کیوں ادھر آگئیں۔ مجھے آواز دی ہوتی۔'' وہ ان کے قریب آگئی۔

''بھوک لگ رہی ہے، بہت۔ سوپ کے نام پر جو گرم پانی دیا تھا، پیا ہی نہیں گیا۔'' سبھی اس دہشت گردی کے 'متاثرین' میں شامل تھے۔ حبا ماں کی صاف گوئی پر چیں بہ چیں ہوئی۔

''باہر سے کچھ منگوا لو۔'' وہ عائشہ کے پاس صوفے پر بیٹھ گئیں۔

''آنٹی!'' بھوک سے اس کا بھی برا حال تھا۔ ''آپ اجازت دیں تو میں کچن میں جاؤں۔''

''بیٹا تم۔ باہر سے منگوا لیتے ہیں سب کے لیے ہی۔''

''اس سے کم وقت میں کچھ اچھا بن جائے گا۔'' وہ نہیں چاہتا تھا مگر اچٹتی نظر ادھر پڑ ہی گئی۔ حبا کو غصہ تو آیا مگر ثبوت وہ خود ٹرے میں لیے کھڑی تھی۔

''دیکھو۔'' ارجمند نے نقاہت سے باورچی خانے کی سمت اشارہ کیا۔

وہ ادھر بڑھا اور اس کے پیچھے لب بھینچے حبا۔ دل تو کیا ٹرے رکھ کے وہاں سے چلی جائے۔ وہ چلی بھی جاتی کہ صنیع نے مڑ کے اسے مخاطب کیا۔

''دلیا ہوگا آنٹی کے لیے؟'' اس نے الماری کے خانے سے ڈبہ نکال کے کاؤنٹر پر رکھا۔ عائشہ بھی وہیں آگئی۔

''کیا بنا رہے ہیں آپ؟''

''جو عائشہ کہیں گی۔'' وہ ایپرن کی تلاش میں نگاہیں دوڑا رہا تھا۔ عائشہ سمجھ دار تھی۔ دوڑ کے فریج کھولا اور وہ ایپرن کی تلاش ملتوی کر کے اس کے پیچھے فریج کے پاس آیا۔ دروازے پر ہاتھ رکھ کے اسے مزید وا کیا۔

''مجھے چکن کھانا ہے۔'' سبزیوں سے بھرے فریج کو دیکھتے ہی عائشہ نے نعرہ لگایا۔ صنیع نے پلٹ کے حبا کو دیکھا اس نے انگلی سے اوپر فریزر کی سمت اشارہ کیا۔

''اوکے۔'' اس نے فریزر کھول کے چکن نکالا۔

''اب آپ بیٹھیں وہاں اور مجھے کام کرتا دیکھیں۔'' اس نے بنا کسی غلط نیت کے عائشہ سے کہا تھا تاہم پیچھے کھڑی حبا کو اس میں بھی طنز محسوس ہوا۔

''عائشہ کو سب چیزوں کی جگہ کا علم ہے وہ ہیلپ کر دے گی۔'' وہ کہہ کر چلی گئی۔

''ایپرن؟'' عائشہ سے پوچھا اور وہ جو کرسی پر بیٹھ چکی تھی اچھل کر نیچے اتری اور فریج کے بازو میں ٹنگے ایپرن کھینچنے لگی۔ صنیع نے آگے بڑھ کے خود نکال لیا۔

''آپ کو رائس پسند ہیں؟'' ایپرن گلے میں ڈالتے ہوئے اس نے عائشہ کو دیکھا۔ اس نے زور سے اثبات میں سر ہلایا۔

''تو بتائیں۔ کہاں رکھے ہیں رائس۔ ہم ون

پاٹ چکن رائس بنائیں گے۔"
مرغ 'ڈی فراسٹ' ہونے تک اس نے عائشہ کی مدد سے سارے ضروری لوازمات ڈھونڈ لیے تھے۔ کافی ترتیب تھی باورچی خانے میں۔ وہ اتنے دنوں سے غلط انسان کو کریڈیٹ دینے پر دل ہی دل میں ارجمند سے شرمندہ تھا۔
عائشہ بڑی دلچسپی سے اسے مہارت اور تیزی سے ہاتھ چلاتے دیکھ رہی تھی ساتھ اس کے سوال بھی جاری تھے۔
"میں آپ کا کوکنگ چینل دیکھتی ہوں۔" اس کی اطلاع پر وہ پلٹا۔
"ارے واہ!" وہ میز پر تقریباً لیٹ کر درمیان میں رکھے پھلوں میں سے کیلا اٹھا رہی تھی۔
"آپ نے جو میکسیکن چکن بنایا تھا۔" اسے مشکل سا نام مکمل یاد نہیں تھا جتنا یاد آیا وہ کہہ دیا۔
صنیع بے اختیار آگے بڑھا کہ اسے کیلا چھیل کر دے مگر اس نے سینے پر رکھ کے اسے چھوٹے بازو سے دبایا اور دوسرے ہاتھ سے اس کا نصف چھلکا اتار لیا۔
"آپ وہ بھی بنایئے گا بعد میں، مجھے کھانا ہے۔" کیلا کھاتے ہوئے اس نے نئی فرمائش داغی۔
وہ جو اسے کیلا اٹھاتے دیکھ کر رک گیا، دوبارہ ہاتھ چلانے شروع کیے مگر اس کی توجہ عائشہ کی طرف بھی تھی۔ جہاں تک چھلکا اتارا تھا وہاں پہنچ کے اس نے باقی چھلکا دانتوں سے نیچے کیا۔
سارا وقت وہ یہ کیا ڈالا، کیوں ڈالا، اس سے کیا ہوگا، جیسے سوالات کرتی رہی تھی اور پکاتے وقت خاموشی اور تنہائی پسند کرنے والے صنیع کو آج دونوں کی یاد نہیں آئی۔
"آپ آنٹی اور آپ کی اِبا کو بلالیں۔" میز پر ساری چیزیں رکھنے کے بعد اس نے عائشہ کو پیامبر بنایا۔ وہ اچھلتی ہوئی بھاگی۔
ذرا دیر بعد ارجمند اندر آئیں۔
"ماشاءاللہ خوشبوئیں تو بڑی اچھی آرہی ہیں۔" وہ لمبا سا سانس کھینچتی کرسی پر بیٹھیں۔
"یہ آپ کے لیے۔" اس نے پیالے میں سجا دلیہ ان کے سامنے رکھا۔
"میں اتنی بیمار تو نہیں کہ یہ نہ کھا سکوں۔" انہوں نے آنکھ کے اشارے سے سیلیکان میٹ پر رکھے برتن کی طرف اشارہ کیا۔
"جو آپ کا دل چاہے وہ کھائیں آنٹی۔"
"ماشاءاللہ تم تو بڑے سگھڑ ہو۔" میز پر ایک نظر ڈال کے ستائشی انداز اور نظر سے اسے دیکھا۔ وہ مسکرا دیا۔ اسی اثناء میں عائشہ اور حبا اندر آئیں۔ عائشہ نے صنیع کے بغل والی کرسی سنبھالی لیکن وہ بیٹھی نہیں تھی۔ وہ تو مدد کے ارادے سے آئی تھی لیکن کھانا ہی نہیں سلاد، رائتہ، پانی، چمچے، رکابیاں، ٹشو۔ میز مکمل تھی۔ اس نے کاؤنٹر کی طرف دیکھا۔ لگ رہا تھا صبح سے کسی نے اسے استعمال ہی نہیں کیا ہے۔
"بیٹھو تم بھی۔" ارجمند نے کہا جو کھانا شروع کر چکی تھیں۔
"میں نے کھالیا تھا مما۔ آپ لوگ کھائیں، میں کاپیاں چیک کر رہی ہوں۔" وہ رکی نہیں۔
ان تینوں نے خوش گوار ماحول میں سیر ہو کے کھایا۔ اپنے کمرے میں ان کی آوازیں اور برتنوں کی آوازیں سن رہی حبا پیٹ کے چوہوں کو صبر کی تلقین کر رہی تھی۔
"کیا تھا ساتھ بیٹھ کے کھا لیتی!" اب اسے افسوس تھا۔ جانے شرمندگی تھی یا اپنی ناک کا سوال تھا جو اس وقت وہ بڑے اعتماد سے ساتھ کھانے کی پیشکش ٹھکرا کے آگئی تھی۔
"اپنے پکائے کھانے کی لاج رکھی تھی۔" اس نے خود کو جواب دیا۔
اللہ اللہ کر کے باورچی خانے میں سناٹا ہوا۔
"میں مما کے پاس سو رہی ہوں۔" عائشہ نے آکر اطلاع دی تو اس نے مصنوعی مصروفیت طاری کر کے سر ہلا دیا۔ جب یقین ہو گیا کہ ارجمند اور وہ دونوں کمرے سے نکلیں گی نہیں تو وہ باورچی خانے

میں آئی۔

میز بھی کاؤنٹر کی طرف صاف تھی۔ جھوٹے برتن تک سنک میں ترتیب سے رکھے تھے۔ اس نے یوں منہ بنایا جیسے یہ سب کر کے وہ تھک گئی ہو۔

جلدی سے چولھے پر رکھے برتن سے چاول نکالے، اسی میں ایک طرف رائتہ ڈالا اور چمچ لے کر کرسی سنبھالی۔

جانے یکے بعد دیگر اس نے کتنے چمچ بھر کے منہ میں رکھے تھے جب سر اٹھایا تو دل کیا دنیا اسی پل فنا ہو جائے۔ سامنے دروازے میں صنیع کھڑا تھا۔ منہ ایسا 'پیک' تھا کہ زبان ہلنے سے قاصر تھی۔ صنیع بمشکل اپنی مسکراہٹ دبا سکا تھا۔

"میرا فون رہ گیا ہے۔" دل تو کر رہا تھا وہیں کھڑا رہے جب تک وہ خود سے نہ پوچھ لے 'کیا ہوا؟' یا 'کیوں واپس آئے ہو؟' مگر ڈر تھا اس کی ہنسی نہ چھوٹ جائے۔

اس نے ادھر ادھر نظر دوڑائی کے پانی کا گلاس ملے تو اس کے سہارے منہ خالی کرے لیکن میز تو سلیقے کا منہ بولتا ثبوت تھی۔ صنیع نے اس کے پاس سے گزر کے مائیکرو ویو پر رکھا اپنا فون اٹھایا اور پانی کا گلاس بھر کے اس کے سامنے رکھا۔ حبا یوں ساکت بیٹھی تھی جیسے غیر مرئی ہو اور حرکت ہوتے ہی صنیع کو نظر آ جائے گی۔ ادھر باہر نکلتے ہی اس کا ضبط ختم ہوا۔ وہ مسکراتے مسکراتے ہنس پڑا۔ اندر حبا نے پانی پینے کے بعد رکابی یوں دور کھسکائی جیسے اس سے ذرا دیر پہلے والی ذلت خجالت بھی یادداشت سے دور ہو جائے گی۔ لیکن وہ پلیٹ ترغیب گناہ سے لبریز تھی سو جلد ہی واپس اپنی جانب کھینچ لی مگر اب خطرہ مول نہیں لے سکتی تھی کیا خبر وہ دوبارہ واپس آ جائے۔ اس نے اٹھ کے باورچی خانے کے دروازے سے باہر جھانکا۔ صنیع کا کہیں نام و نشان نہیں تھا۔ واپس کرسی پر آ کے اس نے وہیں سے شروع کیا جہاں چھوڑا تھا۔

وہ باہر جانے کے لیے نکل رہا تھا تب اسے فون کا خیال آیا تھا۔ کار چلاتے ہوئے وہ مسلسل مسکرا رہا تھا۔

رات وہ کھڑکی کی طرف دیکھتا اس کے باہر آنے کا منتظر تھا۔ جب وہ کاپیاں اٹھائے نظر آئی تو باورچی خانے کا منظر یاد کر کے اسے پھر ہنسی آ گئی۔ اسے دیکھتے ہی اس کے چہرے کا بدلا رنگ اسے بھول نہیں رہا تھا۔

ایک ہاتھ میں ڈھیر ساری کاپیاں تھیں اور دوسرے میں مگ۔ اس نے پہلے کاپیاں جھولے پر رکھیں اور پھر ٹہلتے ہوئے مگ خالی کرنے لگی۔

کچھ دیر رک کے اس نے اس کی کھڑکی کو دیکھا۔

"اب اسے کیسے فیس کروں گی؟" اس نے سوچا۔

"بھوکا انسان ایسے ہی کھاتا ہے۔"

"ہاں تو جھوٹ کہنے کی کیا ضرورت تھی کہ میں نے کھا لیا ہے۔"

"اپنے بنائے کھانے کی عزت بھی تو رکھنا تھی۔ اور اب نہ اپنی عزت رہی نہ کھانے کی!" رات کے اس پہر سناٹے میں سوچیں بھی ہر قید سے آزاد تھیں۔

"کیا میں اسے دکھائی دے رہا ہوں؟" اسے مسلسل کھڑکی کی طرف دیکھتے پا کر صنیع کو شبہ ہوا۔

"جانے اور کتنے دن یہ یہاں ہیں، سعیعہ تو لگتا ہے اب مان گئی ہے مگر شاید ادھر نہیں پتا۔" وہ مگ خالی ہوا تو اسے قریب گملے میں رکھ کے جھولے پر بیٹھ گئی۔

"کیا میں اس وقت باہر جا کے اسے پھر حیران کر دوں؟" اس کے اندر شدید خواہش جاگی۔

"نہ......" اندر سے بڑی شدت سے انکار آیا۔

"ورنہ وہ رات میں ادھر آنا چھوڑ دے گی۔"

سڑک والی بتی سے آ رہی کمزور سی روشنی کاپیاں چیک کرنے کو کافی تھی۔ پیر موڑ کے بیٹھ کر اس نے کاپی اور قلم اٹھا لیا۔

اگلی صبح صنیع کی آنکھ کھلی تو وہ اپنی جگہ کے بجائے پلنگ کی پائنتی ہی آڑا لیٹا ہوا تھا۔

☆☆☆

اجنبی نمبر دیکھ کر اس نے فون واپس رکھ دیا اور بیل بجنے دی کہ فون خاموش ہی تھا لیکن جب تیسری بار مسلسل اسی نمبر سے کال آئی تو اس نے فون اٹھایا۔

"ہیلو۔"

ادھر وہ بڑی شدت سے دعا کر رہی تھی کہ وہ فون اٹھالے، اب اس کی آواز سنتے ہی ہچکچا گئی۔

"ہیلو۔" دوسری بار اس کی آواز ابھری۔

"میں حبا، مجھے آپ کی ہیلپ چاہیے۔" اس کا ہاتھ ماؤس پر ساکت ہوگیا۔

"میرا نمبر اس کے پاس کیسے؟" پہلا خیال اسے یہ ہی آیا۔

"آپ ابھی آ سکتے ہیں؟" اس کے لیے یہ کہنا، اسے بلانا آسان نہیں تھا مگر اس وقت کوئی اور چارہ نہ تھا۔

"کہاں؟" اس نے لیپ ٹاپ بند کیا۔

"میں لوکیشن بھیج رہی ہوں۔ مما سے کچھ مت کہیے گا اگر آپ گھر پر ہیں۔"

"اوکے۔" اس نے کرسی چھوڑتے ہوئے 'کی فوب' اٹھایا اور فون بند کیا۔ وہ دروازہ بند کر کے گاڑی کے پاس آیا تب تک حبا کی بھیجی لوکیشن اسے مل گئی تھی۔ وہ جگہ زیادہ دور نہیں تھی۔ دور سے ہی اسے وہ دونوں بلکہ اسکوٹی سمیت تینوں نظر آگئے اور ماجرا سمجھنے میں دیر بھی نہیں لگی۔ وہ اسکوٹی سے ٹیک کے کھڑی تھی اور عائشہ اس کے پاس۔ اسکوٹی کا اگلا حصہ بری طرح متاثر تھا۔ ہینڈل بھی ترچھا ہو گیا تھا۔

"تھینک یو۔" وہ پاس آیا تو اور حبا نے کہا۔

"عائشہ ٹھیک ہے؟" وہ آگے آیا تاکہ عائشہ مکمل دکھائی دے وہ سہمی سی اسے پکڑے تھی۔

"آپ ٹھیک ہیں؟" اس نے جھک کے دریافت کیا۔ عائشہ نے سر ہلایا۔

"آؤ گاڑی میں بیٹھو۔" عائشہ اسے دیکھنے لگی۔

"جاؤ میں بھی آ رہی ہوں۔" اس نے سر پر ہاتھ پھیر کر کہا۔ عائشہ اس سے الگ ہوئی۔

صنیع نے جھک کے اسے گود میں اٹھایا اور گاڑی کی سمت چل پڑا۔

"پانی چاہیے؟" اگلی سیٹ پر بٹھانے کے بعد اس نے پوچھا۔

"ہوں۔"

صنیع نے دروازے کے اندرونی حصے سے بوتل نکالی اور کھول کر اسے تھمائی۔ عائشہ نے چند گھونٹ لے کر واپس دے دی۔

"ریلیکس بیٹا، کچھ نہیں ہوا ہے۔ آپ کی ابا بھی ٹھیک ہیں، آپ کو چوٹ تو نہیں لگی؟" اس نے اس کا سہما اور چپ سا روپ دیکھا ہی نہیں تھا سو اس وقت اس کا دل چاہ رہا تھا کسی طرح اسے فوراً ہمیشہ والی خوش مزاج اور مسلسل زبان چلاتی عائشہ بنا دے۔ عائشہ نے دایاں پیر تھوڑا اونچا کیا اس کے نیچے پر خراشیں تھیں۔

"ہم ابھی ہاسپٹل میں اسے ٹھیک کر لیں گے۔" وہ مسکرایا تو عائشہ نے بھی کوشش کی۔

وہ واپس اس کے پاس آیا۔

"کیسے ہوا؟"

"پیچھے سے رکشا نے ٹکر ماری۔ شکر کہ میں سلو تھی اور سائیڈ پر بھی۔ ہم دونوں اسکوٹی سمیت گرے ہیں۔" راستہ خراب تھا اور اس کا معمول والا ابھی نہیں تھا۔ وہ دونوں اسکول کے بعد اپنی ساتھی ٹیچر کی عیادت کے بعد واپس گھر جا رہی تھیں۔

"چل سکیں گی؟" اس نے عائشہ کا بستہ اٹھایا اور اس کی طرف بازو پھیلایا۔ حبا نے اپنا بڑا سا پرس بھی تھما دیا۔ وہ جس طرح کھڑی تھی، اسی سے پتا چل رہا تھا کہ پیر کی چوٹ شدید ہے۔ بایاں پیر اس نے زمین پر نہیں رکھا۔ جوتا بھی پیر میں نہیں تھا۔

"یہیں رکیں، میں گاڑی قریب لے آتا ہوں اور اسکوٹی؟ میں کال کروں گیراج میں؟"

"نہیں۔ میں نے فون کر دیا ہے، وہ آ کے دیکھ لیں گے۔" اس نے اس سے پہلے اپنے پرانے

گیراج والے اس کو فون کیا جو پاپا کے وقت سے ان کی گاڑیوں کے طبیب تھے۔

''اوکے، یہیں ٹھہریں۔''

اس نے سامان پیچھے رکھا اور گاڑی اسکوٹی کے بالکل پاس لگا کر باہر نکلا۔ وہ عائشہ تو تھی نہیں کہ گاڑی تک جانے میں اسے سہارا دیتا۔

حبا نے جھک کے جوتا ہاتھ میں لیا اور ایک پیر زمین پر رکھے بنا، ایک پیر پر اچھلتی گاڑی تک آ گئی۔ صنیع نے دروازہ کھولا اور وہ اندر بیٹھ گئی۔

اسپتال تک وہ عائشہ سے بات کرتا رہا جو کسی حد تک حادثے کے اثر سے باہر نکل آئی تھی۔ پیر میں ورم نہیں تھا لیکن جتنا درد ہو رہا تھا، اسے خود بھی تسلی کرنا تھی۔ وہ پلاستر چڑھا کے گھر نہیں بیٹھ سکتی تھی۔ عائشہ کو تنہا اسکول بھیجنے پر اس کا دل راضی نہیں ہوتا تھا۔ جس دن بوجہ وہ نہیں جاتی، عائشہ کی بھی چھٹی کروا دیتی تھی۔ جب وہ ایکس رے کے بعد باہر آئی تو عائشہ کے پیر کی ہلکی خراشیں صاف ہو چکی تھیں۔ نرس نے اسے اسٹول پر بٹھایا۔

اس نے پہلے آستین ہٹا کے کلائی آگے کی۔ لمبی اور گہری خراش تھی۔ اس جگہ سے آستین بھی سڑک سے رگڑنے کی وجہ سے پھٹ گئی تھی۔ وہ دونوں بائیں جانب گری تھیں اور ضربیں، چوٹیں بھی اس جانب ہی تھیں۔ شکر تھا عائشہ کو زیادہ نہیں لگی۔

''یہاں بھی ہے۔'' جب وہ اسٹول سے اٹھنے لگی تو نرس نے اس کا چہرہ ایک طرف کیا۔ بائیں گال پر کان کے قریب خون کا نشان تھا، پیشانی پر شاید پتھر کھب گیا تھا۔

سامنے بنچ پر عائشہ کے ساتھ بات کر رہے صنیع نے اس کے چہرے کو دیکھا۔ وہ خاموش بیٹھی نرس کو کام کرنے دے رہی تھی۔ بال قدرے بکھرے سے تھے، اس کا گہرا سبز اور کریم دوپٹا شانوں پر پھیلا تھا۔ چہرے پر کچھ دیر قبل کی نسبت سکون تھا۔ کان کے آویزے، ناک کی لونگ، کھلتے بند ہوتے ہونٹ جن کی لپ اسٹک کب کی مٹ چکی تھی۔ اس لمحے اسے ادراک ہوا، اس زخم زدہ، داغ دار سلونے چہرے میں کس قدر کشش ہے۔ تنگ سی پیشانی اور کاجل والی سیاہ آنکھیں ہی نہیں اس کا ہر نقش، نقش ہونے والا تھا، نقش ہو چکا تھا۔ ایک عمر کے بعد اس کا اپنا مفروضہ، خود کی سوچ بے معنی، بے وزن ثابت ہوئی تھی۔ حبا کی نظر اس کی سمت اٹھی تو اس نے زاویہ بدلا اور ساتھ بیٹھی عائشہ کو دیکھنے لگا۔

ماتھے پر چوکور ذرا سی پٹی اور کلائی اور گال پر جراثیم کش دوا سے صفائی اور مرہم لگانے کے بعد ڈاکٹر نے خوش خبری سنائی کہ فریکچر جیسا گمبھیر مسئلہ نہیں تھا۔

''چند دن ریسٹ کریں اور دوائیاں لیں، ٹھیک ہو جائے گا۔''

اسپتال سے باہر آ کر کار میں بیٹھے ہی تھے کہ ارجمند کی کال آ گئی۔ اس نے فون اٹھایا نہیں۔ ارجمند نے بھی دوبارہ فون نہیں کیا۔ انہوں نے اندازہ لگایا ہو گا کہ وہ ڈرائیو کر رہی ہے۔

''تھینک یو۔'' گاڑی سے باہر نکلنے سے پہلے اس نے ایک بار پھر کہا تھا۔

ساری روداد کے بعد ارجمند الگ شکر گزار تھیں۔ اس نے پہلے عائشہ کو اور پھر اس کا بستہ اور بیگ اندر تک پہنچایا تھا۔

اس رات جب اس نے کھڑکی سے باہر دیکھا تو اس دلکش اور خوب صورت باغ کا حسن اس کا دل بہلانے، دل لگانے، اسے وہاں روکے رکھنے میں ناکام رہا۔ صنیع صفدر کی زندگی کا یہ پہلا اتفاق تھا کہ اس کا متعین کردہ حسن اس کے لیے کافی نہیں تھا۔ آج اس کی طلب اپنے تسلیم کردہ حسن سے الگ تھی۔

☆☆☆

اتنے دنوں میں پہلی بار سنیعہ نے اسے خود فون کیا۔

''کہیں ملتے ہیں یا مجھے لینے آ جائیں۔''

اور وہ اسے لینے پہنچ گیا۔

''لگ نہیں رہا، تمہیں زبردستی بھیجا گیا تھا۔'' وہ

اگلی نشست پر بیٹھی اور وہ خود کو کہنے سے روک نہیں سکا۔ سنیعہ نے گھورنے پر اکتفا کیا۔

وہ اس سے صرف ڈیڑھ سال چھوٹی تھی۔ ان میں دوستی بھی بلا کی تھی۔ خوبصورتی ان دونوں نے اپنی امی سے لی تھی۔ ابا بھی کم صورت نہ تھے لیکن اللہ نے جس فراخ دلی سے اس کی امی کو اور پھر ان دونوں کو افراط سے جمال عطا کیا تھا اس کے آگے ابا کی کوئی جگہ نہیں بچتی تھی۔ حسن کے ساتھ ناز اور توقعات بھی امی کو کسی اور جہان کی ملی تھیں اور وہ اس معاملے میں پورا پورا امی پر گیا تھا۔ ان ہی کا ہم خیال تھا۔ سنیعہ بھی کم و بیش ویسی ہی تھی لیکن مٹھیوں سے پھسلتے جا رہے وقت نے اسے دوسری نہج عطا کر دی تھی۔

سنیعہ کے جوڑ کا انہیں آج تک کوئی لڑکا پسند نہیں آیا تھا۔ انہیں چاند سورج کی جوڑی بنانا تھی جس پر ساری دنیا انگشت بدنداں رہ جاتی۔ اس سے کم پر وہ سمجھوتا نہیں کرتی تھیں۔

اچھے بھلے رشتے انہوں نے اس وجہ سے بھی رد کیے تھے کہ اس خاندان کے مرد چالیس کے بعد گنجے ہو جاتے ہیں تو کبھی اس گھر کے کچھ بچوں کا رنگ دبتا تھا۔ بات تمہیدی و ابتدائی کسوٹی سے آگے ہی نہیں بڑھی تھی کہ تعلیم، ملازمت، آمدنی اور معاشرتی حیثیت تک پہنچتی ہی نہیں تھی۔ ظاہری خواص کے پرچے میں ہی ہر نمائندہ ناکام ہو رہا تھا۔

انہیں سنیعہ کی ٹکر کا حسین بندہ ہی نہیں بلکہ اس بات کی گارنٹی بھی چاہیے تھی کہ ان کے نواسا نواسی بھی حسن میں یکتا ہوں۔ ایک وقت تک ابا بھی ان کی تلاش میں ان کے ساتھ تھے لیکن جب سنیعہ چھبیس کی ہوئی تو انہیں احساس ہوا کہ کسوٹی صرف خوبصورتی نہیں ہے، اس کے ساتھ توقعات غیر حقیقی بھی ہیں کہ دور دور تک اس حسن کو گہنانے والا کوئی اندیشہ بھی نہ ہو۔ اس ایک خواہش کے پیچھے کئی اچھے رشتے ٹھکرا دیے گئے اور دیگر خوبیوں کو بھی زیرو کر دیا گیا۔

سنیعہ یوں بھی ابا کے قریب تھی۔ انہوں نے اسے سمجھانے کی کوشش کی یا وہ خود ہی سمجھ گئی کہ اب اسے ماں کی تلاش میں پہلے جیسی دلچسپی نہیں تھی۔

آفت اس وقت آئی جب ایک دن ابا نے سنیعہ کے لیے اپنے مرحوم محسن کے بیٹے کو پسند کرنے کا اعلان کیا۔ وہ بیٹا جو شکل صورت کا ٹھیک ٹھاک مگر ایک پیر پولیو کا شکار تھا۔ بس اس دن سے امی ابا میں گھمسان کا رن پڑا جو آج تک چل رہا تھا۔

ابا جب اپنے گاؤں سے پہلی بار ممبئی آئے تھے تو ایک بالکل اجنبی انسان نے ان پر اعتبار کیا تھا۔ انہیں اپنی بیکری میں ملازم رکھا، سونے کھانے کے ساتھ کام دیا۔ انہیں ترقی کرنے سے نہ روکا بلکہ ان کی ہر طرح سے مدد کی تھی۔ وہ کہتے تھے اگر عبدالغفور نے ان کی مدد نہ کی ہوتی تو آج وہ اس مقام پر نہ ہوتے، ان کے پاس آج جو بھی مقام اور نام تھا، وہ ان کی وجہ سے تھا۔

عبدالغفور کی دو بیٹیاں اور ایک بیٹا تھا۔

بیٹیاں شادی شدہ تھیں اور بیٹا بھی تعلیم یافتہ اور برسر روزگار تھا۔ وہ حیثیت میں آج بھی ان سے زیادہ تھے، بیٹا اکلوتا تھا لیکن امی کے لیے بھلا ان سب باتوں کی کیا اہمیت جب وہ ان کی بیٹی بلکہ ان کے خاندان کی ٹکر کا حسین تو کیا الٹا عیب دار تھا۔

عبدالغفور کے خاندان سے ان سب کا ملنا ملانا تھا۔ اچھے تعلقات بھی تھے ان سب نے ان کی بیٹیوں کی شادی میں بھی شرکت کی تھی لیکن حمیدہ اسے رشتے داری میں بدلنے کے لیے قطعی تیار نہ تھیں۔

اسی دوران عبدالغفور کی شریک حیات جنہیں وہ غفور آنٹی کہتے تھے، شکم کی جراحت کے بعد بستر پر تھیں اور ابا نے ان کی مدد کے لیے کچھ دنوں کے لیے سنیعہ کو ان کے گھر بھیجنے کا وعدہ کر لیا۔ امی نے گھر سر پر اٹھا لیا۔

''میں سب سمجھ رہی ہوں، اس کے پیچھے آپ کا کیا مقصد ہے۔''

''نیک بخت! فی الحال اپنے محسن کی مشکل اور

ضرورت کے وقت مدد کے علاوہ کوئی اور مقصد نہیں ہے۔"

"آپ ہمیشہ کے لیے یہ خیال دل سے نکال دیں۔" وہ سنیعہ کے اٹھائیس کی ہو جانے کے باوجود بھی اپنی خواہش سے ایک انچ پیچھے ہٹنے تیار نہ تھیں۔

"میرے خیال سے کچھ نہیں ہوگا۔ میں بچوں کی مرضی کے بنا شادی نہیں کروں گا، اتنا تو بھروسہ رکھو۔"

ان کی بحث سنیعہ نے یہ کہہ کر ختم کی وہ آنٹی کی مدد کو جانا چاہتی ہے اور اسی بات پر اس نے گھر چھوڑا کہ صنیع کا اور امی کا خیال تھا، سنیعہ کو ابا نے زبردستی بھیجا ہے صنیع سے یہ کہلوایا تاکہ پھر وہ دونوں کچھ کر نہ سکیں۔

"انہوں نے تم سے ایسے کون سے کام کروائے کہ تمہیں ایک ٹیکسٹ کرنے کی فرصت نہیں تھی؟" اس کا سوال اور لہجہ دونوں چبھتے والے تھے۔

"میں کسی بھی انفلوئنس (دباؤ) کے بغیر خود سوچنا پرکھنا اور فیصلہ کرنا چاہ رہی تھی اس لیے سب سے رابطہ بند کر دیا تھا۔" سنیعہ نے سنجیدگی سے جواب دیا۔

"کہاں چلیں؟" اس نے گاڑی آگے بڑھاتے ہوئے پوچھا۔

"اپنے کچن ہی لے چلیں۔"

"وہاں کیا بات ہوگی۔" ظاہر ہے وہ اپنے ذاتی معاملات پر اپنے ملازمین کے سامنے بات نہیں کر سکتا تھا۔

"کیا بات کرنی ہے؟" سنیعہ نے پوچھا۔

"تم نے اتنے دنوں بعد بلایا مطلب کچھ تو بات کرنی ہے اور اکیلے رہ کر کیا فیصلہ کیا وہ بھی تو تمہیں بتانا ہوگا۔" اس نے ایک نظر بہن کو دیکھا۔

"وہ میں ابھی بتا دیتی ہوں۔" وہ مسکرائی اور اس نے سوالیہ نظروں سے دیکھا۔

"مجھے ابا والا پروپوزل پسند ہے اور میں نے ابا سے کہہ بھی دیا ہے۔"

صنیع نے انڈیکیٹر دے کر گاڑی سڑک کے کنارے روک دی اور پورا اس کی سمت گھوما۔

"کیا گھول کے پلایا ہے تمہیں ان لوگوں نے؟" اس کے انداز میں پہلے والی شدت تھی نہ تنفر۔ سنیعہ نے بغور اسے دیکھا۔

"آپ کیا گھول کے پی رہے ہیں، یہ بتائیں پہلے؟" اس کی نظروں سے صنیع کا بدلا مزاج مخفی رہنا مشکل ہی تھا۔

"سچ کہو۔ یہ امی ابا کی جنگ ختم کرنے کے لیے کیا ہے یا کسی اور پریشر میں؟" اس نے اپنی بات ٹال دی۔

"میں سچ کہوں گی تو مان جائیں گے؟"

"ہمم۔" اس نے سر ہلایا۔

"تو سنیں، اب یہ مکمل اریج میرج نہیں ہوگی۔" اس نے سر جھکا کے دھیرے سے کہا۔

اگر گھر نہ چھوڑا ہوتا تو اس وقت وہ چیخ اٹھتا، کبھی یقین نہ کرتا، آسمان سر پر اٹھا لیتا لیکن اس وقت وہ فوراً کوئی رد عمل نہیں دے پایا۔ اس کی خاموشی پر سنیعہ نے سر اٹھایا۔ وہ اس کے گلابی کھلے کھلے چہرے کو دیکھ کے مسکرا دیا۔

"واؤ!" وہ شرما گئی۔ صنیع اسٹیرنگ پر ہاتھ مار کے ہنس دیا۔

"کیسے؟" تجسس فطری تھا۔

"کئی بار مختلف حالات اور اجنبی لوگ ہمیں ہمارے ہی ایک نئے رخ سے متعارف کراتے ہیں جو اوپر نظر آنے والی سطحی شخصیت سے گہرا اور زیادہ معنی خیز ہوتا ہے۔"

اسے لگا سنیعہ نے اس کی کیفیت کی ترجمانی کی ہے۔

"مجھے اس سے پہلے علم ہی نہیں تھا کہ مجھے ظاہری شخصیت سے زیادہ مقابل میں سینس آف ہیومر، اعتماد اور جینٹلمین رویہ امپریس کرتا ہے۔"

"دیکھ ہی رہا ہوں، کس قدر امپریس ہو کہ امی سے پنگا لے کر شادی کے لیے تیار ہو گئیں۔" وہ پھر

ہنس دیا۔
"مجھے وہاں آنٹی نے بتایا، انہوں نے ایک ہی شرط رکھی تھی کہ اگر میں خود سے مان گئی تو ہی وہ شادی کریں گی اور مجھے سمجھانے یا کنوینس کرنے کی کوشش نہ کی جائے یعنی آپ کا اور امی کا ڈر بالکل بے جا تھا کہ ابا زبردستی یہ شادی کروا دیں گے۔" اس کے لیے فیصلے کو آسان کرنے والی کوئی ایک بات نہ تھی بلکہ ایک مکمل شخصیت تھی۔
اس کی ہنسی تھم گئی تھی مگر وہ کچھ بول نہ سکا۔
"اب آپ گھر چلیں اور امی کو منائیں۔" سنیعہ نے اگلا قدم سجھایا۔
"آنٹی اب ٹھیک ہیں، میں کل گھر جا رہی ہوں۔ ویسے آپ نے مجھے روکنے کی کوشش نہیں کی؟" اس کی آنکھوں میں شک لہرایا۔
"کیا کرتے رہے اتنے دن؟ کیا بدل گیا ہے؟"
"سب بتاؤں گا، پہلے تمہاری نیا پار لگا دیں۔ امی کو منانا اتنا آسان نہیں ہے۔ مجھے تو لگتا ہے ان کی ناراضی کے ساتھ ہی شادی کرنا پڑے گی۔"
"ایسے تو نہ کہیں۔" اس نے صنیعہ کے بازو پر ہاتھ مارا۔
"کیسے منانا ہے، یہ سوچیں۔"
"سوچیں گے، ابھی تو چلو منہ میٹھا کرتے ہیں۔" اس نے گاڑی اسٹارٹ کی۔

☆☆☆

سنیعہ گھر واپس چلی گئی۔ جب وہ ہی رشتے پر راضی تھی تو اس کا یہاں رکنا بے معنی تھا، یہ الگ بات وہ جانا نہیں چاہتا تھا۔ اس نے اپنا بوریا بستر سمیٹا اور ارجمند کو اطلاع دے دی۔
گھر میں ایک نیا امتحان منتظر تھا بلکہ اب تو آگے امتحان ہی امتحان دکھائی دے رہے تھے۔ سنیعہ کے لیے ہی امی کا مان جانا ناممکن لگ رہا تھا تو اس کا معاملہ تو وہ سننے کی بھی روادار نہ ہوتیں۔
کل صبح یہاں اس کی آخری صبح تھی۔ وہ کچھ دیر بالکنی پر ٹکا رہا پھر کچھ سوچ کے دروازہ کھول کے باہر نکل آیا۔ حسب توقع وہ اسے دیکھ کر بری طرح چونکی اور سنبھلی۔
"آپ کافی، چائے پی کر سو کیسے جاتی ہیں؟" وہ جھولے پر اس کے ساتھ بیٹھ تو نہیں سکتا تھا لہٰذا ذرا فاصلے پر رک گیا۔
"چائے کافی کے بعد مجھے دو تین گھنٹے نیند نہیں آتی۔ یہ ہاٹ چاکلیٹ ہے۔" اس نے مگ ذرا اونچا کیا اور اس کی اتنے دنوں کی الجھن دور ہوئی۔
"اوہ!"
کچھ دیر دونوں چپ ادھر ادھر دیکھتے رہے۔
"میں کل جا رہا ہوں۔" آخر اس نے ہی پہل کی۔
"جی امی نے بتایا۔" وہ مگ کو ہتھیلیوں کے درمیان حرکت دے رہی تھی۔
"میں نے یہاں امید سے زیادہ اچھا وقت گزارا ہے۔"
"پہلے میں بھی متامل تھی عاشو کی وجہ سے کہ سب کنسیڈر ریٹ نہیں ہوتے مگر۔" اس کی نظریں مگ پر جمی تھیں۔
"آپ نے ابتدائی شاک کے باوجود اپنے ری ایکشنز اس پر واضح نہیں کیے، عاشو کا خیال رکھا، غیر ذمہ دار رویہ نہیں اپنایا، اس سے آپ کی اچھی دوستی بھی ہو گئی تھی۔" پل بھر کو اس نے سر اٹھا کے دیکھا۔
"دوستی تو اب بھی ہے اور رہے گی۔" اس نے تصحیح کی۔
"وہ مس کرے گی آپ کو۔" گھر کے مکینوں کے علاوہ اتنے دن پہلی بار کوئی اجنبی ان کے ساتھ رہا تھا۔
"اور آپ؟" وہ پوچھنا چاہتا تھا لیکن پہلے اسے جواب مرضی والا ملنے کا یقین چاہیے تھا۔
"میں بھی مس کروں گا۔" اس نے عائشہ کا نام لے کر جملہ خاص نہیں کیا بلکہ اسے گنجائش سے بھر

دیا۔
"میں ملنے آتا رہوں گا، آپ کو مسئلہ تو نہیں؟"
"مسئلہ کیسا، عاشو خوش ہوگی۔" اس نے خوشی صرف عائشہ تک محدود کر کے گنجائش باقی نہ رکھی۔
یہاں اس کی آمد کے وقت یہ دور دور تک گمان نہ تھا کہ کبھی وہ اس سے یوں بات کرے گی۔ وہ دو مختلف مزاج، شخصیت، مختلف خیالات اور اصول کے مالک بلکہ ہر معاملے میں ایک دوسرے کا تضاد تھے۔
حبا کے لیے وہ ناپسندیدہ افراد میں شامل تھا جس سے وہ کوئی تعلق نہیں رکھنا چاہتی تھی سرسری سا بھی نہیں مگر عائشہ کے ساتھ اس کے رویے نے حیرت انگیز طور پر بہت کچھ بدل دیا تھا۔
"آپ جس طرح عائشہ کو ہینڈل کرتی ہیں، میں امپریس ہوا ہوں۔ اتنی کم عمر میں اس نے اپنی اپناٹومی قبول کرلی اور یہ بھی کہ مشکل ہو تو مدد مانگنا شرم والی بات نہیں، اس کا اعتماد اور ان اپولوجیٹک (غیر معذرت خوانہ) اٹیٹیوڈ (رویہ) قابل تعریف ہے۔"
"وہ بہت پیاری بچی ہے۔"
حبا بس مسکرادی۔ یہاں تک کا سفر اتنا آسان نہیں تھا۔ محبت کے دعوے اور اسے اپنے ساتھ رکھنے کے فیصلے کے باوجود پہلے وہ خود بھی دیر تک عائشہ کا بازو دیکھ نہیں پائی تھی۔
"آپ پروستھیٹک یا روبوٹک ہینڈ کے بارے میں ضرور سوچیں، اس معاملے میں میں کسی کام آیا تو مجھے خوشی ہوگی۔"
"تھینک یو۔" حبا نے اسے دیکھا۔ صبح کا لگا کاجل اب مٹا سا تھا لیکن اس کی آنکھوں کا سحر کم نہیں ہوا تھا۔
اس نے جیب سے مٹھی باہر نکالی اور اس کے سامنے کی۔ حبا نے حیرت سے اسے دیکھا۔ اس نے سر کے اشارے سے مٹھی میں دبی چیز لینے کہا۔ حبا نے مگ نیچے زمین پر رکھا اور اپنی ہتھیلی اس کی مٹھی کے نیچے کھول دی۔
"اوہ!" ہتھیلی پر گرا جھمکا دیکھتے ہی بے اختیار اس کے منہ سے پھسلا تھا۔
"اس رات گاڑی میں ملا تھا، مجھے یاد نہیں رہا۔" اب وہ سچ تو کہہ نہیں سکتا تھا کہ روز نہ صرف جھمکا یاد تھا بلکہ وہ اسے دیکھتا بھی تھا۔
"ابھی سامان سمیٹتے وقت نظر آیا۔" جب انسان جھوٹ کہتا ہے تو اسے سچ ثابت کرنے کی سعی میں اضافی کوشش ضرور کرتا ہے۔
"اگین تھینک یو۔" اس نے ہتھیلی بند کر کے گود میں رکھ لی۔ اس کا دل کیا، صنیع کو سب سچ بتا دے لیکن وہ چپ رہی اور صنیع بڑی کوشش سے خود کو مزید کچھ بولنے سے روکے ہوئے تھا۔
"گڈ نائٹ۔" اس نے گہری اور طویل نظر اس کے چہرے کے نام کی۔
"گڈ نائٹ۔" وہ بھی نیچے رکھا مگ اٹھا کے کھڑی ہوگئی۔
صنیع واپس کمرے کی طرف چل پڑا تھا۔ وہ بھی مزید وہاں رکی نہیں۔

☆☆☆

جس طوفان میں وہ دونوں گھر سے نکلے تھے، واپس لوٹے تو اس سے بڑا طوفان ساتھ تھا۔
"بچپن میں ہاسپٹل میں بچے بدل جاتے ہیں سنا تھا مگر یہ جوان بچے کب سے بدلنے لگے؟"
ان دونوں کی متفقہ رائے کہ انہیں ابا کا فیصلہ منظور ہے، سننے کے بعد وہ بے یقینی سے انہیں گھورتی رہیں اور اس خاموش وقفے میں وہ دونوں سانس روکے منتظر تھے کہ اب آتش فشاں کا دہانا کھلا کہ جب کھلا۔
"یہ میرے بچے نہیں کوئی اور ہیں۔" انہوں نے ہاتھ فضا میں لہرا کے اعلان کیا اور اٹھ کے کمرے میں ٹہلنے لگیں۔
"جو بچوں کی مرضی، وہ میری مرضی۔" ابا بھی سکون سے کہتے اٹھ گئے۔
"شادی کی تیاری کرو۔ باقی باتیں میں خود

طے کر کے بتادوں گا۔" ابا کا مزاج کسی اور ہی سطح پر تھا۔

"میری لاش سے گزر کر کیجیے گا شادی۔" عقب سے تلملاتی آواز آئی جسے انہوں نے مکمل نظر انداز کردیا۔

"کروتم بھی باپ کے ساتھ مل کے مجھے بے عزت، اچھا طریقہ ڈھونڈا ہے ساری دنیا کی نظروں میں مجھے گرانے کا۔ ارے ایسا کون سا گناہ ہے میری خواہش! اپنی اولاد کے لیے جوڑ کا رشتہ ہی تو چاہتی ہوں نا اس پر بھی سارے مل کے مجھے ولن بنا رہے ہیں۔ میں کیا اپنے بچوں کی دشمن ہوں، ساری دنیا تھو تھو کرے گی کہ ایسی کون سی مجبوری تھی جو چاند جیسی بیٹی ایک لنگڑے کے ساتھ باندھ دی، ایسے بے جوڑ رشتے پر مذاق بنے گا۔" وہ شروع ہوگئی تھیں۔

آج پہلی بار سنیعہ اور صنیع کو ماں کی باتیں بری اور دل دکھانے والی لگ رہی تھیں جب ان کا دل ایسے انسانوں سے لگ گیا تھا۔ وہ دونوں سر جھکائے ان کے غصہ، جھنجلاہٹ، بے بسی اور مایوسی کا اظہار سنتے رہے کہ اس وقت ان سے بحث یا انہیں سمجھانے کی کوشش کے نتائج الٹے ہی نکلنے تھے۔

صنیع تو ابھی سے سوچ کے ہلکان ہو رہا تھا کہ اس کی باری پر ماں کا ردعمل کیا ہوگا۔

وہ تین ایک طرف اور حمیدہ تنہا تھیں۔ اس بار خاندان والے بھی زور و شور سے بٹ گئے تھے، کچھ حمیدہ کی طرف کچھ صفدر کی طرف۔ آخر صنیع کے نانا نے انہیں سمجھایا۔ وہ اس رشتے پر ناخوش سہی لیکن اپنی ایک ہی بیٹی اور گھر کی پہلی شادی بھی یادگار بنانا چاہتی تھیں سو چار و نا چار اٹھتے بیٹھتے اپنے ساتھ ہوئی زیادتی اور بچوں کے یوں بدل جانے پر باتیں سناتیں تیاریوں میں لگ گئیں۔

☆☆☆

وہ فون پر بات کرتے ہوئے کسی کام سے باہر جا رہا تھا جب اس کی نظر حبا پر پڑی۔ ساتھ عائشہ اور ارجمند بھی تھیں۔ اب تک وہ جس حلیے میں اسے دیکھتا آیا تھا، اس وقت وہ اس سے مختلف تھی۔ لش لش کرتا سیاہ اور سیمیں جوڑا، زیور، میک اپ، اس کی تیاری عام مہمان سی نہیں تھی۔ اسے کئی بار خیال آیا کہ ان تینوں کو شادی میں مدعو کرے مگر وہ وقت سے پہلے حمیدہ کو خبر ہونے سے ڈر رہا تھا۔ ان کے لیے سنیعہ کا دھوکا ہی کم نہ تھا اب اگر ساتھ ہی اس کے ارادوں کی خبر بھی ہو جاتی تو۔ آگے اس کی سوچ مفلوج ہو جاتی تھی۔

اس نے آس پاس بیٹھے لوگوں کو دیکھا۔ وہ سب باراتی تھے۔

"یہ آفاق کی ریلیٹیو ہے؟" اس کی سوچ دوسری جانب سے ہورہی جھنجلائی ہیلو ہیلو نے وہیں روک دی۔ اس کے بعد وہ موقع ہی تلاشتا رہ گیا کہ ادھر جا کے ان سے بات کرے۔

وہ راہداری میں مڑا اور ایک دم رک گیا۔ سامنے قد آدم آئینے کے سامنے وہی کھڑی تھی۔ وہ جھک کے اپنا دوپٹا یا کرتا ٹھیک کر رہی تھی۔ وہ دبے پاؤں آگے بڑھا۔ حبا نے سر اٹھایا اور بال پیچھے کرتے ہوئے نظر اپنے عکس کے پیچھے اس کی طرف بڑھ رہے صنیع پر ٹھہر گئی۔

وہ اس سے فاصلے پر پیچھے رک گیا مگر آئینے میں ان کے عکس ایک دوسرے کے ساتھ شانے سے شانہ ملائے کھڑے تھے۔

"کاش امی اس وقت میری آنکھوں سے یہ جوڑی دیکھ سکتیں!" وہ اس منظر کو قید کرنا چاہتا تھا۔ بے اختیار اس کا ہاتھ جیب میں فون کی طرف گیا تھا مگر تب تک حبا اس کی سمت پلٹ گئی۔

"سرپرائزڈ؟" حبا نے خود کو سنبھال کے مسکرا کے پوچھا۔ وہ آج خوش تھی۔

"یس بہت!" لیکن صنیع کا دل سنبھل نہیں رہا تھا۔

"آفاق بھائی میرے تایازاد ہیں۔"

"اوہ!" اسے واقعی جھٹکا لگا۔

"میں اتنا بے خبر ہوں یا یہ دنیا واقعی اتنی چھوٹی

ہے؟" اس کی نظریں ذرا جو آوارہ ہوئی ہوں۔
"رضا بھائی نے آپ کے ہمارے یہاں آنے سے پہلے آپ کا تعارف کروا دیا تھا۔" کبھی تو اسے یہ سچ کہنا تھا تو ابھی کیوں نہیں۔
"آفاق بھائی۔ آفاق رضا، گھر میں ان کا نام رضا ہے۔" یہ ایک اور جھٹکا تھا۔
"واؤ!" اسے سب ایک ساتھ ہضم کرنا مشکل ہو رہا تھا۔
"یعنی آپ میرے وہاں آنے کا اصل ریزن بھی جانتی تھیں؟" اسے اس کا ابتدائی روکھا رویہ یاد آیا۔ حبا نے اقبال جرم کے انداز میں سر ہلایا۔
"آنٹی بھی؟"
"نہیں۔ مما کو نہیں پتا تھا، مطلب وہ آپ اور آپ کی فیملی کو جانتی ہیں لیکن یہ ساری کہانی انہیں نہیں معلوم، آپ نے کسی وجہ سے گھر چھوڑا ہے، اتنا انہیں علم تھا اس لیے بھی انہوں نے اس نازک موضوع کو کبھی نہیں چھیڑا۔"
"اور میں بڑی شان سے بے وقوف بنتا رہا۔" اسے اس وقت اپنا آپ ہونق لگ رہا تھا۔
"بے وقوف بننے یا بنانے والی تو کوئی بات نہیں۔ کوئی ایسا موقع آیا ہی نہیں کہ یہ ذکر نکلتا ورنہ شاید آپ جان جاتے۔" وہ غصہ نہیں تھا مگر یہ معلومات اسے خوش بھی نہیں کر سکی تھیں۔
راہداری کے سرے سے آوازیں آنے لگیں۔
"میں آنٹی اور عائشہ سے آ کر ملتا ہوں۔" اس نے سر ہلایا اور ہال کی سمت چل پڑی۔
اسے اب جلد سے جلد سنیعہ سے بات کرنا تھی اور وہ اس کے سر پر جا کھڑا ہوا۔
"میں ابھی ابھی آفاق کے چاچا کی فیملی سے مل کر آ رہا ہوں۔" اس نے سنیعہ کے بازو میں بیٹھی کزنز کو اٹھا کے پاس بیٹھتے ہوئے اس نے سوال داغا۔
"کچھ تو لحاظ کریں، دلہن ہوں میں۔" سنیعہ نے یاد دلایا۔

"تم جتنا جلدی بتا دو گی، میں اتنا جلد یہاں سے رفع دفع ہو جاؤں گا۔" وہ سنجیدہ تھا۔
"امی ابا دونوں ہی آپ کے لیے فکرمند تھے۔ کسی دن ابا اور میری بات آفاق نے سن لی اور پھر یہ تجویز رکھی کہ بیلا پور میں ان کے چاچا کے یہاں ایک کمرہ خالی ہے وہاں انتظام ہو سکتا ہے۔ ظاہر ہے آپ نے آفاق کے چاچا کے گھر جا کر رہنے پر تو راضی نہیں ہونا تھا لہٰذا تابش کو آگے کیا اور آپ مان بھی گئے۔"
"سب نے مل کر مجھے الو بنایا۔" وہ سوچتا رہا اور ہاتھ ملتا رہا۔
کچھ دیر بعد وہ عائشہ اور ارجمند سے ملا۔ دونوں خوش ہوئیں۔ عائشہ کو اس سے شکایت تھی کہ اس نے جانے کے بعد ایک بار بھی فون کیا نہ ملنے آیا۔
"سوری۔" اس نے کان پکڑے۔
"شادی کی تیاریوں میں بزی ہو گیا تھا لیکن پرامس اب کال بھی کروں گا اور ملنے بھی آؤں گا۔" اس نے وعدہ کیا۔
وہ رات بستر پر لیٹی تو راہداری کے شیشے کا عکس ذہن کے پردے پر لہرایا۔ اس نے کروٹ بدلی۔
"صبیح نے کوئی مسئلہ کھڑا نہیں کیا اس بات پر سنیعہ کو بہت حیرت ہے۔" رضا نے اسے بتایا تھا۔
"آپ کو لگتا ہے جس سوچ کے ساتھ آپ پروان چڑھے ہوں وہ یوں چند دنوں میں بدل سکتی ہے؟" اسے یہ خیال پریشان کر رہا تھا۔
"ہونے کو اس دنیا میں سب ہو سکتا ہے، ناممکن کچھ نہیں۔" وہ ہمیشہ سے ایسے ہی رجائیت پسند تھے۔ ہمیشہ مثبت بات کرنے والے، کوئی روشن پہلو ڈھونڈ نکالنے والے۔
"پتا نہیں کیوں مجھے یقین نہیں آتا۔" اس کے انداز میں قائل کرنے والا عنصر نہیں تھا۔
"یقین نہیں آتا یا تم یقین کرتے ہوئے ڈر رہی ہو؟" وہ مسکرائے تھے۔ وہ ان کے سامنے گول

کوں بات کرنے سے گریز کرتی تھی کہ وہ اس کے آر پار دیکھ لیتے تھے۔

"صرف اس لیے کہ وہ حسن پرست ہے یا خود حسین ہے؟" انہوں نے اس کی آنکھوں میں دیکھا۔

"شاید۔"

"پتا ہے پھر اسے لوگ حسد کہتے ہیں، کم صورت اور بدصورتوں کی جلن!"

"حق ہا! کچھ بھی۔" وہ ہنسی۔

"تم صرف اس وجہ سے ہی تو اس کی سوچ بدل گئی ہے یہ ماننے کو تیار نہیں ہو۔"

وہ چپ رہی تھی۔

"اچھی یا بری جیسی بھی ہو صرف ظاہری صورت کو کسوٹی بنا کر انسان کو پرکھنا اور باقی خوبیوں خامیوں کا بالکل نظر انداز کرنا ہی تو غلط ہے۔ تم بھی وہی غلطی کر رہی ہو۔" انہوں نے اس کے سر پر ہاتھ رکھا تھا۔

☆☆☆

ولیمے والے دن اسے ذرا فرصت تھی۔ اس دن عائشہ سارا وقت اس کے ساتھ رہی اور اسے اپنی امی کی نظریں بھی محسوس ہوتی رہیں۔

چند ماہ پہلے اگر یہ شادی ہوتی تو شاید وہ بھی حمیدہ کی طرح بظاہر خوش مگر اندر سے ناراض سا گھوم رہا ہوتا یا بہت ممکن تھا وہ یہ شادی ہونے نہ دیتا۔

تاہم اس وقت اسے اسٹیج پر آفاق اور سنیعہ کو دیکھ کر 'پرفیکٹ کپل' والی خوشی ہو رہی تھی۔ کاملیت کی اس مساوات میں سنیعہ کا حسن اور آفاق کے پیر کا نقص بالکل بے معنی تھے۔ ایک سے دمکتے چہرے، خوشی سے لبریز آنکھیں اور مسکراتے ہونٹ، انداز سے چھلکتا ایک دوسرے کو پالینے کا اطمینان اور ذرا سے وقت اور بے شمار نظروں کا مرکز ہوتے ہوئے بھی ایک دوسرے کا خیال اور احساس کرنے والی معمولی حرکات اور تاثر۔

یہ ہی تو مثالی جوڑا تھا۔ ایک دوسرے سے مطابقت رکھنے والا، ایک دوسرے کو مکمل کرنے والا

کہ اسے یقین تھا وہاں سے آفاق کو ہٹا دیا جائے تو سنیعہ کا تبسم معدوم ہو جائے گا اور سنیعہ اس جگہ نہ ہوئی تو آفاق بجھ جائے گا۔ اس کی امی اور اسے، اس سے پہلے اس خطاب کے لیے جن خوبیوں کی تلاش تھی، ان کا ہونا نہ ہونا اس پل قطعی غیر اہم تھا۔ اسے خوشی تھی کہ سنیعہ نے ماں کی بے جا توقعات اور ضد کو دیکھتے ہوئے خود فیصلہ کیا اور پھر اس پر ڈٹی رہی تھی۔ اس نے دنیا اور لوگوں کی نگاہوں اور باتوں کو اہمیت نہیں دی تھی۔

جب سارے مہمان چلے گئے اور صرف گھر والے، قریبی رشتے دار ہی ہال میں موجود تھے تو سنیعہ نے اسے اپنے پاس اسٹیج پر بلایا جہاں وہ تنہا تھی۔

"اب بتا دیں، کیا چل رہا ہے۔" صنیع نے گہرا سانس لیا۔

"امی کو ایک ڈفرنٹلی ایبلڈ بچی کی ماں کے ساتھ میری شادی پر راضی کرنا ہے۔"

سنیعہ کا منہ کھلا رہ گیا۔

"تفصیل میں نہیں بتاؤں گا۔" اس نے ہاتھ اٹھا کے آگاہ کیا۔

"بس کوئی اسٹریٹجی، کوئی پلان بتاؤ کہ یہ ناممکن کام کیسے ہوگا۔"

"آپ حبا کے لیے کہہ رہے ہیں؟" اس کا انداز صنیع کی سمجھ میں نہیں آیا۔

"حبا اور عائشہ۔"

سنیعہ نے ایک گہرا سانس بھرا اور پشت پیچھے ٹکا دی۔ وہ اس لمحے بھول گئی تھی کہ ولیمے کی دلہن ہے۔

"کیا ہوا؟" اس کا انداز عجیب تھا۔

"مجھے وقت تو دیں۔ آپ۔ یعنی آپ عائشہ کو۔ اور اس کے باوجود بھی۔ حق ہا! اس دنیا میں کچھ ناممکن نہیں۔"

"مذاق نہیں پلیز!" اس کا صبر ختم ہوا۔ سنیعہ پشت کا سہارا چھوڑ کے آگے آئی۔

"عائشہ، حبا کی بیٹی نہیں، حبا اَن میرڈ ہے۔"

آسمان صنیع کے سر پر گرا تھا۔
"آنٹی اوپر آرہی ہیں، باقی باتیں بعد میں۔"
سنیعہ نے کہا اور وہ سکتے کی کیفیت سے نکلتا اٹھ گیا۔

☆☆☆

وہ باپ بیٹی روز صبح کی سیر کے عادی تھے۔ اکثر گھر سے کچھ فاصلے پر تالاب تک جاتے تھے جس کے گرد صبح خیز اور چہل قدمی کے شوقین لوگوں کے لیے خاص پکی پگڈنڈی بنی تھی۔ ایسی ہی ایک سیر کے دوران صبح صبح گپ شپ کرتے تیز تیز قدموں سے آگے بڑھتے ہوئے وہ ایک دم رک گئی۔
"کیا ہوا، تھک گئیں؟"
"سنیں نا پاپا۔" اس نے ہاتھ اٹھا کے جیسے انہیں خاموش رہنے کہا۔
"آواز۔" بیٹی کو دیکھ کر انہوں نے بھی توجہ سے فضا کی خاموشی میں کچھ سننے کی کوشش کی۔
"اس طرف۔" وہ ہلکی سی آواز کی سمت بڑھی۔
تالاب سے لگی سڑک کے کنارے لگے گھنے درختوں کے درمیان بینچ رکھے تھے۔ جن کا رخ تالاب کی طرف تھا۔ آواز ایسے ہی ایک بنچ سے آرہی تھی۔ وہ دونوں بنچ کے سامنے پہنچے۔
"ہا!" وہاں کپڑے میں لپٹا ایک نوزائیدہ بچہ تھا۔
"کون بچے کو یوں چھوڑ کر واکنگ کر رہا ہے۔ کتنے غیر ذمہ دار ہیں۔" اس نے چاروں طرف نظر دوڑائی۔ ملگجے سے اندھیرے میں ان کے علاوہ اور لوگ بھی تھے۔
انہوں نے رک کر سب سے پوچھا۔ سب اس بچے سے انجان تھے۔ تب تک وہ بچے کو گود میں اٹھا چکی تھی جو رو رو کر تھک چکا تھا۔
وہاں کچھ دیر انتظار کے بعد وہ قریبی پولیس اسٹیشن پہنچے۔ وہاں بچے کی جنس اور اس کے جسمانی نقص کا علم ہوتے ہی پولیس نے کہہ دیا۔
"کوئی جان بوجھ کر اسے مرنے کے لیے وہاں چھوڑ گیا ہے۔" اور اسے یقین نہیں آیا کوئی اتنا سنگ دل کیسے ہو سکتا ہے کہ اس ننھی سی جان پر یہ ظلم ڈھائے۔
کافی بحث و تکرار اور وقت گزاری کے بعد حبا کے اصرار پر وہ بچی کو گھر لے آئے کہ پولیس کو جب کچھ علم ہوا یا کوئی وارث ملے تو وہ ان کے یہاں سے بچی کو لے جائیں گے۔
ارجمند کو یہ اقدام پسند نہیں آیا تھا لیکن باپ بیٹی کم ہی کسی کی سنتے تھے۔ کچھ دن تو یہ توقع رہی کہ پولیس کچھ کرے گی، اگر وارثوں کا پتا نہیں چلا تو خود ہی بچی کو لے جائے گی اور کسی یتیم خانے یا این جی او کے سپرد کردے گی لیکن جب بچی ایک گھر میں محفوظ تھی تو وہ کیوں ہاتھ پیر ہلاتے۔ عبدالقادر پابندی سے پولیس اسٹیشن کے چکر لگاتے رہے اور جلد ہی انہیں اندازہ ہو گیا تھا کہ بچی کا فیصلہ انہیں ہی کرنا ہوگا۔
ایک نوزائیدہ بچی کا خیال رکھنا جب کہ اس کی ماں بھی نہ ہو، آسان نہیں تھا۔ سارا گھر اس کی خدمت پر معمور رہتا۔ بچی بھی سخت جاں تھی۔ اس میں جینے کی چاہ تھی جو وہ اپنے کمزور وجود کے ساتھ ہی نامساعد حالات سے لڑ رہی تھی۔ پہلے ہی پیدا کرنے والے اسے مرنے کے لیے چھوڑ گئے تھے اور ایک بار پھر اسے دنیا کے رحم و کرم پر چھوڑ دینے کے لیے کسی کا دل آمادہ نہیں تھا مگر اسے ہمیشہ کے لیے گھر میں رکھنا یا اپنا لینا بھی حل نہیں تھا کہ یہ بڑی ذمہ داری تھی خاص طور پر اس وقت جب بچی جسمانی طور پر نارمل بھی نہیں تھی۔ جب بھی وہ آپس میں بات کرتے کہ کیا کیا جائے، حبا کی ایک ہی ضد ہوتی کہ اسے ہم ساتھ ہی رکھیں گے۔
تایا، تائی نے ایک ایسے بچے کی پرورش کی تھی۔ انہیں خوب تجربہ تھا کہ شعور آنے کے بعد ایسے بچوں کا بچپن اور لڑکپن، ان بچوں کے ساتھ ساتھ گھر والوں کا بھی کڑا امتحان ہوتا ہے۔ وہ اس اجنبی معذور بچے کو ساتھ رکھنے کے حق میں نہیں تھے مگر یہاں رضا نے حبا کا ساتھ دیا۔
"یہ آسان نہیں ہوگا، سب کچھ اچھی طرح سوچ لو یہ نہ ہو کچھ دن بعد جھیل نہ سکو تو پھر اس سے

چھٹکارا پانے کے لیے دنیا کے رحم و کرم پر چھوڑ دو۔‘‘
وہ تنہائی میں اسے سمجھاتے۔
وقت گزرتا رہا اور عبدالقادر کے پولیس سے ’فالو اپ‘ لینے کے معمول میں کوئی تبدیلی نہیں آئی۔
حبا اب بھی کسی قیمت پر بچی کو کہیں اور چھوڑنے تیار نہ تھی۔ اس معصوم جان سے ابتدائی ہمدردی اب اپنائیت اور محبت میں بدل گئی تھی۔ چند دنوں میں ہی اس بچی سے اس کی انسیت بڑی گہری ہوگئی تھی۔ اڑوس پڑوس کے لوگ اور رشتے داروں تک خبر پھیل ہی گئی تھی اور وہ اس عجیب بچی کو دیکھنے آتے۔ گہرے رنگ اور ادھورے بازو والی اس ننھی جان کو دیکھ کر سب پل بھر کو چپ ہو جاتے ان کے چہرے بے اختیار ہی کراہیت کا اظہار کر بیٹھتے اور ایسی ہر آمد کے بعد حبا کا استقلال پختہ ہوتا گیا۔ ایک بے قصور اور معصوم کے ساتھ لوگوں کا رویہ اسے دنیا کے بے حس اور بے رحم ہونے کا یقین دلاتا گیا۔
اس کی باتیں اور حساس طبیعت دیکھ کر عبدالقادر کوئی سخت اور حتمی فیصلہ نہ کر سکے۔ بالآخر سب نے اس فیصلے پر اتفاق کیا کہ جب تک اس بچی کے والدین یا کوئی وارث مل نہیں جاتا، وہ اس کی نگہداشت کریں گے اور ان کے ملتے ہی بچی انہیں دے دی جائے گی۔ نہ چاہتے ہوئے بھی گھر میں ارجمند اور حبیب بھی بچی سے مانوس ہو گئے تھے۔
اس انتظار میں عائشہ تین برس کی ہوگئی، حبیب بھی شادی کے بعد بیرون ملک چلا گیا مگر عائشہ کے وارثوں کی کوئی خبر نہ ملی۔ اس نے اسکول جانا شروع کیا تو حبا نے بھی وہیں ملازمت کر لی اور اسی سال عبدالقادر کا انتقال ہو گیا۔
عائشہ کے متعلق سب ہی جانتے تھے لیکن جب شادی کے لیے رشتے آنا شروع ہوئے تو حبا نے اپنی شرط رکھ دی۔ حبیب نے کسی اچھے یتیم خانے یا کسی خاندان کو گود دینے کی تجویز رکھی تو وہ ہتھے سے اکھڑ گئی۔ اس نے یہاں تک کہا کہ وہ امریکہ یا کسی یورپی ملک میں اس کے لیے گود لینے والا جوڑا ڈھونڈ دے گا مگر وہ نہیں مانی۔
پہلی بار ارجمند کو افسوس ہوا تھا، کیوں انہوں نے اپنی جٹھانی کو حبا کو دودھ پلانے کی اجازت دی تھی۔ حبا چند ماہ کی تھی جب ان کے یہاں بھی بیٹی کی پیدائش ہوئی جو طبی پیچیدگیوں کی وجہ سے چند ہفتوں میں ہی وفات پا گئی۔ ادھر ارجمند بھی کچھ طبی مسائل سے نبرد آزما تھیں اور اس کا اثر دو ماہ کی حبا پر پڑ رہا تھا۔ اس وقت تو یہ کام دونوں کے لیے سہولت اور راحت کا باعث تھا مگر اب جب وہ رضا اور حبا کو ایک ہی موقف پر متفق دیکھتیں تو کبھی کبھی ملال ہوتا تھا کہ کاش انہوں نے وہ نہ کیا ہوتا۔ ان کی بیٹی کی شرائط اور پسند پر پورا اترنے والے واحد انسان کو انہوں نے اس کا رضاعی بھائی بنا دیا تھا۔
بچپن سے تایا کے تینوں بچوں سے اس کے اچھے تعلقات تھے اور وہ یہ حقیقت بھی جانتی تھی کہ رضاعی بہن بھائی ہیں اس لیے بھی زیادہ آزادی سے گھل مل کے رہتی تھی۔ تایا کا انتقال اس کے والد کی وفات کے چند ماہ قبل ہوا تھا۔ حبا اپنے پاپا کے بعد رضا سے زیادہ قریب تھی۔ جو باتیں ماں اور حبیب سے نہیں کرتی تھی وہ رضا کو بڑے آرام سے کہہ دیتی تھی۔
☆☆☆
پھر گھر میں ایک اور زلزلہ آیا۔ اس نے حبا اور عائشہ کی شناخت بتائے بنا ہی اپنا مدعا پیش کیا تھا۔ حمیدہ کا ردعمل حسب توقع تھا۔ وہ اپنی بات کہہ کر بالکل خاموش ہو گیا تھا۔ اب جب حمیدہ کے طیش کا چڑھا دریا اترتا، تب ہی اس کا دوبارہ اس موضوع کو چھیڑنے کا ارادہ تھا۔
رضا کی بات سن کر حبا فوراً کچھ کہنے کے قابل نہیں رہی مگر جلد ہی دل سنبھال لیا۔
’’آپ کو لگتا ہے اس بات پر مجھے خوش یا متاثر ہونا چاہیے؟‘‘
’’اسے عائشہ کو ساتھ رکھنے پر اعتراض نہیں، کیا یہ خوش اور متاثر ہونے والی بات نہیں؟‘‘
’’مجھے اس خبر پر کچھ فیل نہیں ہوا۔‘‘ اس نے سر

جھکا کے جھوٹ بولا مانو دوسری جانب وہ اس کا چہرہ دیکھ رہے ہوں۔

"تمہیں کیوں خوشی نہیں؟" اس سے باتیں اگلوانا رضا سے بہتر کوئی نہیں جانتا تھا۔

"پتا نہیں۔" دوسری جانب رضا مسکرائے۔

"وہ ہمارے ولیمے کے دن تک عائشہ کو تمھاری سگی اولاد سمجھتا رہا ہے۔"

حبا نے سر اٹھایا۔ مارے حیرت کے اس کی آواز سلب ہو گئی تھی۔

"میں رکھتا ہوں، پھر بات کریں گے۔"

دوسری طرف سے سلسلہ منقطع ہوا۔ حبا نے فون سامنے کر کے اسے گھورا۔ اسے یقین نہیں آرہا تھا اس سے نکلی صوتی لہروں کا مطلب وہی تھا جو وہ سمجھ رہی تھی۔ دونوں انکشاف اپنی اپنی جگہ معمولی سے تھے مگر جب انہیں ایک ساتھ، ایک خواہش کی طرح سوچا تو وہ سب کچھ بدل گیا۔

باقاعدہ کوئی رشتہ تو ابھی تک نہیں آیا تھا لیکن رضا اور تائی نے انہیں صنیع کے بارے میں بتا دیا تھا۔ اس وقت ارجمند سے زیادہ مطمئن کوئی نہیں تھا۔ ان کی سب سے بڑی فکر ختم ہوئی تھی۔ جانتی تھیں کہ ابھی ایک بڑا مرحلہ صنیع کی والدہ کا راضی ہونا ہے، تاہم پھر بھی انہیں یقین تھا کہ بات بن جائے گی۔

☆☆☆

"کچھ بولو بھی۔" ارجمند نے اس کا شانہ ہلایا۔

"مما وہ......" آنسوؤں نے بات مکمل نہیں ہونے دی۔

"پہلے تم رونا بند کرو۔" انہوں نے اس کا چہرہ تھام کے آنسو پونچھے۔ اس کی نظر دروازے میں صنیع پر پڑی اور وہ سنبھل گئی۔ صنیع اندر داخل ہوا۔

"پولیس اسٹیشن سے فون تھا، عاشو کے گارجین مل گئے ہیں۔" اس نے بمشکل جملہ مکمل کیا۔

"تو اس میں اتنا رونے والی کیا بات ہے بیٹا۔"

"السلام علیکم۔" صنیع کی آواز پر وہ پلٹیں۔

"وعلیکم السلام، تم کب آئے؟" حبا کھڑی ہو گئی۔

"بس ابھی۔" اس نے اچٹتی نظر حبا پر ڈالی۔

"مما!" وہ ان کا بازو پکڑ کر انہیں صنیع سے دور لے گئی۔

"بیٹھو بیٹا۔" اس کے ساتھ جاتے ہوئے انہوں نے مڑ کے صنیع سے کہا۔

"جی۔" وہ چوں کہ سب سن چکا تھا اس لیے ادھر ہی متوجہ تھا کہ وہ اب کیا کرنے جا رہی ہے۔

"پولیس نے انہیں ہمارا ایڈریس دے کر یہاں بھیجا ہے۔ وہ آرہے ہیں۔" اس کی دبی سی آواز وہ بھی سن سکتا تھا۔

"میں نہیں چاہتی ابھی عائشہ ان سب سے ملے۔" ارجمند کو اس کی بات درست لگی۔

"تم عاشو کو تیار کرو۔" انہوں نے اسے اندر بھیجا اور خود صنیع کے پاس آئیں۔

ذرا دیر بعد جب وہ عائشہ کو لیے ہال میں آئی تو صنیع تیار تھا۔

"بیٹا انکل آپ کو ٹریٹ کے لیے باہر لے جانے آئے ہیں۔" ارجمند نے کہا تو وہ چونکی۔ اس کا خیال تھا ارجمند خود عائشہ کو کہیں لے جائیں گی۔

"چلیں۔" عائشہ اچھل کے اس کے پاس پہنچی۔

"چلو۔" وہ اس کا ہاتھ تھامے باہر چلا گیا۔

"مما۔"

"میں تمہیں ان لوگوں سے اکیلے بات کرنے چھوڑ دوں؟ جانے کون ہیں، کتنے ہیں، کہاں سے اور کیوں آئے ہیں اتنے برسوں بعد، کیسے ری ایکٹ کریں گے۔" وہ بھی فکرمند اور پریشان تھیں۔

کچھ دیر بعد اطلاعی گھنٹی کے بجائے پھر فون بج اٹھا۔ ارجمند نے بات سنی اور کسی قدر سکون کے ساتھ فون رکھ دیا۔

"کوئی غلط فہمی ہوئی تھی۔ عاشو کی فوٹوز دیکھ کر انہوں نے کہا کہ ان کی بچی کا ہاتھ مکمل تھا۔ مایوس ہو کے واپس چلے گئے ہیں وہ لوگ۔"

"او۔" اسے بھی سکون آیا۔

اسے اپنے باپ سے کیا وعدہ یاد تھا کہ جب بھی

عائشہ کے والدین یا خاندان ملے گا وہ عائشہ کو ان سے دور نہیں رکھے گی مگر دل میں کہیں یہ خواہش بھی تھی کہ کاش وہ کبھی ملے ہی نہیں۔ عائشہ کے لیے یہ قبول کرنا آسان نہیں ہوتا کہ اسے یوں چھوڑ دینے کے بعد وہ اب آئے ہیں۔

ہال سے عائشہ کی آواز آنے پر بھی وہ خود پر جبر کیے کمرے سے نکلی نہیں۔ کچھ دیر بعد عائشہ اندر آئی۔ شکل سے ہی تھکی لگ رہی تھی۔

وہ اپنے خیال میں گم جھولے کے پاس پہنچ کر ٹھٹھک گئی۔ صنیع وہاں اس کا منتظر تھا۔

اسے دیکھ کے وہ جھولا چھوڑ کے کھڑا ہو گیا۔

دونوں کیا کہیں، کہاں سے شروع کریں، سوچ کر بڑی دیر چپ رہے۔

حبا کو رضا کی بات یاد آئی تھی بلکہ وہ تب سے مسلسل وہی سوچتی رہی تھی۔

''عائشہ سو گئی؟'' آخر صنیع نے پہل کی۔

''ہوں۔'' آنے والے پلوں کے 'ممکنات' نے دل و ذہن کو چوکنا کر رکھا تھا۔

''بیٹھو۔'' اس نے جھولے کے پاس سے ہٹ کے اسے بیٹھنے کو کہا۔

''ایسے ہی ٹھیک ہوں۔ آپ کسی کام سے آئے تھے؟'' آتے ہی ارجمند نے اسے عائشہ کے ساتھ روانہ کر دیا تھا۔

''بہت ضروری کام سے۔'' اس نے ایک طویل مذاکرے کے لیے سکون سے جیب میں ہاتھ ڈالے۔

''سنیعہ کے بعد میرا نمبر ہے شادی کے لیے اور۔'' اس نے تمہید و مہید اور ماحول بنانے کا تکلف نہیں کیا۔

''میں تم سے شادی کرنا چاہتا ہوں۔'' اسے اس قدر سیدھی بات کی توقع نہیں تھی۔

''شادی کوئی ایڈونچر نہیں ہے کہ ناممکن لگنے والی بات کو ممکن کر دکھانے کا چیلنج پورا کیا اور خوش ہو گئے۔'' اس کا لہجہ خود بخود طنزیہ ہو گیا تھا۔

''یہ کیوں ناممکن ہے؟'' اس نے طنز نظر انداز کیا۔ حبا کو امید نہیں تھی کہ وہ اس قدر سنجیدگی سے بات کرے گا اور اب یہ ہی سنجیدگی اسے بے کل کر رہی تھی۔

''آپ کے خیالات کا مجھے علم ہے اور ہمارا کوئی میچ نہیں۔''

''کیوں میچ نہیں؟''

حبا نے سر اونچا کیا۔ وہ لمبا چوڑا بندہ محض خوبرو نہیں تھا بلکہ اس کے ہر انداز، ہر ادا سے جمال اور کمال چھلکتا تھا۔ یہ اختیاری کوشش تھی یا یہ خوبی بھی ودیعت کردہ تھی، اسے نہیں معلوم مگر وہ کبھی بھی ایک خود پسند شخص کے ساتھ زندگی نہیں گزار سکتی تھی۔ وہ کسی احساس کمتری میں مبتلا نہیں تھی بلکہ خود کو بہتر جانتی تھی۔

''پتا نہیں آپ کیا سوچ رہے ہیں لیکن یہ جو بھی ہے وقتی ہے آپ جیسے حسن پرست کے لیے یہاں کچھ نہیں ہے۔'' اس نے بھی سنجیدگی اپنائی۔

''تمہارے نزدیک اچھی یا حسین چیز کو پسند کرنا غلط ہے؟''

''نہیں، لیکن اپنے معیار سے کم کو، کم تر اور حقیر سمجھنا غلط ہے۔''

''اور مجھ سے کب یہ غلطی ہوئی؟'' حبا خاموش رہی۔

''میں مانتا ہوں، مجھے پہلے مخصوص خوبیوں والا حسن ہی اچھا لگتا تھا لیکن پھر مجھے تم اچھی لگیں، عائشہ بھی، جن میں وہ مخصوص خوبیاں نہیں تھیں۔ تم دونوں سے پہلے میں نے اس خوبصورتی پر توجہ نہیں دی تھی، اُن مخصوص خوبیوں سے ہٹ کر سوچا نہیں تھا، اور میں یہ بھی مانتا ہوں، یہ میرا قصور ہے۔''

''پسند کبھی بھی بدل جاتی ہے، اس سے بہتر نعم البدل سامنے آئے تو مزاج اس جانب کھینچا جاتا ہے، پہلی چیز اہمیت اور وقعت کھو دیتی ہے۔''

''اتنی عمر اور تجربہ نہیں میرا جو اس فلسفہ کی صداقت اور مخالفت میں کچھ کہہ سکوں لیکن اتنا یقین ہے محبت نہیں بدلتی نہ اس کا نعم البدل ہوتا ہے۔'' وہ ایک قدم آگے ہوا۔

''مجھے یقین نہیں آتا اور نہ میں ساری زندگی اس ڈر میں گزار سکتی ہوں کہ کب کوئی حسین چہرہ

میری جگہ لے لے۔" وہ اپنے اندر اترتے لطیف احساسات اس پر عیاں نہیں کرنا چاہتی تھی سو لہجہ سپاٹ رکھا پھر بھی اپنا جملہ اسے پسند نہیں آیا کہ اس میں کہیں صنیع کی بات کی قبولیت جھلک رہی تھی۔

"حبا!" اسے دکھ ہوا تھا جو اس کی آواز سے مترشح تھا۔ "حسن پرست ہونے کا مطلب نظر باز، فلرٹ یا دل پھینک ہونا نہیں ہوتا بلکہ اس کا مطلب ہے جو مجھے بھا گیا، وہ واقعی حسین ہے اور اس کے بعد مجھے کسی چہرے کی چاہ ہے نہ ضرورت۔"

اس کی نظر اور لہجہ، حبا کو بے آرام کر گیا۔ اسے لگا سارا اعتماد بھاپ بن کے اڑنے لگا ہے۔

اس کی لرزتی پلکیں اور اضطراب کے مظہر ہونٹ صنیع سے مخفی نہیں تھے۔

"مجھے پہلے عاشو اچھی لگی، محبت پہلے عاشو سے ہوئی، میں نے پہلے اسے اپنی زندگی میں شامل کرنے کا سوچا، پہلے اسے خوش رکھنے اور مشکلوں سے بچانے کی خواہش جاگی، پھر اسے مکمل گھر دینے کی خاطر تمہیں دیکھا اور دل ہار گیا۔ میرا یقین کرنے کے لیے یہ سچ کافی ہوگا۔"

اس نے دھیمے لہجے میں بات مکمل کی اور چند پل اس کے سرخ ہوتے چہرے کو دیکھنے کے بعد پلٹ کے گیٹ کھولا اور چلا گیا۔ کچھ دیر بعد گاڑی کی آواز آئی اور پھر دور ہوتی گئی۔ حبا سینے پر ہاتھ رکھ کے جھولے پر گر سی گئی۔

☆☆☆

اس نے زندگی میں کبھی اتنی تیزی سے ہاتھ نہیں چلائے تھے جتنے اس وقت۔

"سیون، سکس، فائیو۔" پیچھے سے کورس میں آرہی الٹی گنتی کی آوازیں اسے اور بوکھلا رہی تھیں۔

"ڈن!" اس کے ون کہتے ہی حبا نے دونوں ہاتھ اوپر اٹھا کے اعلان کیا اور پلٹی۔ پسینہ پسینہ صورت اور اکھڑی سانسوں سے معلوم ہوتا تھا میراتھن دوڑ کے آئی ہے لیکن یہ اس سے بھی کٹھن کام تھا، کھانا پکانا۔

"سرو بھی کرو اب۔" میز پر دونوں بندھے ہاتھ ٹکا کر بیٹھیں ارجمند نے کہا۔

میز پر وہ تنہا نہیں تھیں۔ ان کے دائیں بائیں عائشہ اور صنیع تھے۔

اس نے پلیٹ میں پلاؤ نکالا ساتھ رائتہ سلاد بھی۔ اور پلیٹیں ان تین ججوں کے سامنے رکھ دیں۔

"تم بھی آجاؤ۔" ارجمند نے بلقیس کو دعوت دی۔

"ہم پہلے چکھ تو لیں یہ کھانے لائق ہے یا دوسرا کچھ بنوانا پڑے گا۔" عائشہ اور صنیع منہ دبا کے ہنسنے لگے۔

"آپ خوامخواہ مجھے سکھانے پر تلی ہیں مما۔"

اس نے ایپرن گردن سے نکال کے کرسی کی پشت پر رکھا اور خود بھی بیٹھ گئی۔

"شیف شوہر کا کیا فائدہ اگر مجھے ہی کچن میں کھپنا ہے۔" دوسرا جملہ اس نے منمناتے ہوئے کہا جو سب نے ہی سن لیا۔

"سن لو، اس نے اس وجہ سے شادی کی ہے تم سے۔" ارجمند نے پہلا لقمہ منہ میں ڈالا۔ وہ ساس کا لحاظ کرتے ہوئے بس مسکرا دیا ورنہ جواب تو اس کے پاس بڑا معقول تھا۔

"نہ۔" ارجمند نے عائشہ کا، منہ کی جانب سفر کرتا چمچے والا ہاتھ پکڑا۔

"نمک ہی نمک ہے اور کھڑا گرم مسالہ اس قدر جلا دیا ہے کہ۔"

وہ ان کی بات مکمل ہونے سے پہلے کرسی کھسکا کے فریج کی طرف بڑھی اور اندر سے پیکڈ ڈبے نکال کر میز پر رکھے جو حفظ ماتقدم کے طور پر صنیع رات ہی ساتھ لے آیا تھا۔

"تم اسے سیکھنے ہی نہ دینا۔" انہوں نے افسوس سے داماد کو دیکھا۔

"آپ واپس آئیں گی تب تک وعدہ حبا سب سیکھ چکی ہوں گی، وہ بس مجھے آپ کے سامنے سختی کرتے ڈر لگتا ہے۔"

"حق ہا!" اس نے آنکھیں پھیلا کے شوہر نامدار کو دیکھا۔

"عاشو کو اپنی برتھ ڈے کا ڈنر اور کیک تمھارے ہاتھوں کا بنا چاہیے کیوں عاشو؟" اس نے عائشہ کو دیکھتے ہوئے ہاتھ اس کے سامنے اٹھایا جس نے 'ہائے فائے' دے کر سر ہلاتے ہوئے حبا کو دیکھا۔

"اس لیے سیکھنا تو پڑے گا۔" اب وہ چیلنج والے انداز میں اسے دیکھ رہا تھا۔ سارے چالاک ایک طرف تھے۔

"مے یہ گرم کرتی ہے۔" بلقیس نے ڈبے اٹھائے اور وہ واپس کرسی پر گر گئی۔ صنیع کی جوں کی توں رکھی پلیٹ سے چمچہ بھر کے منہ میں ڈالا کہ بھوک سے برا حال تھا اور پھر حال اس سے بدتر ہو گیا۔ وہ فیصلہ نہ کر سکی، منہ کے لوازمات نگلے یا اگلے؟ جب کہ باقی حاضرین فیصلے کے منتظر اسے ہی گھور رہے تھے۔

☆☆☆

ارجمند کچھ وقت کے لیے حبیب کے پاس گئی تھیں۔ بلقیس بطور کل وقتی ملازمہ ان کے ساتھ رہ رہی تھیں۔ حبیب، ارجمند کو ہمیشہ کے لیے اپنے پاس بلانا چاہتا تھا۔ اس کا ارادہ ہمیشہ یہ گھر فروخت کر کے کسی بڑے ٹاور میں فلیٹ خریدنے کا تھا۔ ارجمند اور حبا اس بات کے لیے راضی نہیں تھیں مگر اس بار اس مکان کے خریدار نے انہیں قائل کر لیا تھا۔

اب حبا کا میکہ ہی اس کا اپنا گھر تھا۔ وہ جانتا تھا دل پر پتھر رکھ کے حمیدہ نے اسے حبا سے شادی تو کرنے دی مگر ان کے لیے ہمہ وقت عائشہ کو سامنے دیکھنا آسان نہیں تھا۔ کچھ فاصلہ اور وقت ہی ان کی سوچ اور یہ حالات بہتر کر سکتا تھا۔ ایسے میں اسی گھر کو خرید لینا اسے درست لگا۔ ابا بھی اس بات پر مان گئے تھے۔

"بس یہ ہی ایک چیز تمھاری حلق کے دوسری طرف اتارنے لائق ہوتی ہے۔" حبا سے ہاٹ چاکلیٹ کا مگ لیتے ہوئے اس نے اعتراف کیا جو اسے ہمیشہ طعنہ محسوس ہوتا تھا۔ وہ 'ایک ہی چیز' پر بیویوں والی لڑائی نہیں کر سکتی تھی کہ اپنی سچائی کا علم تھا سو جو واحد قابل تعریف تھا اسے ہی موضوع بحث کیا۔

"پھر بھی کبھی تعریف مت کرنا۔" جھولے پر اس کے ساتھ بیٹھتے ہوئے اس نے منہ بنایا۔

"یہ تعریف ہی ہے مسز حبا صنیع۔"

"جو تیر کی طرح دل پر لگے وہ تعریف نہیں ہوتی۔"

"تم نے دو منٹ والی شرط نہ رکھی ہوتی تو میں نے دیوان لکھ دینا تھا اب تک۔" اس نے حبا کا ہاتھ پکڑ کے اپنے سینے پر رکھا۔

شادی سے پہلے جب اس کی شرائط اور دھمکیوں کا دور چل رہا تھا تب ایک بار اس نے کہا تھا۔

"کسی خوبصورت چہرے کو ایک منٹ سے زیادہ دیکھا تو سمجھ جانا اسی وقت چھوڑ کے چلی جاؤں گی۔"

"یعنی تمھیں ساتھ رکھنا ہے تو تمھیں ٹائمر لگا کے ایک منٹ سے کم دیکھوں؟" اور صنیع نے اسے لاجواب کرنا چاہا تھا۔

"وہ شرط بیوی کی صورت کے لیے نہیں تھی۔"

اس نے اتنے وقت بعد اب اپنی بات کی وضاحت کی۔ صنیع نے اپنا مگ پیچھے گملے میں رکھا پھر اس کے ہاتھ سے مگ لے کر وہی عمل دہرایا اور اس کا رخ اپنی طرف کرتے ہوئے چہرہ ہاتھوں میں لیا۔

"کہاں سے شروع کروں تعریف؟" اس کی نظریں حبا کے نقوش پر آوارہ گرد بنیں۔

"یا نہیں درج۔ ثبت کروں تعریف؟" اس کی آواز اور آنکھوں کی شرارت اس کا ارادہ عیاں کر رہے تھے۔

حبا مسکرائی۔

"اس رومانس کے چکر میں میری واحد قابلیت ٹھنڈی ہو جائے گی۔" اس نے نگاہوں سے گملے میں دھرے مگوں کی طرف اشارہ کیا۔

"اوہ یعنی میں وقت برباد نہ کروں۔" صنیع نے پھر واقعی وقت برباد نہیں کیا۔

اس پل زمین کا وہ مختصر گوشہ، جھولا اور دو نفوس، ان کے سروں پر جگمگا رہے چاند ستاروں کی نگاہوں کا مرکز تھا کہ اس پل اس سے زیادہ حسین جوڑا زمین پر اور کہیں نہ تھا۔

☆☆

قرۃ العین سکندر

برف میں جلتا دیا

سورج کی آخری رخصت ہوتی ہوئی سنہری کرنوں کے ساتھ مل کر گلابی، شام وادی میں دھیرے دھیرے اتر آئی۔ برف پوش چوٹی کا صرف آخری سرا ہی روشن تھا۔ پروا کے جھونکے اٹھکیلیاں کرتے ہوئے پہاڑوں کے دامن سے وادی میں آہستہ آہستہ اترے اور پھر ہر وادی کے مکینوں کو اپنے وجود کا



احساس دلاتے رخصت ہوئے۔ سورج دھیمے سے رکا اور پھر وادی پر الوداعی نگاہ ڈال کر اوجھل ہو گیا۔

یہ ان دنوں کی بات ہے جب میں جونیئر کیمبرج کے امتحان دے کر گھر لوٹا تھا۔ گھر کا سونا پن ہنوز برقرار تھا۔ جب اچانک میں نے اسے پہلی بار دیکھا تھا۔ بابا ہمیشہ کی طرح بزنس ٹور پر گئے تھے۔ اور میں بی جان (دادی جان) کے ہمراہ اکیلا تھا۔ ان سے ملنے ان کے کمرے میں گیا تو وہاں پہلی بار میں نے اس دھان پان سی نازک لڑکی کو دیکھا۔ صورت میں بلا کی کشش تھی۔ گلابی رنگت، وہ بھنورا سی آنکھیں، گلاب کی پنکھڑیوں جیسے نازک ہونٹ قندھاری انار جیسے سرخ گال، سیاہ ناگن سے بال پشت پر بڑی دور تک لہراتے چلے جاتے تھے۔ لیکن اپنی اس قدر خوب صورتی سے بے خبر وہ اس وقت تندہی سے بی جان کے پیروں کی مالش کرنے میں جتی ہوئی تھی۔ میری آمد کو بھی اس نے سرسری سا لیا۔ میرا جوش و خروش بی جان سے اتنے عرصے بعد ملنا سب جھاگ کی طرح بیٹھ گیا تھا۔ یوں بھی میری کل کائنات فقط بی جان کی ہی ذات تھی۔ جس میں ہر تشنہ رشتے کو میں تلاشتا رہتا تھا۔

میرے بابا ایک بہت بڑے بزنس مین تھے۔

انہیں دنیا میں مارکیٹ کے ریٹ تو معلوم تھے۔ لیکن محبت کے ریٹ ان کی نظر میں صفر تھے۔ گرے پڑے تھے۔ ان کے ہونے نہ ہونے سے چنداں فرق نہ پڑتا تھا۔

”کچھ کھاؤ گے؟“ بی جان نے استفسار کیا۔

”نہیں بس کافی چاہیے۔“

میں چاہ کر بھی اس اجنبی لڑکی کے متعلق نہ پوچھ سکا تھا۔ مجھے حیرت تھی کہ یہ لڑکی ہمارے گھر کہاں سے آ گئی ہے۔

”شنو! اسے کافی بنا دو۔“

”ہمم تو شنو نام ہے اس کا۔“ میں نے دل میں سوچا تھا۔

پھر میں اپنے کمرے میں آ گیا۔ حسب عادت رنگین تصاویر والے میگزینز کو دیکھتا رہا اور پھر ان کو ایک جانب لاپرواہی سے اکتا کر پھینک دیا۔

میں کافی کی طلب میں سیدھا کچن میں آ گیا۔ وہ کافی بنا رہی تھی۔ میں الٹے قدموں واپس کمرے میں آ گیا۔ وہ قدرے توقف سے کافی کا مگ لیے کمرے میں آئی۔ اس نے کافی مجھے تھمائی تو میری نظر اس کی نازک کلائی پر پڑی۔ رنگ برنگی چوڑیوں سے اس کی کلائی بھری ہوئی تھی۔

میری نگاہیں ان چوڑیوں پر اٹک گئی تھیں۔ ان کی کھنکھناہٹ بے حد خوب صورت تھی۔

میں نے جب تک کافی کا پہلا سپ نہیں بھرا وہ مجھے یک ٹک وہیں کھڑی دیکھتی رہی۔

”کیسی بنی ہے؟“ وہ منتظر تھی۔

”اچھی ہے۔“ اگرچہ وہ کافی کچھ خاص خوش ذائقہ نہیں بنی تھی۔ لیکن میں نے مروتاً کہا۔ تو اس کی ستارہ آنکھوں میں جگنو چمکنے لگے۔

☆☆☆

میرے گھر میں اس نئے فرد کے اضافے سے بظاہر مجھے کچھ خاص فرق نہیں پڑا تھا۔ کیونکہ اکثر بابا کے ڈھیروں ڈھیر سرکل فرینڈز اور ان کی فیملیز آتی جاتی رہتی تھیں۔ میں گوشہ نشین شخص تھا۔ ایسے اوقات میں، میں خود کو اپنے کمرے تک محدود کر لیتا تھا۔ مصوری اور مجسمہ سازی کرتا تھا۔ اور ایک پورٹریٹ سنو مین کا میرے کمرے میں موجود تھا۔ وہ میرے بابا کا سمبل تھا۔ کیونکہ مجھے اپنے بابا اس سنو مین جیسے لگا کرتے تھے۔

برف کا بڑا سا تودہ، جذبات و احساسات سے مبرا بے حس۔

میرا بچپن تو زیادہ تر ہاسٹل میں گزرا تھا۔ اور یوں جب میں گھر آتا تو اپنے کمرے میں اپنی من مرضی سے رہنا پسند کرتا تھا۔ اور ہر آنے جانے والے کی آمد مجھے پریشان نہیں کرتی۔ کیونکہ آنا جانا تو لگا ہی

رہتا تھا۔

لیکن شنو کی بات کچھ الگ ہی تھی۔

میں اس کو بھی نظر انداز کر کے خود تک محدود کرنا چاہتا تھا۔ لیکن یہ نازک سی لڑکی نجانے کیسے میری زندگی میں شامل ہوتی چلی گئی تھی۔

میں نے اسے اکثر دیکھا تھا۔ کبھی مالی بابا سے پودوں کو لے کر سیر حاصل بحث کرتی۔ کبھی کچن میں بوا زہرہ سے کسی خاص ڈش پر مذاکرات کرتی...... اور کبھی بی جان کے پاس بیٹھی کسی کتاب کی ورق گردانی کرتی۔ وہ سب میں گھل مل گئی تھی جیسے وہ برسوں سے یہاں کی مکین رہی ہو۔ لیکن جیسے ہی مجھے دیکھتی ایک دم سے سنجیدہ ہو جاتی۔ خاموشی اختیار کر لیتی تھی۔

اس دن رات کے وقت میں نیٹ چیک کرنے کے لیے باہر نکلا تو اسے دیکھا وہ وہیں بنا شال کے کھڑی نجانے کیا سوچ رہی تھی۔ مجھے دیکھا تو ٹھٹک کر متوجہ ہوئی۔

''کافی بنا دوں؟'' اس نے مسکرا کر پوچھا تھا۔

وہ اتنی خوب صورت تو تھی کہ نگاہ اسے دیکھے اور وقت کی سوئیاں تھم جائیں۔

''نہیں۔'' میں مڑنے لگا جب کچھ سوچ کر پلٹا تھا۔ ''سنو۔''

''جی۔'' وہ متعجب ہو کر مجھے دیکھنے لگی۔

''تمہیں سردی نہیں لگتی۔ اتنی ٹھنڈ میں یہاں کیوں کھڑی ہو؟ بیمار نہ ہو جانا۔ جاؤ جا کر آرام کرو۔ بی جان تو کب کی سو چکی ہیں۔''

میرے لہجے میں فکر مندی کا اتنا واضح تاثر گھلا تھا کہ وہ رک کر مجھے دیکھنے لگی۔

''ٹھیک ہے۔ لیکن میں پہلے آپ کے لیے کافی بنا کر لاتی ہوں۔ اس کے بعد سو جاؤں گی۔''

اس نے نجانے کیوں اتنے استحقاق سے کہا کہ میں انکار نہ کر سکا۔ اور کمرے میں اس کی آمد کا منتظر رہا۔ وہ دس منٹ بعد گرما گرم بھاپ اڑاتا کافی کا مگ لیے آ گئی تھی۔ حسب عادت پہلے سپ تک کھڑی تعریف کی منتظر رہی۔

''کافی بہت اچھی بنی ہے۔''

اس مرتبہ اس کے پوچھنے سے پہلے ہی میں نے کہا تو وہ کھلکھلا کر بچوں کی طرح ہنس دی تھی۔ پھر وہ خاموشی سے چلی گئی۔ اور میں ساری رات سوچتا رہا کہ شنو کو ٹھنڈ نہ لگ جائے۔ نجانے اس کے پاس شال ہے بھی کہ نہیں۔ اگلے روز میں اس کے لیے بنا سوچے ہی گرم کپڑے لے آیا تھا۔

☆☆☆

میں سیدھا بی جان کے کمرے میں آیا۔ سوچا وہیں دینا مناسب ہوگا۔

اپنا نام سن کر کمرے کے دروازے تک آ کر ہی رک گیا تھا۔

''تبریز بہت سیانا ہے۔ اپنے بابا جیسا نہیں ہے۔ حساس بچہ ہے۔'' بی جان کے لہجہ میں میرے ذکر پر حلاوت گھلی تھی۔

''تبریز بھائی واقعی بہت اچھے انسان ہیں۔'' شنو نے میٹھے لہجے میں میرا نام لیا تو نجانے کیوں دل

میں اک گدگدی کا سا احساس ہوا تھا۔ میں کمرے میں آیا تو خاموشی چھا گئی۔ وہ بی جان کے سر میں تیل مالش کر رہی تھی۔

"تبریز! آؤ بیٹا۔" بی جان محبت سے مسکرائیں۔ مجھے دیکھ کر ان کا چہرہ کھل اٹھا تھا۔

"میں یہ کچھ گرم کپڑے لایا تھا۔"

میں نے کچھ جھجک کر شنو کی طرف دیکھتے ہوئے کہا تو بی جان کے لبوں پر، اک دھیمی سی مسکان نے آن بسیرا کیا تھا۔

"اپنی شنو کے لیے؟" بی جان کے استفسار پر میں نے اثبات میں سر ہلایا وہ گومگو کی کیفیت میں کھڑی ایک ٹک مجھے دیکھتی چلی گئی تھی۔

میں نے پہلی مرتبہ اس لا ابالی سی لڑکی کی آنکھ میں نمی دیکھی تھی۔ اس نے لرزتے ہاتھوں سے شاپر کو تھام لیا۔ تب مجھے احساس ہوا کہ بی جان کی پرسوچ نگاہیں مجھ پر ٹکی تھیں۔ وہ میری ماں بھی تھیں۔ اور میں سوچ رہا تھا کہ وہ کیا سوچیں گی کہ ان کے لیے کچھ بھی نہیں لایا۔ لیکن بی جان کے اگلے ہی جملے نے میرے سینے پر دھرا بوجھ گویا کم کر دیا تھا۔

"اچھا ہے۔ میں نے لاکھ بار کہا ہے جاؤ اپنے لیے کچھ خرید لاؤ۔ مگر مجال ہے کہ میری ایک بھی سن لے۔ وہی دو جوڑے پہنے گھومتی پھرتی ہے۔"

بی جان کے کہنے پر وہ مسکرادی تھی اور میں چپ چاپ کمرے سے نکل آیا تھا۔ میری زندگی میں بہت سی تبدیلیاں آنے لگیں۔ گھر سے نکلتا واپسی پر کمرہ ترتیب سے ملتا۔ ہر شے قرینے سے جگہ پر رکھی ملتی۔ اس سے پہلے جب بھی کوئی صفائی کرنے کمرے میں آتا۔ میری کوئی شے مجھے ٹھکانے پر نہیں ملتی تھی۔ لیکن اب ہر شے اپنے ٹھکانے پر قرینے سے ملتی تھی۔

☆☆☆

ایک دن میں نے مٹی سے ایک چھوٹی سی بوتل بنائی۔ اس پر ست رنگی برسات کی طرح مختلف النوع رنگوں کے نقش بنائے۔ وہ اتنی دیدہ زیب تھی کہ مجھے اسے دیکھتے ہی احساس ہونے لگا کہ میں نے یہ کس کا من موہنا سا چہرہ سامنے رکھ کر بنایا ہے۔

"یہ کیا ہے تبریز بھائی؟"

میں ایک دم بوکھلا کر مڑا تھا۔ کسی کے خیال میں کیا اتنی بھی طاقت ہو سکتی ہے کہ وہ یوں سامنے آن کھڑا ہو۔ وہ میرے اتنے قریب کھڑی تھی کہ ایک الوہی سی مہک اس کے وجود سے اٹھی۔ میں گھبرا کر دو قدم پیچھے ہٹ گیا تھا۔

"یہ میں نے تمہارے لیے بنایا ہے۔" میں نے اس کی آنکھوں میں اتنی روشنی پہلے کبھی نہیں دیکھی تھی۔ جگنوؤں سے بھری اس کی نگاہیں اس ننھی سی بوتل پر گویا تھم سی گئی تھیں۔

"سچ یہ میرے لیے ہی ہے نا؟"

وہ سرخوشی سے بولی۔ اس کی آواز جوشیلے انداز میں قدرے اونچی ہو گئی تھی۔

"کہتے ہیں کہ وادی میں جب کوئی پیارا جدا ہوتا تھا تو لڑکیاں اس مٹکی کو اپنے آنسوؤں سے بھر دیتی تھیں۔ اور جب وہ واپس لوٹتا تو وہ ان آنسوؤں کے مداوا کے طور پر اتنی ہی محبت لوٹاتا تھا۔"

نجانے کیسے میرا لہجہ اتنا بھاری ہو گیا تھا کہ میں نے چند لمحات میں ہی، شنو کی آنکھوں کے کئی رنگ بدلتے دیکھے تھے۔

تحیر، بے یقینی، استعجاب اور خوشی سے نم آنکھیں۔

کبھی کبھی ہمیں لفظوں کی نہیں بلکہ اپنے اعمال سے دوسرے کو اس کی قدر جتلانا اچھا لگتا ہے۔ اس نے خاموشی سے اس ننھی سی بوتل کو اپنی ہتھیلی پہ رکھا تھا۔

"کافی بنا دوں؟" یوں لگتا تھا کہ جیسے میرے اس تحفے کے بدلے میں وہ کچھ بہت خاص کرنا چاہتی ہو۔ لیکن کر نہ پا رہی ہو۔

میں نے اثبات میں سر ہلا دیا اور وہ بھاگ کر کچن کا رخ کر گئی۔ اور میں زیرلب مسکراتا رہا۔

اس دن میں شام کو گھر لوٹا تو وہ میرے کمرے میں موجود، خوشی سے گلنار زمین پر بیٹھی میرے سارے جوتے چمکا رہی تھی۔ میں نے دیکھا کہ اس کے ماتھے اور قمیض پر ہی نہیں گلابی گالوں پر بھی پالش لگی ہوئی تھی۔

نجانے کیوں اس کو اس حالت میں دیکھ کر میرا میٹر گھوم گیا۔

"یہ تم کیا کر رہی ہو؟" میرا لہجہ سخت تھا۔ لیکن شنو نے اپنی سرخوشی میں اس بات کا کوئی خاص نوٹس ہی نہیں لیا۔

"میں نے آپ کے یہ سب جوتے پالش کیے ہیں۔ دیکھیں کیسے چم چم کر رہے ہیں۔" وہ یوں بتا رہی تھی جیسے کوئی معرکہ سر کر لیا ہو۔

"تم یہ گندے کام مت کیا کرو۔ مجھے اچھا نہیں لگتا۔ اس کام کے لیے نوکر چاکر موجود ہیں۔" میرے لہجے میں کوئی ایسی بات ضرور تھی کہ وہ بری طرح چونکی تھی۔

"مجھے بھی تو یہاں اس لیے لایا گیا ہے تبریز بھائی۔ بے شک میں آپ لوگوں کی دور پار کی عزیز ہوں۔ لیکن ہوں تو......"

اس کے لہجہ میں عجیب سی یاسیت در آئی تھی۔ میں خود پر قابو نہ رکھ سکا۔ اور سرعت سے آگے بڑھ کر اس کو دونوں شانوں سے تھام کر سختی سے اس کا رخ اپنی جانب کیا تھا۔

"آج کہہ دیا ہے۔ پھر مت کہنا۔ تم کوئی ملازم نہیں ہو بلکہ میری نظر سے دیکھو تو معلوم ہو کہ تم کتنی خاص ہو۔" کہنے کو میرے پاس بہت کچھ تھا۔ لیکن میں اسے کیا بتاتا جب میں خود ہی اپنے جذبات کی اصل شدت سے نابلد تھا۔ وہ تحیر زدہ میرا چہرہ دیکھتی رہی۔

"اب جاؤ یہاں سے۔"

اچانک میں نے ایک جھٹکے سے اس کے کندھوں سے اپنے سخت ہاتھ ہٹا کر بے زاری سے کہا وہ گھبرائی ہوئی وہاں سے بھاگ کھڑی ہوئی تھی۔ لیکن اس کی مہک سے پورا کمرہ معطر تھا۔ میں گہری سانس سے اس مہک کو اپنی سانسوں سے خود میں اتارتا مضطرب سا بیڈ پر ڈھے سا گیا تھا۔

میرا مزاج خود میری سمجھ سے بالاتر تھا۔ اس شام میں کمرے سے باہر نہ نکلا۔ دو بار بوا زہرہ کھانے کے لیے بلانے آئی تھیں۔ لیکن میں نے بھوک نہیں ہے کہہ کر ان کو بھی مایوس لوٹا دیا تھا۔ میں خود اپنے منتشر خیالات سے پریشان ہوا اٹھا تھا۔

☆☆☆

"شاید میں ایک سی زندگی گزارنے کا عادی تھا۔ سب سے لاتعلق اور بورسی زندگی کا عادی۔ اس زندگی میں کب نئے رنگ شامل ہونے لگے۔ مجھے احساس نہ ہو سکا تھا۔ اس دن ایک عجیب بات ہوئی۔ میرے دل نے چپکے سے مجھے یہ بھید دیا کہ مجھے اس سے محبت ہو گئی ہے۔ تب ہی اس کو یوں فرش پر جوتے پالش کرتا دیکھ کر میری طبیعت مکدر ہو گئی تھی۔

اس دن کے بعد سے میری سرد مہری دیکھ کر وہ آہستہ آہستہ خاموشی سے پھر پس منظر میں چلی گئی۔ اس دن کے واقعے نے شاید اس کو پریشان کر دیا تھا۔ وہ آتے جاتے چپ چاپ مجھے دیکھا کرتی لیکن اب نہ کافی کا پوچھتی نہ کبھی میری موجودگی میں کمرے میں داخل ہوتی۔ لیکن جب بھی میں گھر آتا تو کمرے میں مخصوص مہک اس کی آمد کا پتا دیتی تھی۔

اس دن برسات تھی۔ نجانے کیوں میرا اندر سب جل تھل ہونے لگا۔ میں بارش میں کھڑا بھیگتا رہا۔ مگر اندر کی جلن کم ہونے میں نہ آ رہی تھی۔

ساری زندگی ماں کی ممتا کو ترسنے کے بعد، ایک سنو مین باپ کی لاپرواہی اور فقط ایک معذور دادی کی محبت پر پلنے والا، دیس بدیس گھومنے والے اور محبتوں کا ترسا ہوا ایک ہارا ہوا ناکام شخص، جسے کوئی اچھا لگا کسی سے اٹوٹ محبت بھی ہوئی تو وہ کون تھی؟ اک ایسی لڑکی جو شاید یہاں کام کاج اور بی جان کی دیکھ بھال کے لیے رکھی گئی تھی۔

جس کا کام یہاں کے مکینوں کی خوشی اور آرام کا

خیال رکھتا تھا۔ شاید وہ اپنا فرض ہی تو نبھا رہی تھی۔ جسے میں نے اس کی خاص توجہ پر محمول کر لیا تھا۔ کتنا سادہ لوح تھا۔

"تو مسٹر تبریز اب تم محبت کے اتنے بھوکے اور حریص ہو گئے ہو کہ ملازمہ سے محبت کے متقاضی ہو؟"

میرے اندر سے کسی نے چلا کر کہا تھا۔

"نہیں نہیں۔ وہ ملازم نہیں ہے۔ کم از کم میرے لیے ہرگز نہیں۔"

میں نے سختی سے تردید کی تھی۔ نجانے میں کب تک بھیگتا رہا۔ اس کا نتیجہ تیز بخار نمونیہ کی صورت میں ظاہر ہوا۔ کئی دن تک مجھے اپنی سدھ بدھ نہ رہی۔ شنو اس دوران میری پٹی سے لگی رہی۔ میں جب بھی ہوش میں آتا۔ اس کا بے قرار چہرہ میرے قریب ہی ہوتا۔ اور میرے دل سے ہوک اٹھتی کہ کاش میں ساری زندگی اس بستر پر پڑا رہوں۔ میں کبھی ٹھیک نہ ہوں اور وہ یوں ہی میرے اطراف میں موجود رہے۔

جب میں تیزی سے روبہ صحت ہو رہا تھا۔ اس رات جب میری آنکھ کسی کے رونے کی آواز سے کھلی تو میں نے سجدے میں سر بسجود اس نازک سی لڑکی کو دیکھا۔ پھر وہ اٹھ بیٹھی تھی۔

وہ دونوں ہاتھوں کا پیالہ بنائے اتنے خضوع سے خشوع سے رب سے دعا میں مشغول تھی کہ اسے اطراف کا بالکل بھی ہوش نہ تھا۔

اس کا چہرہ آنسوؤں سے تر تھا۔ سفید دوپٹے کے ہالے میں اس کا پرنور چہرہ آنسوؤں میں بھیگا تھا۔ وہ نہایت رقت سے دعا کرتی رہی۔ پھر جب اس نے اٹھ کر میری جانب دیکھا تو دم بخود رہ گئی۔

"کچھ چاہیے آپ کو؟ درد تو نہیں ہو رہا ہے؟ آپ اٹھ کر کیوں بیٹھ گئے۔" اس کے چہرے پر اتنی تشویش تھی کہ میرے اندر سکون سا اترنے لگا۔

"تم کیا دعا مانگ رہی تھیں؟" اس کے ہر سوال کو یکسر نظرانداز کر کے میں نے براہ راست اس کی آنکھ میں جھانکا تھا۔

"آپ کی سلامتی کے لیے۔"

وہ دھیمے سے بولی تھی۔ پہلی مرتبہ میں نے اس کی آواز میں لرزش محسوس کی تھی۔

☆☆☆

میں صحت مند ہو کر معمولات زندگی میں مشغول ہو گیا۔ یونی ورسٹی میں میرا لاسٹ ایئر تھا۔ اس مرتبہ ہاسٹل جاتے ہوئے دل عجیب طرح سے اداس تھا۔ میں اب شنو سے بہت دیر تک ہلکی پھلکی ادھر ادھر کی باتیں کرنے لگا تھا۔ مگر ان باتوں میں کہیں سطحی پن نہیں تھا۔ ہم آپس میں کبھی لفظ "ہم" کو زیر بحث نہ لاتے تھے۔ ایک دن میں لان میں شام ڈھلے بیٹھا تھا کہ وہ میرے عقب میں کب آ کر کھڑی ہوئی معلوم ہی نہ ہو سکا۔

"کیا سوچ رہے ہیں؟" میں ہولے سے پلٹا مسکرایا۔

"مجھے یہ چاندنی رات میں نہائے درخت، پودے، یہ ہری ہری گھاس، یہ تاروں بھرا جگمگاتا آسمان اور یہ چاند بہت نئے نئے سے لگ رہے ہیں۔"

نجانے کیوں میں اتنا جذباتی ہو رہا تھا۔ میں اکثر بند کمرے میں وقت گزارتا تھا۔ یوں کھلی فضا میں لان میں کب ٹہلتا تھا۔ زندگی کے ان انوکھے رنگوں سے کب شناسائی رکھتا تھا۔ یہ سب میرے لیے تو نیا ہی تھا۔ کیا یہ محبت ہے؟

"ارے ادھر دیکھیں۔" شنو نے آسمان کی جانب اشارہ کیا۔ ستاروں کے جھرمٹ میں ایک ستارہ نکلا اور پھر تیزی سے معدوم ہو گیا۔

"یہ ستارہ ٹوٹ گیا ہے شاید۔" میں نے بے دھیانی میں کہا۔ لیکن نجانے کیوں میں نے اس لڑکی کے چہرے پر اتنا ملال سا اترتا دیکھا۔

"ستارے ڈوب بھی جاتے ہیں۔"

آزردگی بھرا لہجہ، چھن سے میرے اندر کچھ ٹوٹا تھا۔ میں اسے بہت کچھ کہنا چاہتا تھا۔ لیکن وہ تیزی سے اندر کمرے میں جا چکی تھی۔

اس دن نجانے وہ کہاں غائب تھی۔ بوا زہرہ نے دوبارا سے پکارا بھی کہ تبریز جا رہا ہے آ کر مل لو۔ لیکن وہ نجانے کیوں سامنے آنے سے کترا رہی تھی۔ اچھا ہی تھا۔ میں شاید خود کو سنبھال نہ پاتا۔ کیونکہ میرا دل بھی بے حد غمگین تھا۔

☆☆☆

بہت دن تک معمول پر آنا دشوار گزار تھا۔ پھر پڑھائی کا زور تھا۔ ایک دن بابا کا فون آیا۔ بس تعلیم اور پیسوں کے حوالے سے پوچھا۔ میرے دل کی بات دل میں نہاں رہ گئی۔ پیپرز ہو گئے۔ اچھے ہوئے تھے۔ یوں بھی میں تعلیم میں بہت اچھا رہا تھا۔ پھر ایک شام بی جان کا فون آیا۔

"اب لوٹ آؤ میں تھک گئی ہوں تیرے انتظار میں۔"

بی جان یوں بھی کب بلاتی تھیں۔ میں بے کل ہو کر اس دن گھر لوٹ آیا تھا۔ گھر میں اچھی خاصی چہل پہل تھی۔ میرا موڈ ایک دم آف ہو گیا تھا۔ یوں بھی بابا کی تقریبات تو گھر میں چلتی رہتی تھیں۔ لیکن اس وقت میں جلد از جلد اس نازک سی لڑکی کو دیکھنے کے لیے بے کل ہو رہا تھا۔ کسی اور کا سامنا کرنے کی طلب نہ تھی۔

میں سیدھا بی جان کے کمرے میں آیا۔ بی جان بیمار تو ہرگز نہ تھیں۔ میرے خدشے بے بنیاد تھے۔ لیکن وہ دشمن جاں وہاں بھی نہ تھی۔ میری جیب میں کانچ کی چوڑیاں تھیں۔ میں اس کے لیے ست رنگی چوڑیاں لایا تھا۔ بہت سے خواب جواب لفظوں کے محتاج تھے۔

"کیا بات ہے تبریز، کسے کھوج رہا ہے۔ میں دیکھ رہی ہوں کہ جب سے آیا ہے۔ ادھر ادھر دیکھ رہا ہے۔" بی جان نے کہا تو میں جھینپ گیا۔ جیسے میری چوری پکڑی گئی ہو۔

"گھر میں یہ اتنا شور کیسا ہے؟" میں نے بات گھما دی۔ "مجھے باہر لے چل دیکھتی ہوں۔"

بی جان کے چہرے پر ایک دھیمی سی مسکراہٹ تھی۔ جب میں وہیل چیئر پر بی جان کو باہر لایا تو پورا لان قمقموں اور سجاوٹی پھولوں کے ساتھ مہکا ہوا تھا۔ جلترنگ قہقہوں نے ماحول کو خوش گوار بنا رکھا تھا۔

"میرا بیٹا تبریز آ گیا۔ آؤ بیٹا۔" بابا جان آج سنو مین نہیں لگ رہے تھے۔ انہوں نے مجھے گلے سے لگایا تو میں ان کی محبت میں پگھلنے لگا۔

"آج سب کو بتاتے ہوئے میں خوشی محسوس کر رہا ہوں کہ میرے بیٹے تبریز کی منگنی میرے دیرینہ مرحوم دوست کی بیٹی سے آج طے کر دی گئی ہے۔"

میں بری طرح چونکا تھا۔ مگر بابا کی نگاہوں کے عقب میں وہ نظر آ گئی تھی۔ میں نے کب اسے اتنا سجا سنورا دیکھا تھا۔ گلابی رنگ کے جگ مگ کرتے جوڑے میں — وہ کوئی اپسرا لگ رہی تھی۔ جونہی مجھے دیکھا شرما کر سر جھکا دیا۔

"برخوردار، کیسا لگا سرپرائز۔" بی جان نے میرے کان کھینچے تو میں بے ساختہ ہنس دیا۔

دادی کے اس سرپرائز نے مجھے حیران کر دیا تھا۔ میں نے شنو کی مخروطی انگلی میں انگوٹھی پہنائی۔ اور میری محبت کا پہلا باب مکمل ہو گیا۔ کھانے کا اہتمام تھا مبارک باد کے سلسلے کے بعد سب کھانے میں مشغول ہو گئے۔ اطراف میں ہجوم کم ہوا تو میں نے اک گہری نگاہ شنو کے اجلے چہرے پر ڈالی۔

"شنو، یہ میں تمہارے لیے لایا تھا۔"

میں نے رنگ برنگی چوڑیاں نکال کر اسے تھما دیں۔

"اب کبھی مجھے چھوڑ کر نہ جائیے گا۔ میرے آنسوؤں کے لیے یہ برتن چھوٹا ہے۔"

اس نے میری بنائی ہوئی مٹی کی چھوٹی سی بوتل مجھے تھما دی تھی۔

اس نے اتنی سادگی سے دل کی بات کی۔ کہ میرا دل جھوم اٹھا تھا۔ بے ساختہ میں نے اس کے دونوں ہاتھوں کو مضبوطی سے تھام لیا تھا۔ ہمیشہ کے لیے۔

☆☆

سمیرا حمید

پردیس

اجالا گاؤں کی ایک سیدھی سادی لڑکی تھی ایک شادی کی تقریب میں برطانیہ سے اس کے دور کے رشتے دار آتے ہیں۔ آنٹی اپنے بیٹے شہریار کے لیے اسے پسند کرلیتی ہیں۔ اس کا رشتہ مانگتی ہیں۔ گاؤں میں سب اس کی قسمت پر رشک کرتے ہیں کہ اجالا بیاہ کر امریکا چلی جائے گی۔

شادی کے بعد امریکہ آکر اجالا پر انکشاف ہوتا ہے کہ شہریار پہلے بھی ایک شادی کر چکا تھا۔ گاؤں میں آنٹی کے کیے سارے دعوے جھوٹے تھے، امریکا میں وہ اور ان کے سارے بچے نوکری کر کے گزارا کرتے ہیں جبکہ اجالا کو نوکری کر کے نہ صرف اپنا بلکہ شہریار کا بوجھ بھی اٹھانا ہے۔ شہریار یکسر مختلف انسان ہے۔ جس میں اخلاقی برائیاں ہیں پر اب وہ بری طرح ان کے چنگل میں پھنس چکی تھی جس سے فرار مشکل تھی۔

ادھر گاؤں میں سب آنٹی کے دکھائے سہانے سپنوں کو سچ سمجھتے ہیں۔ شہریار اسے شراب کی فیکٹری میں ملازمت دلواتا ہے اور اس کے لیے اس کے خوب صورت لمبے بال کٹوا دیتا ہے۔ شراب کی فیکٹری میں اجالا کے لیے مسائل پیدا ہوتے چلے جاتے ہیں اسے جاب چھوڑنا پڑتی ہے۔

اجالا کی دونوں نندوں کا رویہ اس سے اچھا ہے آنٹی کے رویے کے باعث عینی ان سے دور جاب کرنے پر مجبور ہے۔ سارہ یونی ورسٹی میں عورتوں کی آزادی کے لیے بڑھ چڑھ کر بولتی ہے۔ اجالا ایک ڈاکٹر کے گھر میں الماس کے ساتھ کام کرتی ہے۔ جس کی دوسری کم عمر بیوی روشن پر اس کی ساس نندیں تشدد کرتی رہتی ہیں۔ اجالا روشن کو اس چنگل سے نکالنے کے لیے سارہ کی مدد لیتی ہے تاکہ روشن پاکستان اپنی بیمار ماں کے پاس لوٹ جائے وہ کامیاب ہوجاتی ہے اس سلسلے میں پاکستانی قونصل خانہ ان کی مدد کرتا ہے۔ ڈاکٹر صاحب اور ان کے گھر والوں کو سخت سزا ملنے کا امکان ہے لیکن وہ حیلے بہانے کر کے روشن سے ملتے ہیں اور اسے بہلا پھسلا کر قائل کرلیتے ہیں عدالتی کارروائیاں شروع ہوجاتی ہیں۔

بالآخر روشن کو ڈاکٹر صاحب کی قید سے چھٹکارہ مل جاتا ہے وہ اپنی وکیل کی لاکھ منتوں کے باوجود ان پر کوئی کیس کرائے بغیر اپنے گاؤں چلی جاتی ہے۔

اجالا الماس کے ذریعے ایک نئی جگہ کام کرتی ہے جہاں گاؤں سے آئی گل باجی بظاہر خوش نظر آنے والے خاندان کے ساتھ رہتی ہیں ان کی خوب صورت بیٹی اپنی خاندانی روایات کے خلاف صحافی بننا چاہتی ہے باپ اس کا نکاح ایک بچے کے باپ سے کرنا چاہتا ہے اور وہ عین نکاح سے فرار ہوجاتی ہے۔

نویں قسط

ایک دن، ایک رات، ایک پہر میں ہونے والا ایک واقعہ، عورت کو بھوت بنا دیتا ہے۔

مٹھی بھر اندھیرا، چٹکی بھر تنہائی، اور ایک سخت شکنجہ......

مکمل ناول



وہ زندہ بچ جائے تو اپنی تکلیف چھپاتی، بد روح بن جاتی ہے......

مر جائے تو اس کی قبر کتبے کی تلاش میں رہتی ہے......

☆☆☆

جیسے جنگ کے دنوں میں ہر طرف جنگ کی باتیں ہوتی ہیں، بالکل اسی طرح عوام الناس میں مشعل کی باتیں ہو رہی تھیں۔ عوامی رائے یہ تھی کہ وہ حساس تھی، اسے زندگی کے معاملات کا منطقی جواب چاہیے تھا۔ اسے بہلا پھسلا کر لگی بندھی زندگی کی طرف ہانک دینا آسان نہیں تھا، اسی لیے یہ سب ہوا۔ جو زندگی جینا چاہتا ہو، اسے مرنا کیسے منظور ہو گا؟ ایک متحرک نفس کو دیوار میں چن دینا ظلم ہے۔ اگر وہ غائب ہو کر اپنی دنیا بسا رہی ہے تو اس کا اقدام درست ہے۔

لیکن وہ ہے کہاں؟

انڈیا، پاکستان اور عرب دنیا کے فورسڈ میرج پر مبنی کئی کیس نکل کر سامنے آنے لگے۔ میڈیا نے ان ملکوں کے قبرستان کھود ڈالے تھے، اور مردہ خاموش بیٹیاں دھڑا دھڑ چھاپنے لگا تھا۔ دنیا کی اکانومی، ڈیمانڈ اور سپلائی پر چلتی ہے۔ عوام میں ان دنوں مشعل جیسے کیسوں کی مانگ تھی۔ جسے میڈیا بھرپور طریقے سے سپلائی کر رہا تھا۔ یہ صرف انصاف کی آواز نہیں تھی، یہ کاروبار کے عروج کا وقت تھا۔ انہیں مشعل کی فکر تھی اور اپنی دکان کی بھی۔ وہ سب اسٹاک ایکسچینج کے بروکرز کی طرح بڑی بڑی بولیاں لگا کر زیادہ سے زیادہ فائدہ اپنی جیب میں ڈال رہے تھے۔ جیسے ہر دس سالوں میں کہیں جنگ نہ ہو، تو اکانومی گرنے لگتی ہے۔ ایسے ہی کچھ مدت تک عوام کو متوجہ کرنے والے واقعات سامنے نہ آئیں، تو میڈیا کی اہمیت گھٹنے لگتی ہے۔ اخبار بند ہونے لگتے ہیں۔ کوئی نہیں چاہتا کہ دنیا میں مکمل امن قائم ہو۔ کوئی نہیں چاہے گا کہ ہر ذی روح محفوظ رہے۔ اگر ایسا ہو گیا تو دنیا کے بازار کیسے چلیں گے۔

پھر عورت کی خبر بہت بکتی ہے۔ اس میں ہر طرح کا مسالہ بڑے آرام سے لگ جاتا ہے۔

ایسے میں کون اس نادر موقع سے فائدہ اٹھانا نہیں چاہے گا؟

☆☆☆

جہاں ہر گھر کے ٹی وی پر، ہر کار کے ریڈیو پر، ہر آفس اور کالج کے کیفے ٹیریا میں مشعل کی باتیں ہو رہی تھیں، وہیں مشعل کا گھر ایسی ہر بات سے بے نیاز تھا۔ وہ جب صفائی کرنے جاتیں، انہیں لگتا کہ پورے امریکا میں صرف اسی ایک گھر پر مشعل کی گمشدگی سے فرق نہیں پڑا۔ سوائے گل کے، وہاں موجود ہر شے اپنے معمول کے دائرے میں تھی۔ بچے آپس میں کھیل کود میں مصروف ہوتے۔ کبھی اپنے پاپا کے ساتھ سائیکلنگ کے لیے چلے جاتے۔ ان کے پاپا گیراج سے سامان نکال کر گاڑی کی مرمت کر رہے ہوتے۔ ورنہ گاڑی کے کارپٹ نکلوا کر اجالا سے ویکیوم کرواتے۔ جمعے کو سفید شلوار قمیص پر سیاہ کوٹ پہنے، عطر لگائے، کلائی میں گھڑی پہنتے، بختیار سیڑھیاں اتر رہے ہوتے۔

"میں واپس آکر یہیں کھانا کھاؤں گا......اسٹور کے لیے تیار کر دینا۔"

جمعے کو وہ اسٹور میں کام کرنے والوں کو لنچ کرواتے تھے۔ اس دن خاص لنچ تیار ہوتا تھا۔

یہ لنچ ایسے ہی بنتا رہا۔ یہ لنچ ایسے ہی زمین پر دسترخوان بچھا کر کھایا جاتا رہا۔

گل کے چھوٹے دیور کے یہاں بیٹے کی پیدائش ہوئی تھی۔ اس نے چھوٹی سی تقریب رکھی تھی۔ گل نے بختیار کی فرمائش پر اپنی ساس کی دی گھیر دار پشواز نکال لی تھی۔ یہ گل کی شادی کے دنوں کا لباس تھا۔ جب جب خاندان میں کوئی تقریب ہوتی، بختیار اصرار کر کے اسے ایسا کوئی لباس پہننے کے لیے کہتے تھے۔ اس دن اجالا نے ہی وہ پشواز استری کی تھی۔ پہلی بار اجالا کے دل میں خیال آیا تھا کہ گل کیسی ماں ہے، بیٹی کی خبر نہیں اور اسے یہ

خوشیاں سوجھ رہی ہیں۔

مرد حقہ پی رہے تھے۔ چند لڑکوں نے روایتی رقص کیا۔ عورتیں اپنی محفل میں چہلیں کرتی رہیں۔ ان کی انگلیوں کی پوروں پر مہندی کا گہرا رنگ چمک رہا تھا۔ کلائیوں میں موٹے کڑے کھنکتے تھے۔ کانوں میں بھاری آویزوں کی آرائش تھی۔ بیٹے کی ماں کے گال سرخی سے دہک رہے تھے۔ بیٹے کا باپ شاداں و فرحاں تھا۔ ہر فرد خوش تھا۔ گاؤں کی یاد تازہ کرتے ہوئے انہوں نے فرشی نشست کا اہتمام کیا تھا۔ اس تقریب میں گل اپنے ہوش و حواس قائم رکھنے کی جستجو کرتی رہی۔ دنیا کے ہنگامے برے نہیں تھے، لیکن اس کی مشعل کہاں تھی؟ وہ کیسی ماں تھی، بیٹی لاپتا تھی اور وہ شادیانے بجا رہی تھی۔

وہ اچھی ماں تھی، لیکن بری بیٹی کی ماں تھی۔ اس لیے وہ سوگ نہیں منا سکتی تھی۔ سوگ منانے کے لیے ضروری تھا کہ بیٹی پر ''اچھائی'' کا ٹھپہ ہوتا۔

وہ جیسے ہی گھر کے اندر آتیں۔ گل بڑی آس سے ان کی طرف دیکھتی جیسے ان میں سے کوئی مشعل کی خبر لایا ہوگا۔ وہ مشعل کی راکنگ چیئر پر بیٹھی تسبیح پڑھ رہی ہوتی جیسے اس کی روح یا بدروح کو حاضر کرنے کی تگ و دو میں ہو۔ اسٹور سے فون آتا تو اسے اس سوگ سے اٹھنا پڑتا، کچن میں جا کر فرمائشی کھانا پکانا پڑتا۔ اس نے وعدہ کیا تھا کہ وہ گھر میں کسی چیز کی کمی نہیں ہونے دے گی۔ وہ اذیت میں تھی، لیکن اسے بختیار کے ضروری کاغذات ڈھونڈ کر دینے ہوتے۔ بچوں کو اسکول بس تک چھوڑنا ہوتا، واپسی پر اسٹاپ سے لینا ہوتا۔ بختیار کے آنے سے پہلے اچھے کپڑے پہن کر، بال سنوار کر تیار رہنا ہوتا۔

میت کی پٹی سے لگ کر روتی عورتیں، پلٹ پلٹ کر ضروری معاملات کے لیے اٹھتی ہیں۔ آنے والوں کو سنبھالتی ہیں۔ انہیں اپنے عزیز سے لگ کر رونے کے درمیان کئی وقفوں سے گزرنا پڑتا ہے۔ انہیں غم منانے کے لیے پورے تین دن بھی نہیں ملتے۔ انہیں فوراً گھر، باورچی خانہ، بچے، سنبھالنے پڑتے ہیں۔

مرنے والے مر جاتے ہیں لیکن کام نہیں رکتے۔ عورت کے تو بالکل نہیں رکتے۔ دنیا کے سارے کاروبار کبھی تو بند ہو ہی جاتے ہیں۔ عورت کی چاردیواری کا خانہ کبھی بند نہیں ہوتا۔

اجالا گل کو کام کرتے ہوئے دیکھتی تو اسے اپنی اور گل باجی کی کم مائیگی کا شدت سے احساس ہوتا۔ وہ کتنی ہی تکلیف سے گزر رہی ہوتی، آنٹی اسے چین نہیں لینے دیتی تھیں۔

دنیا کے بہت سے معاشرے ایسے ہیں جو تغیرات کا خیر مقدم کرتے ہیں۔ جب وہ کھوکھلی بنیادوں کی اصلیت جان جاتے ہیں تو ان سے جان چھڑا لیتے ہیں۔ جڑ سے نہ سہی تو تنے سے اکھاڑ پھینکتے ہیں۔ برصغیر کے لوگ اپنی خودسری اور ہٹ دھرمی پر فخر کرتے ہیں۔ یہ کھال بال سے بدل جاتے ہیں، لیکن اندر سے، راسخ الاعتقاد ہی رہتے ہیں۔ اسی لیے نسلوں تک زخم ہرے بھرے چلتے رہتے ہیں۔ اجالا اور گل، انہی زخموں سے ہری بھری تھیں۔

☆☆☆

ایک بڑے چینل نے بختیار کو پرائم ٹائم میں آنے کی دعوت دی تھی۔ بختیار کئی بار انکار کر چکے تھے، لیکن یہ چینل والے باز نہیں آ رہے تھے۔ پھر اسی نیوز چینل نے پینل ڈسکشن میں زور دے کر یہ بات جتا دی کہ مشعل کے باپ کو شو میں بلایا جا رہا ہے لیکن وہ مسلسل انکار کر رہا ہے۔ اگر مشعل کے سلسلے میں اس کے باپ کا کوئی ہاتھ نہیں ہے تو اسے شو میں آنے سے جھجک کیسی؟

ایسے کیسز میں فیملی کا انٹرویو عام بات تھی۔ بختیار اس سلسلے میں میڈیا کا سامنا کرنے سے کترا رہے تھے۔ جس کی وجہ سے ان پر شک پختہ ہو رہا تھا۔ اس نئی چنگاری پر شعلے اتنے بلند ہوئے کہ بختیار نے پروگرام میں جانے کی ہامی بھر لی۔

پروگرام لائیو ہونا تھا، اور یہی سب سے خطرناک بات تھی۔ گل نے الماس کو بتایا تو الماس گھبرا گئی۔

”گل! تم انہیں ایسا کرنے سے منع کرو، ان دنوں میڈیا بال کی کھال نکال رہا ہے۔“

”یہی بختیار کا کہنا ہے کہ سارا میڈیا ان کی طرف انگلی اٹھا رہا ہے، ٹھیک ہے، وہ شو میں جا کر ثابت کر دیں گے۔“

نہ جانے گل کس خوش فہمی میں تھی۔

”بختیار بھائی کی طرف شک ہونا جائز ہے گل! میں پھر کہوں گی کہ انہیں شو میں نہیں جانا چاہیے۔“

”لیکن میں چاہتی ہوں کہ وہ جائیں......“ گل نے اعتماد سے کہا۔ وہ بیٹی کھو چکی تھی، شوہر پر بھروسا نہیں کھونا چاہتی تھی۔

”یہ لوگ ایک کی دس لگائیں گے۔ تمہارا امریکا میں رہنا دوبھر ہو جائے گا۔“

”جلد ہی مشعل سامنے آجائے گی پھر ان سب کو منہ کی کھانی پڑے گی۔“

اجالا نے الماس کے شانے پر ہاتھ رکھ کر دباؤ ڈالا۔ اشارہ کیا کہ خاموش ہو جائیں گی، لیکن الماس خاموش نہیں ہوئی۔

”تم نہیں جانتیں کہ لوگ تمہارے بارے میں کیسی کیسی باتیں کر رہے ہیں۔ تم نیوز پیپر نہیں پڑھ رہیں، تمہیں انگلش کے پروگرام سمجھ میں نہیں آتے۔ تم باہر کے کسی آدمی سے بھی نہیں ملتیں۔ گل! تمہارا خاندان اس وقت شکاگو میں نفرت کی علامت بن چکا ہے۔“

گل الماس کی شکل دیکھ کر رہ گئی۔

”مشعل کے پاپا کو منع کرو کہ وہ اس شو میں نہ جائیں۔ میڈیا کے لوگ بہت چالاک ہوتے ہیں، وہ بختیار بھائی کو اپنی باتوں میں گھیر لیں گے۔ پھر اپنی مرضی کا مطلب نکالیں گے۔ آج نہیں تو کل یہ معاملہ ختم ہو جائے گا۔ اگر انہوں نے کچھ نہیں کیا تو ریکارڈ پر اپنا بیان لانے کا کوئی فائدہ نہیں ہے۔“

”مشعل آجائے گی تو ان کی سچائی ثابت ہو جائے گی۔“

گل بار بار زور دے کر کہتی تھی کہ جلد ہی مشعل سامنے آجائے گی، جیسے دوسروں سے زیادہ خود اسے یقین دہانی کی ضرورت تھی۔ وہ کائنات کے ذرے ذرے کو یہ پاور کروا رہی تھی کہ مشعل ٹھیک ہے، اور اسے کچھ نہیں ہو سکتا۔ سارے واہمے عورتوں کو ہوتے ہیں۔ ہر سرخ و سفید آندھی پر ان کے دل لرزتے ہیں۔ اور جب یہ خود کو دھوکا دینا چاہیں تو ساری حقیقتیں فریب نظر سمجھ کر جھٹلا دیتی ہیں۔

”ٹی وی والے کہہ رہے تھے کہ جس لڑکی پر سارا امریکا پریشان بیٹھا ہے، اس لڑکی کے والدین تعاون نہیں کر رہے۔ سرد رویہ دکھا رہے ہیں۔ جبکہ بختیار نے ہر طرح سے تعاون کیا ہے۔ میں گواہ ہوں الماس! آخر مشعل ان کی بیٹی ہے۔“

اجالا نے سر ہلا دیا۔ ”آپ ٹھیک کہہ رہی ہیں گل باجی!“

اجالا گل کی ہاں میں ہاں ملانے لگی۔ الماس نے ناراضی سے سر جھٹکا کہ جیسے یہ عورت نہیں سمجھے گی۔ دراصل کچھ واقعات رپورٹ ہوئے تھے کہ بختیار کے اسٹور کے سامنے کھڑے ہو کر کچھ گروپس کی طرف سے ہوٹنگ کی گئی تھی۔ اسپرے سے دیواروں پر الٹی سیدھی باتیں لکھی تھیں۔ اسٹور کی اس حالت کی تصویریں اخبارات میں شائع ہوئی تھیں۔ اسلامی سنٹر کی طرف سے اس حرکت پر احتجاج نوٹ کروایا گیا تھا کہ وہ کسی ثبوت کے بغیر بات نہ کریں۔ یہ سراسر الزام ہے۔ پولیس اب تک کچھ ثابت نہیں کر سکی ہے۔ بلکہ کہیں سے ایک معمولی سا ثبوت بھی سامنے نہیں آیا جو بختیار کی طرف انگلی اٹھا سکتا۔ ایک جذباتی لڑکی نے اپنی ڈائری میں کچھ الٹی سیدھی باتیں لکھ دیں، اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ ماں باپ کو کٹہرے میں کھڑا کیا جائے۔

پاکستانی گھروں میں مشعل کے معاملے پر حمایت پر پابندی تھی۔ وہ اپنی اولاد کے سامنے مشعل

کو گالیاں دیتے تھے۔ در پردہ انہیں سناتے تھے کہ دیکھا مشعل جیسی لڑکی بننے کا انجام۔ ماں باپ کو ذلیل کروا کر رکھ دیا ہے۔ ان کی جوان اولادیں مشعل کے حق میں صرف اپنے دوستوں کے سامنے بات کر سکتی تھیں۔ گھر میں اس کی طرف داری کرنے کا مطلب تھا، در پردہ یہ ثابت کرنا کہ میں بھی مشعل جیسی ہوں۔

''لوگ صحیح اور غلط حالات واسباب کی جستجو نہیں کرتے، فیصلے صادر کرتے ہیں۔ یک طرفہ احوال سن کے رائے قائم کر لینا جہالت ہے۔ کسی کے بارے میں کوئی بری بات سن کے رائے قائم کر لینے کے پیچھے ان لوگوں کی اپنی سطحی افتادِ طبع کارفرما ہوتی ہے۔ آس پاس دیکھو گی تو باآسانی نظر آ جائے گا کہ دوسروں کے اچھے برے اعمال کریدنے والے بیشتر وہی لوگ ہیں جن کے اپنے دامن صاف نہیں۔ یہ مجرم ضمیر دوسروں کی زندگی کا پوسٹ مارٹم کر کے تسکین محسوس کرتے ہیں۔'' (فرانیکا کا خط اپنی سہیلی کے نام)

☆☆☆

ہفتے کی رات لائیو شو میں بختیار مشعل سے متعلق شو میں ہوسٹ کے چبھتے ہوئے سوالوں کے جواب تحمل سے دیتے رہے۔ وہ تمام باتیں جواب سب ہی جان چکے تھے، انہیں مختصراً زیرِ بحث لایا گیا۔ بختیار جانتے تھے کہ انہیں ٹی وی کے ذریعے پبلک کورٹ میں پیش کیا جا رہا ہے۔ وہ سوٹ بوٹ اور ٹائی میں آئے تھے ان کا اطمینان قابلِ دید تھا۔

''مسنگ پرسن سے متعلق آپ کی معلومات حیران کن ہے۔ کیا ایسا ممکن ہے کہ آپ نے اسے اپنے حق میں یوز کیا ہو۔ مشعل پیرس چلی گئی اور آپ نے اس موقع سے فائدہ اٹھا لیا؟''

بختیار ہنس دیے۔ ''آپ یہ سوال ان تمام خاندانوں سے کرتے ہیں جن کے گھر کا کوئی فرد مسنگ ہو؟''

''عام رائے ہے کہ آپ نے مشعل کو کہیں قید کر لیا ہے۔''

''پولیس تمام پراپرٹی کی چھان بین کر چکی ہے۔''

ہوسٹ ہنس دیا۔ ''ظاہر ہے اسے ایسی جگہ چھپایا گیا ہو گا جس کا پتا پولیس کو نہیں ہو گا۔''

''ایسی بات ہے تو پھر یہ شک دور کرنے کے لیے پولیس کو مزید چھان بین کرنی چاہیے تاکہ سچ سامنے آ سکے۔''

ہوسٹ نے کچھ پیپرز بختیار کے سامنے لہرائے۔

''مسٹر بختیار! میرے ہاتھ میں موجود یہ کاغذات مشعل کے ہاتھ سے لکھی وہ رپورٹ ہے جو اس نے آنر کلنگ پر اپنے جرنل میں لکھی تھی۔ اس رپورٹ کے مطابق پچھلے دس سالوں کے دوران گاؤں اور آس پاس کے علاقوں کی انیس لڑکیوں کو قتل کیا گیا ہے۔''

بختیار نے گہرا سانس کھینچ کر اسے سینے میں ٹھہرا لیا۔ چہرے پر کوئی تاثر نہیں آنے دیا۔

''میں اس سے لاعلم ہوں...... مشعل کی رپورٹ کے سچ ہونے کے کیا ثبوت ہیں؟؟''

''اس رپورٹ میں جن لڑکیوں کے نام لکھے گئے ہیں، ان میں سے پانچ لڑکیوں کے قتل کی خبر پاکستانی نیوز پیپر میں بھی رپورٹ ہوئی ہے۔''

''قتل پاکستان میں کہیں بھی ہو سکتا ہے...... قتل یہاں یو ایس میں بھی ہوتے ہیں۔''

''میں آنر کلنگ کی بات کر رہا ہوں۔''

''امریکا میں آنر کلنگ نہیں ہوتی؟ بیویوں کو کسی اور کے ساتھ دیکھ لینے پر انہیں موقع پر نہیں مار دیا جاتا؟ قتل کروانے کے لیے پرائیوٹ کلرز کی خدمات نہیں لی جاتیں؟''

''آپ بات کو گھما رہے ہیں۔''

''میں سچائی بتا رہا ہوں۔ چلیں پھر اسے ایسے سنیں! آپ کے ملکوں میں صرف آنر کلنگ ہی نہیں ہوتی بلکہ قاتل کو بھی آنر دیا جاتا ہے۔ 1981

تک اٹلی میں یہ قانون تھا کہ اگر کوئی اپنی بیٹی بیوی بہن کا قتل کر دیتا ہے اور اس قتل کی وجہ خاندان کی عزت و ناموس تھی، تو اس قاتل کو صرف تین سال کی سزا ہوگی۔ ورنہ زیادہ سے زیادہ سات سال کی۔ آنر کلنگ کو آپ نے گلوری فائی (glorify) کیا ہے۔ آپ اسے میرے گاؤں یا میرے سر پر کیسے تھوپ سکتے ہیں؟"

بختیار سے سوال پوچھنے والے کو واضح طور پر ایک جھٹکا لگا تھا۔ ایک لمحے کے لیے وہ خاموش ہو کر کیمرے کے پیچھے موجود ٹیم کی طرف دیکھ کر رہ گیا۔ بے چینی سے اس نے ہاتھ میں پکڑے کیو کارڈ کی طرف نظر دوڑائی۔

"آپ نے اپنی بیٹی کی لکھی ہوئی رپورٹ پڑھی۔"

"نہیں! میں ضروری نہیں سمجھتا۔ آپ بھی مشعل کی لکھی رپورٹ کو مستند کیسے قرار دے سکتے ہیں؟ اس کا پاکستان میں میرے کسی عزیز سے رابطہ نہیں تھا۔ وہ بچپن میں پاکستان گئی ہے، اس عمر میں وہ یہ ڈیٹا کیسے حاصل کر سکتی ہے؟"

"مشعل نے لکھا ہے کہ یہ ڈیٹا اسے اسلامی سنٹر میں ملنے والی ایک خاتون سے ملا ہے۔"

بختیار نے گہرا سانس لیا۔ "بہتر ہے پھر آپ اس خاتون سے رابطہ کریں۔"

"آپ اس رپورٹ کی سچائی کو تسلیم کرتے ہیں۔"

"نہیں......"

"آپ کے گاؤں میں کبھی آنر کلنگ نہیں ہوئی۔"

"نہیں......"

"آپ ثابت کر سکتے ہیں آپ سچ کہہ رہے ہیں۔"

"آپ ثابت کر سکتے ہیں میں جھوٹ کہہ رہا ہوں۔"

"پاکستان میں آنر کلنگ کو رپورٹ نہیں کیا جاتا۔ کون رپورٹ کرے گا؟ وہ ماں جس کی بیٹی قتل ہوئی؟ وہ بہن جو خود اس انجام سے گزر سکتی ہے؟ وہ سہیلی جس کے اپنے سر پر یہی تلوار لٹک رہی ہے۔ آنر کلنگ پر سب کا اتفاق ہوتا ہے۔ خاندان، برادری، گاؤں، سب کا۔ کچھ صحافیوں نے چند واقعات پر رپورٹ شائع کیں، لیکن ان کی سنوائی نہیں ہوئی۔"

"آپ تعصب کا مظاہرہ کر رہے ہیں۔ تیسری دنیا کے لوگ آپ کو گھٹیا اور جانور لگتے ہیں۔ جو حیوانوں جیسی زندگی گزارتے ہیں۔ آپ کو اس حقیقت سے نفرت ہے کہ ہم نے ترقی یافتہ ملکوں میں آ کر اپنی زندگیاں آپ سے کہیں زیادہ بہتر کر لیں۔ آپ کو پیچھے چھوڑ دیا۔ ہم بڑے گھروں کے مالک بن گئے۔ ہر طرف ہمارے بزنس کھل گئے۔"

سوال پوچھنے والا ہنس دیا۔ "ان باتوں سے آپ اپنی کمیونٹی کو اپنے حق میں کر رہے ہیں۔"

"آپ کے پاس رپورٹ کی سچائی کا کوئی ثبوت نہیں ہے۔" بختیار نے سختی سے کہا۔

"مسٹر بختیار! ہم نے سفارت خانے سے رپورٹ طلب کی ہے۔"

"حکومت بھی آپ کی، اور سفارت خانے بھی آپ کے۔ کب سے آپ کے سفارت خانے ان معاملات کی رپورٹ رکھنے لگے ہیں؟ آپ کے لیے یہ ٹی وی کے مسالے سے زیادہ کچھ نہیں ہے۔ اگر انسانیت کی اتنی ہی فکر ہے تو آپ ان جیلوں کی طرف کیوں نہیں دیکھتے جن میں ہر عمر کا سیاہ فام بچہ قید ہے۔ چوری کرنے والا اصل چور نہیں ملتا تو کسی بھی سیاہ فام کو اٹھا کر جیل میں پھینک دیتے ہیں۔ قتل کرنے والا اصل قاتل نہیں ملتا تو کسی سیاہ فام کو پکڑ کر موت کی کرسی پر بٹھا دیتے ہیں۔"

"آپ بات گھما چکے ہیں......آپ کافی چالاک ہیں۔"

"میں آپ کو وہ آئینہ دکھا رہا ہوں جو آپ دیکھنا نہیں چاہتے۔ امریکی نسل پرست ہیں۔ آپ

نے بھی یہ تسلیم نہیں کیا۔ یہ وہی رویہ ہے جس کا مظاہرہ مشعل سے متعلق اخبارات کر رہے ہیں۔ آپ کو مشعل سے ہمدردی نہیں ہے، اگر ہوتی تو ہزاروں لاپتا لوگ مل چکے ہوتے۔ آپ سب کو اپنے اپنے شو سے دلچسپی ہے۔ آپ نسلی تعصب دکھا رہے ہیں۔"

"آپ مشعل کو مارتے تھے...... آپ اس پر تشدد کرتے رہے ہیں۔"

"آپ کے امریکی گھروں میں بچے بیلٹوں سے نہیں پٹتے؟ ان کے سروں پر خالی بوتلیں نہیں توڑی جاتیں؟ ایک کال پر پولیس آجانے کے باوجود ہر تیسرا بچہ اپنے سگے یا سوتیلے باپ کے ہاتھوں تشدد کا شکار ہوتا ہے۔ دنیا بھر میں سب سے زیادہ امریکا میں عورتیں اپنے شوہروں اور پارٹنر کے ہاتھوں پٹتی ہیں۔ امریکی مرد ان پر تشدد کرتے ہیں۔"

"ایک فون کال پر پولیس ان عورتوں کی مدد کے لیے پہنچ جاتی ہے۔"

"آپ کا آزاد اور ترقی یافتہ معاشرہ عورت کو تشدد سے نہیں بچا سکا، بچوں کو ابیوز سے نہیں بچا سکا، اور آپ اشارہ میری طرف کر رہے ہیں۔ ہر کچھ مدت کے بعد آپ کے اخبارات سلسلہ وار قتل کی خبروں سے بھر جاتے ہیں۔ یہ سائیکو پیتھ سیریل کلرز آپ کے کلچر کی پیداوار ہیں۔ کیا آپ نے انہیں جڑ سے اکھاڑ پھینکا؟"

ہوسٹ نے سر ہلا دیا، جیسے وہ لاجواب ہو چکا ہے۔

"میں آپ کے کچھ پوائنٹس سے اتفاق کرتا ہوں۔ آپ یہ بتائیں کہ مشعل اپنی مرضی کی زندگی کیوں نہیں گزار سکتی تھی؟"

"کیسی مرضی کی زندگی؟ آپ اپنے یہاں بالغ کو شراب پینے کی اجازت دیتے ہیں لیکن ڈرگز کی نہیں؟ ایسا کیوں ہے؟"

ہوسٹ نے سوچنے کے لیے کچھ وقت لیا لیکن بختیار نے خود ہی جواب دے دیا۔

"کیونکہ نشہ زندگی کے لیے نقصان دہ ہے۔ ہم شراب اور ڈرگز کو ایک لائن میں کھڑا رکھتے ہیں۔ آپ کے لیے کچھ چیزیں جائز ہیں، کچھ ناجائز، بالکل ایسے ہی ہمارے لیے بہت سی چیزیں ممنوع تھیں اور رہیں گی۔ ان سے باز رکھنا میرا فرض ہے۔"

"آپ حرام کا لفظ یوز کرنا نہیں چاہتے۔"

"آپ کو اس لفظ کی سمجھ نہیں آئے گی، اس کے لیے پہلے آپ کو حلال سمجھنا ہوگا۔ اور آپ کو اس حلال کی سمجھ بھی نہیں آئے گی۔"

بختیار نے چبھتے ہوئے انداز میں کہا تھا۔

"ویل! ایک بالغ انسان کو اس کی مرضی کی زندگی جینے نہ دینا حلال ہے یا حرام؟" ہوسٹ کا لہجہ بھی طنزیہ ہوگیا۔

"اگر یہ مرضی ڈرگز لے کر کیڑے مکوڑے کی طرح گٹر کے کنارے پڑے رہنے کی ہے تو ہرگز نہیں۔ شادی کے بغیر غیر محرم کے ساتھ رہنے کی ہے تو بالکل نہیں۔ یہ مرضی اپنی ہی جنس کے ساتھ شادی کی ہے تو کسی صورت نہیں۔"

"مسٹر بختیار! جائز لیکن مرضی کی شادی کے بارے میں آپ کے خیالات ہیں؟"

"میں اس کا جواب دوں گا، پہلے آپ بتائیں کہ ایک سیاہ فام عورت سے سفید فام مرد شادی کیوں نہیں کر سکتا؟ اس کی اجازت کیوں نہیں ہے؟ سفید چمڑی والوں کو سیاہ فاموں کے خون سے اتنی نفرت کیوں ہے؟"

"آپ بار بار سیاہ فاموں کو ٹارگٹ کر رہے ہیں۔"

"جس بات کا جواب آپ — نہیں دے سکے، وہی مجھ سے پوچھے آپ کے سوال کا جواب ہے۔"

"آپ کے مدلل انداز نے مجھے حیران کر دیا ہے۔ پھر بھی آپ جیسے سمجھ دار انسان کی بیٹی کو گھر چھوڑ کر جانا پڑا۔"

''جن بچوں کو ان کی مائیں زیادہ میٹھا کھانے سے منع کرتی ہیں، زیادہ کھیلنے سے روکتی ہیں، ایسی مائیں بچوں کو بری لگتی ہیں۔ اسکول برا لگتا ہے، ٹیچرز برے لگتے ہیں۔ بچہ اپنی ڈائری میں بڑوں کی کون سی فہرست بنا رہا ہے یہ اتنا اہم نہیں ہے۔ بچے کو ایک عمر لگتی ہے یہ سمجھنے میں کہ اس کے لیے کیا ٹھیک ہے اور کیا غلط۔ والدین پورا حق رکھتے ہیں کہ وہ بچوں کے لیے بہترین فیصلہ کریں۔''

''یعنی آپ نے زبردستی کی تھی؟''

''آپ یہ یاد رکھیں کہ یہ کورٹ نہیں ہے۔ آپ میری باتوں کو توڑ مروڑ کر مجھے الجھا نہیں سکتے۔ اگر میں نے کچھ کیا ہوتا تو کبھی اس شو میں نہ آتا۔ میرے نظریات اور میرے اصول آپ کو برے لگ سکتے ہیں، لیکن وہ مجھے غلط ثابت نہیں کر سکتے۔ آپ بے لگام آزادی کے قائل ہیں، اور ہمیں ایسی آزادی سے گھن آتی ہے۔ لیکن کبھی آپ کے منہ پر چیخ چنگھاڑ نہیں کی کہ اس کلچر کو بدلو۔ آپ کے پاس بھی یہ حق نہیں ہے کہ آپ مجھے یہ سکھائیں کہ مجھے کیا بدلنا ہے۔''

پورے اسٹوڈیو میں ہی خاموشی چھا گئی۔

''میں آخری سوال کر رہا ہوں...... کیا آپ جواب دینا چاہیں گے۔''

''اگر یہ آخری ہے تو ضرور...... پوچھیں......''

''مشعل زندہ ہے یا مر چکی ہے؟''

☆☆☆

بختیار کے شو نے دیسیوں کا دل جیت لیا تھا۔ اس نے رکھ رکھ کر گوروں کو ان کی اصلیت دکھاوی تھی۔ اس شو کے بعد لوگ دو حصوں میں تقسیم ہو چکے تھے۔ ایک کہ مشعل کے کیس کو کیش کروایا جا رہا ہے۔ مشعل کے باپ نے بھی ٹی وی پر آنے کے اچھے خاصے پیسے لیے ہوں گے۔ اور دوسرے گروپ کا ماننا تھا کہ اگر مشعل کی گمشدگی میں اس کے باپ کا ہاتھ ہے، تو بہت مشکل ہے کہ کبھی حقیقت سامنے آسکے۔ اس انسان نے جیسے لائیو شو میں بڑوں کو چپ کروا دیا ہے، وہ مشعل کے سلسلے میں کہیں ملوث بھی ہوا تب بھی ناممکن ہے کہ کوئی سراغ ہاتھ آسکے۔

اس شو نے کئی دوسروں فساد کھڑے کر دیے تھے۔ بختیار نے امریکی عورتوں پر گھریلو تشدد اور سیاہ فاموں پر بربریت کا بار بار ذکر کیا تھا۔ اور اس سے نئی بحث چھڑ چکی تھی۔ کچھ تجزیہ نگاروں کا ماننا تھا کہ بختیار نے بڑی چالاکی سے اخباروں کو پیٹ بھرنے کے لیے دوسرا مواد دے دیا ہے۔ صرف مشعل پر ہی کیوں بات ہو، اپنے گریبانوں میں بھی جھانکو۔ یہ گورے، یہ قانون کی بکواس کرنے والے، اپنے ہاتھوں پر معصوموں کا خون رکھنے والے، اسے کیسے کٹہرے میں کھڑا کر سکتے تھے۔

اس رات یہ شو ان تینوں نے مل کر دیکھا تھا۔ آنٹی بڑے سے پیالے میں چپس بھر کر بیٹھ گئی تھیں، جیسے تھیٹر میں مووی دیکھنے آئی ہوں۔ ان کے جبڑے سے نکلنے والی چپس کی کڑکڑاتی آواز سے اجالا کو نفرت محسوس ہو رہی تھی۔ اس عورت کے خلاف اس کا طیش بڑھتا جا رہا تھا۔

''ایسے ہی تو اس انسان نے اتنا بڑا اسٹور نہیں بنا لیا۔ ڈالرز میں کھیلتا ہے۔ دیکھو کتنا چالاک ہے، کیسے تڑ تڑ جواب دے رہا ہے۔ اتنی عوام اسے دیکھ رہی ہے کوئی ڈر خوف نہیں ہے۔''

منہ میں چپس ٹھونستے ہوئے وہ تبصرے کرتی رہیں۔ بے حس عورت کئی بار استہزائیہ ہنسی تھی۔ اجالا نے ناگواری سے منہ پھیر لیا تھا۔

''مجھے ایک کافی بنا دو۔'' اجالا کو حکم دیا۔

فون پر بیل ہوئی ــــ آنٹی کے صوفے کے ساتھ والی میز پر فون رکھا تھا۔ آنٹی نے اٹھایا، ہیلو کہا، اور پھر ٹھک واپس رکھ دیا۔ وہ جانتی تھی کہ کس کا فون ہوگا۔ پہلے اس نے جانے دینا چاہا، لیکن پھر وہ غصے سے اٹھی اور فون اٹھا کر نمبر ڈائل کرنے لگی۔

''ہاں بلبل بولو......'' اس نے تیز آواز میں کہا۔

"تم نے کہا تھا آج آؤ گی۔ میں تمہارا انتظار کرتی رہی۔"

"اوہ...... میں بھول ہی گئی......"

"اب بولو کب آؤ گی...... تم مشعل کے پاپا کا شو دیکھ رہی ہو...... مجھے سب کچھ عجیب سا لگ رہا ہے۔"

"عجیب بھی اور خوفناک بھی۔"

"کل آجاؤ ملنے......"

"وعدہ نہیں کرتی بلبل، کام سے جلدی فارغ ہوگئی تو آجاؤں گی...... پھر بھی تم......"

فون پر ٹوٹو سنائی دینے لگی۔ اس نے فون کی طرف دیکھا تو آنٹی نے کریڈل پر انگلیاں رکھی ہوئی تھیں۔

"بند کرو یہ بلبل بلبل...... ہر وقت اس ہندنی کے نام کی تسبیح پڑھتی رہتی ہو۔ آواز نہیں آرہی مجھے ٹی وی کی۔"

اس نے فون کی تار کو مٹھی میں بھینچ لیا۔ کمرشل بریک ختم ہو چکی تھی۔ اسکرین پر شو ہوسٹ دکھائی دے رہا تھا۔ اس نے واپس نمبر ڈائل کرنے کا ارادہ چھوڑ دیا، اور جا کر سارہ کے قریب بیٹھ گئی۔ اگر دنیا میں کسی کو غائب ہو جانا چاہیے تو اس چپس کھاتی عورت کو ہونا چاہیے۔ کوئی اٹھائی گیرا اسے کیوں نہیں اٹھا کر لے جاتا۔ کسی گڑھے میں یہ کیوں نہیں جا گرتی۔

سارہ بہت چپ چپ تھی۔ آنٹی والی حرکت دیکھ کر بھی اس نے ان دیکھا کر دیا۔ جیسے جیسے بختیار ہوسٹ کی طبیعت صاف کرتا گیا، ویسے ویسے سارہ کے چہرے پر رنگ بدلتے گئے۔

"سارہ تمہیں کیا لگتا ہے۔" شو ختم ہوا تو اس نے بے قراری سے سارہ کا ہاتھ تھام لیا۔

سارہ نے خود کو ڈھیلا چھوڑ دیا۔ "کچھ کہہ نہیں سکتی۔"

اجالا کو ایسا لگا وہ جھوٹ بول رہی ہے۔ "تم مجھے بتانا نہیں چاہتیں۔"

"تم کیوں پریشان ہو رہی ہو۔" ہنس کر کہا۔

"مشعل کے پاپا نے کچھ نہیں کیا...... مشعل ٹھیک ہوگی۔"

"مجھے لگا تھا یہ ذرا غصے والے ہیں جو اپنی بیٹی کی لگامیں اپنے ہاتھ میں رکھنا چاہتا ہے۔ ماما ٹھیک کہہ رہی ہیں، مشعل کا باپ عام انسان نہیں ہے۔"

"اس کا کیا مطلب ہے......" اجالا جتنا سمجھی تھی اسی میں الجھی ہوئی تھی۔

"کچھ نہیں اجالا! دعا کرو کہ مشعل جہاں ہو ٹھیک ہو۔"

دعا...... ہر مسئلے کے لیے دعا، ہر بے بسی کے لیے دعا...... کون کون سی لڑکی صرف دعاؤں سے بچے گی؟...... روشن؟

دعاؤں کے سہارے خوش رہے گی؟...... اجالا؟

زندگی کے کچھ سانس لینے میں کامیاب ہو پائے گی؟...... مشعل؟

لڑکیوں کے لیے سب سے کارگر صرف دعائیں بنتی ہیں۔ زندگی کے ہر قدم کے لیے، زندگی کی ہر جنگ کے لیے۔ دعا کرو، صبر رکھو، خاموش رہو، جھیل جاؤ۔ عورتیں سب سے زیادہ دعائیں کرتی ہیں، کیونکہ انہیں قدم قدم پر صرف یہی ایک حل بتایا گیا ہے۔ یہی سکھایا گیا ہے۔

دعا کرو......

☆☆☆

کہتے ہیں زندگی نشیب و فراز کا سلسلہ ہے۔ لیکن زندگی میں کچھ نشیب ایسے آتے ہیں کہ پھر زندگی ہمیشہ کے لیے نشیب کی ہو کر رہ جاتی ہے، واپس فراز کی طرف نہیں جاتی۔ تمام تر خوش گمانی کے باوجود گل کی زندگی اسی پستی کا گھر ہو چکی تھی۔ وہ ہر وقت فون کے گرد منڈلاتی رہتی تھی۔ اکثر چینل سے فون آتے تھے، جرنلسٹ کال کرتے تھے، جنہیں سنتے ہی وہ فون بند کر دیتی تھی۔ ایک بار اس کے دیور یوسف نے فون کر کے پوچھا تھا کہ اسے اڑتی اڑتی

کچھ خبریں ملی ہیں مشعل سے متعلق۔ کیا وہ سچ ہیں؟

"میں نے کاکا کو فون کیا تو انہوں نے مجھ سے بات نہیں کی، آپ ہی کچھ بتا دیں، مجھے پریشانی ہو رہی تھی۔"

ان کے خاندان سے پہلی بار کسی نے اتنی پریشانی ظاہر کی تھی۔ ورنہ کسی کو کوئی فرق نہیں پڑا تھا۔ مشعل کی گمشدگی پر خاندان والوں کی بے حسی نے اسے تکلیف دی تھی۔ اس کی بیٹی اتنی معمولی تو نہیں تھی کہ کوئی دو دن پریشان ہو کر نہ دکھاتا۔ گل کا دل چاہا کہ وہ یوسف کے آگے اپنا دل کھول کر رکھ دے۔

"خدا کے لیے گل بھابھی! کچھ تو کہو...... میری بیٹی جیسی ہے...... کہاں گئی وہ۔"

جواب دینے کے بجائے گل نے فون بند کر دیا۔ گاؤں میں کسی کو اس سلسلے میں کوئی خبر نہیں تھی۔ نہ جانے یوسف کو کیسے خبر مل گئی تھی۔ مینہ اور اس کی بیوی آپس میں خالہ زاد بہنیں ہیں، شاید مینہ نے کوئی ذکر کیا ہو۔ جو بھی تھا گل کو یوسف کا فون کرنا بہت اچھا لگا۔ بیمار کو تیمارداری کی اور پریشان حال کو تسلی کی ضرورت ہوتی ہے۔ ویک اینڈ پر بختیار گل کو بچوں سمیت اپنے بھائیوں کے گھر لے جاتے تھے۔ وہاں کوئی مشعل کا ذکر نہیں کرتا تھا۔ جبکہ گل چاہتی تھی کہ سب اس کے لیے فکر مند ہوں۔ سر جوڑ کر بیٹھ جائیں۔ وہ سوچتی تھی کہ اگر مشعل چھوٹی سی بچی ہوتی، اور گم ہو جاتی تب اس کا باپ پاگلوں کی طرح اسے ڈھونڈتا پھرتا۔ اور اس وقت تک چین نہ لیتا جب تک وہ مل نہ جاتی۔ بچپنے کی کمزوری پر جوانی کی قوت غالب آ جانے سے، سارا منظر ہی بدل گیا۔ گھر چھوڑ دینے والی لڑکی کے لیے دل کا نرم گوشہ، پتھر کی سل ہو گیا۔

"گاؤں سے یوسف کا فون آیا تھا۔" رات کو اس نے بختیار کو یوسف کے فون کے بارے میں بتایا تو ان کے چہرے پر سختی در آئی۔

"کیا کہہ رہا تھا۔"

"مشعل کی گمشدگی پر پریشان ہو رہا تھا۔ بہت فکر مند تھا۔" گل کو اس کی فکر مندی کی بہت قدر تھی۔

"تم نے کیا بتایا۔"

"میں نے فون بند کر دیا۔"

"ہمم...... ٹھیک کیا...... دوبارہ آئے تو یہی کرنا۔"

بختیار نے نخوت سے کہا۔ وہ کھانا چھوڑ کر اٹھ کر کھڑے ہو گئے۔ گل کو اس شخص سے ہمدردی محسوس ہوئی۔ ہر انسان ان کی طرف انگلی اٹھا رہا تھا۔ وہ لائیو شو تک میں بیٹھ کر لوگوں کے شکوک دور کر آئے تھے، لیکن ان کا گھر سے باہر نکلنا دوبھر ہو چکا تھا۔ اسٹور میں گورے بھی آتے تھے۔ لیکن اب انہوں نے آنا بند کر دیا تھا۔ یہ ان کا بائی کاٹ تھا۔ پاکستانی کمیونٹی کو فرق نہیں پڑا تھا، بلکہ وہ پہلے سے زیادہ آنے لگے تھے۔ لیکن وہ دیکھتی تھی بختیار کو صدمہ پہنچا ہے۔ شو سے واپسی پر دکھ اور کمزوری ان کے چہرے سے ظاہر ہونے لگی تھی۔

"بچے کہاں ہیں گل؟" پانی کا گلاس لے کر پوچھا۔

"سو گئے......"

"تم نے ٹی وی دیکھا تھا۔" دو گھونٹ لے کر گلاس واپس رکھ دیا۔

گل نظریں چرا کر رہ گئی۔ "نہیں......"

"تم نے ٹی وی لگا لیا تھا...... سچ بتاؤ......"

گل گڑبڑا گئی۔ "مجھے تم پر اعتبار ہے بختیار...... تم پر...... تمہارے وعدے پر......"

گل کو ناپسندیدگی سے دیکھ کر کشن سر کے نیچے رکھ کر صوفے پر دراز ہو گئے۔

"میں سو جاؤں تو مجھے جگانا مت......"

گھر میں اخبار آنا بند ہو چکا تھا۔ لیکن ایک بار رات گئے، اس نے بختیار کو سارے اخبارات اور میگزین صوفے پر پھیلائے غور سے پڑھتے ہوئے دیکھا تھا۔

"باپ ہے، بیٹی کے لیے فکر مند ہے۔" گل کو بختیار پر پیار آیا تھا۔ اس کے دل کو اطمینان نصیب ہوا۔

☆☆☆

بختیار کے شو کے بعد، پاکستان قونصلیٹ نے ایک پریس ریلیز جاری کی تھی کہ مشعل کے سلسلے میں ہر طرح کی کارروائی کے لیے وہ پورا تعاون کرنے کے لیے تیار ہیں۔ قونصلیٹ نے زور دے کر واضح کیا تھا کہ پاکستان کا قانون زبردستی شادی کی ہرگز اجازت نہیں دیتا۔ نہ قانون ایسی کوئی گنجائش رکھتا ہے۔ آنر کلنگ کے واقعات پر پاکستان کے قانونی ادارے پورا ایکشن لیتے ہیں۔ قانونی ادارے اور عوام الناس، غیرت کے نام پر قتل کی مکمل طور پر مذمت کرتے ہیں۔

دنیا کی ساری تیزی کے باوجود کچھ واقعات کی زندگی نہیں بدلتی۔ وہ اپنے جمود پر قائم رہتے ہیں۔ ہر طرف مشعل پر برپا شور کے باوجود، کسی تبدیلی، کسی نکتے کی پکڑ نہیں ہوئی۔ بختیار کے خلاف نفرت بہت بڑھ چکی تھی۔ پولیس پر عوام کی طرف سے دباؤ بہت بڑھ چکا تھا۔ لاء این فورس منٹ نے مداخلت کی، اور بختیار کو قتل کے الزام میں گرفتار کرلیا تھا۔ وہ ان سے تفتیش کررہے تھے۔ لیکن جلد ہی انہیں چھوڑنا پڑا۔ جب تک زندہ یا مردہ، کسی حالت میں مشعل نہیں ملتی تھی، کسی پر کوئی جرم ثابت نہیں ہوسکتا تھا۔ اسی لیے قتل کرنے کے بعد ڈیڈ باڈی جلادی جاتی ہے، چھپا دی جاتی ہے، کاٹ کر دریا میں بہادی جاتی ہے۔ کہ نہ لاش ملے گی، نہ گرفتاری ہوگی، نہ کوئی مقدمہ چلے گا۔ امریکا کی زمین پر ایسے کئی قتل دفن ہیں، جن کے قاتل آزاد گھومتے ہیں۔

لیکن مشعل لاپتا تھی...... غائب تھی...... چھپی ہوئی تھی......

اور وہ زمین کے نیچے چھپی ہوئی نہ ہو، سرچ وارنٹ کے ساتھ گھر کے آس پاس کی کھدائی شروع کردی گئی۔ کچھ رپورٹر اور چینل والے بھی موجود تھے۔ گل نے الماس کو فون کیا تھا۔ اس کی آواز لرز رہی تھی۔ الماس فوراً اجالا کو لے کر گل کے پاس پہنچ گئی تھی۔ مشعل کے بھائی اسکول سے آئے تو حیرت سے یہ سارا منظر دیکھنے لگے۔ ان کی آنکھوں میں تکلیف سمٹ آئی۔

ٹی وی کی اسکرین پر کھدائی ہوتے دیکھنا، کسی کی گمشدگی کی خبر پڑھنا، کسی پر قتل کا شک رکھنا، یہ بڑی الگ چیزیں ہیں۔ اور یہی چیزیں اپنے گھر کے فرد ساتھ ہوتے ہوئے دیکھنا الگ باتیں ہیں۔ اپنے گھر کی زمین، گھر کے ہی فرد کی لاش کے لیے کھودی جائے تو ایک نہیں دو اموات کے لیے تیار رہا جاتا ہے۔

مرنے والے کی موت کے لیے......

مارنے والے کی موت کے لیے......

بار بار اجالا کے ہاتھ سے برتن گرتے رہے۔ وہ ہر تھوڑی دیر بعد کچن کی کرسی پر بیٹھ جاتی تھی۔ الماس بچوں کے لیے کھانا بنا رہی تھی۔ اس کے ہونٹ بھینچے ہوئے تھے۔ کھڑکیوں پر بلائنڈر کھنچے ہوئے تھے۔ بختیار سینے پر ہاتھ باندھے کھڑکی میں کھڑے باہر دیکھ رہے تھے۔ ان کے چہرے کی طرف دیکھتے ہوئے خوف آتا تھا۔

"ان لوگوں کو یقین کیوں نہیں آتا کہ بختیار نے کچھ نہیں کیا...... یہ سب......" گل بار بار ایک ہی بات کہہ رہی تھیں۔

"اخبار والوں نے شور مچایا ہوا ہے گل! اب یہ بات ایسے نہیں تھمے گی۔"

"یہ میری بیٹی کی بے حرمتی کررہے ہیں۔ انہیں کوئی روک دو الماس! میں یہ تکلیف نہیں سہہ سکتی۔"

"اچھا ہے کرلیں تسلی...... دیکھنا کچھ بھی ہاتھ نہیں آئے گا۔" الماس نے انہیں تسلی دی۔

اجالا روٹی بنا کر ہاٹ پاٹ میں رکھ رہی تھی۔ وہ جانتی تھی کہ دونوں بچوں کے علاوہ کوئی کھانا نہیں کھائے گا، لیکن پھر بھی وہ سب کے لیے روٹی بنا رہی تھی۔ جب سے مشعل لاپتا ہوئی تھی، وہ اپنا کھانا زہر مار کرتی تھی تو گل کیسے پورا کھانا لیتی ہوں گی۔ ان کے گاؤں کا کملا گم ہوگیا تھا، کوئی کہتا تھا نہر میں ڈوب گیا، کوئی کہتا شہر چلا گیا، کوئی کہتا اٹھائی گیرا اسے اٹھا کر لے گئے، اب اسے فقیروں کو بیچ دیں گے۔ گاؤں کی عورتوں کو تندور گرم کرتے شرم آتی تھی

۔لیکن دنیا کا نظام ہی تو نہیں رکتا۔
اسی نظام میں مشعل کے گھر کی تلاش جاری تھی......

☆☆☆

شکاگو پر بہار آچکی تھی۔ ان کی گاڑی کے آگے چلنے والا منی ٹرک خوش رنگ پھولوں کے گملوں سے بھرا ہوا تھا۔ کوئی اپنے گھر کے لیے بہار خرید کر لے جا رہا تھا۔ اب وہ اپنا لان سجائے گا۔ ویک اینڈ پر فیملی لنچ کے لیے میز کو ان پھولوں کے قریب سجائے گا۔ خوش کن دھنیں سنی جائیں گی۔ تصویریں بنائی جائیں گی۔ بہار کی دلہنیں گلدستے اچھالنے کے لیے تیار ہو جائیں گی۔ اس پھولوں بھرے ٹرک کو دیکھ کر اجالا کے اندر سے ایک ہوک نکلی۔ جیسے دنیا پر آئی بہار نے اجالا کو چھوڑ کر باقی سب پر اپنا آپ ظاہر کر دیا ہو۔

ایک نقطہ جو حرف ہونے سے رہ گیا......
ایک قطرہ جسے بحر نصیب نہ ہوا......
صرف اسے ہی لائق خزاں سمجھا گیا......

وہ کچن کی میز پر اپنا سر رکھ کر بیٹھی ہوئی تھی۔ آنٹی اپنے کمرے سے باتھ گاؤن میں ٹھسی ہوئی نکلیں۔
''آ گئیں تم......اتنی دیر تک کہاں تھیں......''
وہ سر گرائے پڑی رہی......
''کیا پکایا ہے......لاؤ کھانا دو مجھے......''
صوفے پر گر کر وہ اپنی موٹی کھال پر لوشن رگڑنے لگیں۔ اسے آنٹی کے ہاتھوں کی حرکت سے پیدا ہونے والی آواز سے نفرت ہوئی۔ اس نے سر اٹھایا۔ بال سمیٹے۔ میز پر رکھی پانی کی بوتل کو منہ سے لگا کر چند گھونٹ بھرے۔ آنٹی کے گیلے بال، تولیے میں لپٹے کون کی شکل میں سر پر جمے ہوئے تھے۔ اجالا کو وہ جادوگرنی لگی۔ اس عورت کی کوئی بھی ادا اچھی نہیں تھی۔ یہ بیٹھی، کھڑی، بولتی، کسی حالت میں اچھی نہیں لگتی تھی۔ وہ بےزاری سے اٹھ کر کھڑی ہوئی۔ قریب رکھا اپنا کینوس بیگ اٹھا کر اسے اپنے ساتھ کمرے میں لے جانا چاہا، پھر وہیں پڑا رہنے دیا۔ ہر شے کی ترتیب ضروری ہے؟ اتنی بے ترتیب دنیا میں دھلے ہوئے برتن، وقت پر پکا ہوا کھانا، یہ کیوں ضروری ہیں؟
''آپ اپنے لیے کچھ بنا لیں، میری طبیعت ٹھیک نہیں ہے، میں آرام کرنے جا رہی ہوں۔''
''میں آرام کرنے جا رہی ہوں......'' آنٹی نے سفاکی سے اس کی نقل اتاری۔
''کیوں مر رہی ہو اس منحوس کے لیے......کیا لگتی ہے وہ تمہاری......جب دیکھو الو کی طرح شکل لٹکا کر رکھتی ہو۔ ماں تھی تمہاری......ہماری طرف سے جیے یا مرے......آج گھر کی کھدائی ہوئی ہے کل اسٹور کی ہو گی، کہیں نہ کہیں سے لاش مل جائے گی، پھر اپنا سوگ ختم کرو گی۔ جا کر بین ڈال لینا اس کی لاش پر۔''
اسے ایسا لگا اس کے سر پر لاوا انڈیل دیا ہو۔
''آپ مریں یا جئیں مجھے اس سے فرق نہیں پڑے گا، باقی سب سے مجھے فرق پڑتا ہے۔ اس کی لاش پر بین ڈالنے کی نوبت نہیں آئے گی لیکن آپ کی لاش پر ایسا کرنے کی نوبت جلدی آ جائے گی۔ کل جائیں گی نا ڈیوٹی پر، وہاں ایک وزنی کرین آ کر آپ کے اوپر گرے گی۔ آپ کی کمر کا چورا بنا دے گی۔ پھر ساری زندگی بستر پر مری ہوئی مچھلی کی طرح گزاریں گی۔ ہو سکتا ہے مر بھی جائیں......لیکن اچھا ہے ایڑیاں رگڑیں......پھر میری محتاج ہو جائیں گی، میرا دل چاہے گا تو منہ میں پانی ٹپکا دوں گی، ورنہ پیاسا پڑا رہنے دوں گی۔''
اس نے مکمل سنجیدگی اور سفاکی سے کہا تھا۔ آنٹی دنگ اس کی شکل دیکھتی رہ گئیں۔ انہیں اس سے ہر چیز کی توقع تھی لیکن ایسی بات کی نہیں۔
''کھانا کھانا کھانا......ایک دن نہیں کھائیں گی تو مر جائیں گی۔ یہ جو آپ شور مچا کر رکھتی ہیں نا ایک ایک نوالے کے لیے ترساؤں گی۔ مجھے کام کی مشین سمجھا ہے۔ مجھے تکلیف نہیں ہوتی۔ میں کسی جذباتی بحران سے نہیں گزر سکتی۔ مجھ پر آرام حرام ہے۔ میری ناک میں نکیل ڈال کر مجھے باندی بنا کر لائی ہیں جو ہاتھ باندھ کر آپ کی خدمت کے لیے حاضر رہوں گی؟''

آئی چپ اس کی شکل دیکھ رہی تھیں۔

سارہ بیرونی دروازے سے اندر آ چکی تھی۔ وہ لکڑی کے بینچ پر بیٹھی خاموشی سے شوز اتار رہی تھی۔ اس کی موجودگی کا احساس کر کے اجالا چپ کر گئی۔ کچھ بھی تھا وہ اس کی ماں تھی۔ سارہ کچن میں جا کر پانی پینے لگی۔ اس نے محسوس کیا کہ شاید اسے اجالا کے انداز سے تکلیف پہنچی ہے۔ برے سے برائی کی توقع عام بات ہے۔ اچھے سے اچھائی کے ساتھ کچھ اور دیکھا نہیں جاتا۔

وہ سارہ کے کمرے میں چلی گی تو اسے پیچھے سے سارہ کی آواز سنائی دی تھی۔

"آپ کو نوڈلز بنا دوں؟ یا پھر باہر سے کچھ لا دوں......"

اسے آنٹی کی کوئی آواز سنائی نہیں دی۔ کچھ دیر بعد کچن سے برتن پٹخنے کی آوازیں آنے لگیں۔ انہیں سارہ پر بھی غصہ تھا۔ اگر وہ ماں کا ساتھ دیتی تو اجالا کو روشن بنا دینا آسان ہوتا۔ وہ تھر تھر کانپتی۔ لیکن سارہ اور عینی کی سپورٹ نے اسے شیر کر دیا تھا۔ سارہ کمرے میں نہیں آئی تھی۔ وہ سمجھ گئی کہ وہ اسے سنبھلنے کے لیے وقت دے رہی ہے۔

"جب انسان وقت پر نہ بولے تو پھر بے وقت بولنے سے کوئی فرق نہیں پڑتا اجالا!"

کچھ دیر بعد سارہ کمرے میں آئی تو نرمی سے کہا۔

"تمہیں برا لگا میرا بولنا؟"

"برا یہ لگ رہا ہے کہ تم بھی میری ماں کی طرح بدمزاج اور بدزبان ہوتی جا رہی ہو۔ جب انسان عملی قدم نہ اٹھا سکے تو پھر صرف زبان ہلا لینے پر مطمئن ہو جاتا ہے۔ تم اور کچھ نہیں کر سکتیں تو جواب ہی دینے لگیں۔ پھر دوبدو لڑو گی، پھر گھر میں چیخ چیخ ہو گی۔ لیکن مسئلہ یہ ہے کہ اس سے بھی تمہارے مسائل حل نہیں ہوں گے۔ تمہاری زندگی میں تبدیلی نہیں آئے گی، بس تمہاری فرسٹریشن باہر آئے گی۔ جو جتنی باہر آئے گی اتنی ہی بڑھے گی۔"

"میں بدزبان ہو چکی ہوں؟"

"پہلے تم بے زبان تھی، اب بدزبان ہو جاؤ گی...... تمہاری دونوں چوائسس خراب ہیں۔"

باہر سے جھینگر کی آواز آ رہی تھی۔ شاید اسی جھینگر کی جس رات وہ پہلی بار امریکا آ کر اس کمرے کی کھڑکی کے پاس لیٹی تھی۔ کچھ بھی نہیں بدلا تھا لیکن وہ کتنا بدل گئی تھی۔

☆☆☆

کھدائی اگلے دن بھی ہوئی۔ انہوں نے روش کی سلیں تک اکھاڑ ڈالیں۔ کتے سونگھتے پھرتے تھے۔ ہاتھوں میں گلوز پہنے وہ کھدائی کا معائنہ کرتے تھے۔ "کرائم سین" کی پیلی پٹیاں ہوا سے لہراتی رہیں۔ اس جگہ کی ویڈیو بنتی رہی۔ تصویریں کھینچی جاتی رہیں۔ گھر کے اندر اجالا اور الماس اپنا سانس گھٹتا محسوس کرتی رہیں۔ باہر والے اس کوشش میں تھے کہ انہیں کچھ مل جائے۔ اندر تین عورتوں کے دل پل پل یہ دعا کر رہے تھے کہ انہیں کچھ نہ ملے۔ اس زمین کیا، پورے امریکا، پوری دنیا میں کی زمین سے مشعل نہ ملے۔

تلاش کا کام مکمل ہو گیا۔ پولیس کو سخت مایوسی ہوئی تھی، ان کے ہاتھ کچھ نہیں آیا تھا۔

ہر طرف ویسا ہی ہنگامہ رہا جیسے پہلے تھا۔

☆☆☆

لیکن پھر ایک دن، مشعل کی گمشدگی کے چار ماہ ایک ہفتے بعد پولیس کو ڈاک سے ایک لفافہ ملا۔ یہ لفافہ پیرس سے بھیجا گیا تھا، اس پر پیرس پوسٹ آفس کی اسٹیمپ بھی تھیں۔ دن اور تاریخ بھی دکھائی دے رہی تھی، جس کے مطابق یہ لفافہ آٹھ دن پہلے پوسٹ کروایا گیا ہے۔ اس پر بھیجنے والے کا جو ایڈریس لکھا تھا وہ غلط تھا۔ لیکن اندر جو تصویر تھی وہ ٹھیک تھی۔

وہ مشعل کی تصویر......

مسکراتی ہوئی مشعل کی تصویر۔

(باقی آئندہ ماہ ان شاء اللہ)

☆☆

نادیہ جہانگیر

احساس

''روزے دارو اللہ نبی کے پیارو۔ جلدی جلدی کھا پی لو سحری کا وقت ختم ہونے میں صرف بیس منٹ باقی ہیں۔''

سحری کا وقت تھا۔ مسجدوں سے جگائے جانے کے اعلان کیے جا رہے تھے۔ اسی آواز پہ حماد کی آنکھ کھلی مگر اسے اعلان سمجھ میں نہیں آیا تھا۔ خصوصاً وقت جب ہی اس نے اندھیرے میں ہی پاس سوئی عائشہ کو آہستہ سے پکارا تھا۔

''عائشہ، اٹھو یار...... سحری کی تیاری کرو۔'' حماد خود غنودگی میں تھا۔ جمائی لیتا عائشہ کو پکارتا خود کروٹ لینے ہی لگا تھا کہ پھر سے مسجد سے آواز آنے لگی تھی۔

''روزے دارو...... روزے کا وقت ختم ہونے میں صرف اٹھارہ منٹ باقی ہیں جلدی جلدی روزہ کی نیت کر لو۔'' وہ چونک کر سیدھا ہوا تھا۔ ہاتھ بڑھا کر اس نے فون اٹھا کر ٹائم دیکھا اور جھٹکے سے اٹھ بیٹھا۔ عائشہ کو کچھ ہوش نہیں تھا۔

''اٹھو عائشہ، اذان ہونے والی ہے۔'' اس نے جھنجوڑ کر عائشہ کو اٹھایا تو وہ ہڑبڑا کر سیدھی ہوئی۔

''اور کتنا سونا ہے؟ صرف سولہ سترہ منٹ رہ گئے ہیں سحری کا وقت ختم ہونے میں۔'' اس نے ترشی سے کہتے ہوئے اس کے اوپر سے کمبل کھینچا تو، وقت کا سنتے ہی عائشہ کو جھٹکا سا لگا۔

''کیا؟''

''اب بحث کرنے مت لگ جانا۔ اٹھو جلدی سے، روزہ بند ہو جائے گا۔''

عائشہ بنا بولے تیزی سے اٹھتے ہوئے دوپٹہ کھینچتی پیروں میں چپل اڑستی واش روم میں گھسی تو حماد غصے سے سر جھٹکتا اٹھ کھڑا ہوا تب ہی عائشہ صرف پانی کے چھینٹے منہ پہ مارتی باہر نکلی تھی۔ حماد نے گھور کر اسے دیکھا۔

''دس پندرہ منٹ میں کیا کرو گی تم۔''

عائشہ بنا بولے سر ہلاتی باہر کی طرف بھاگ کھڑی ہوئی۔ حماد کا غصے سے برا حال تھا۔

''بے حد لاپرواہ عورت ہے یہ کم بخت...... ایسا بھی کیا گدھے گھوڑے بیچ کر سونا۔'' وہ بڑبڑاتا واش روم میں گھس گیا۔

عائشہ نے کچن میں گھستے ہی تیزی سے چائے کی کیتلی چولہے پہ رکھتے ہوئے اس میں پانی دودھ چینی سب ایک ساتھ ڈالے۔ فریج سے آٹے کے ساتھ ہی سالن بھی نکال لیا اور تیزی سے دوسرا چولہا آن کر کے اس پہ سالن گرم رکھ دیا۔ دہی کا خیال آیا تو بھاگ کر فریج سے نکالتے ہوئے میز پہ باؤل رکھا۔ ساتھ نمک اور شکر رکھ دی کہ حماد اس میں جو ڈالنا چاہے ڈال لے۔ اسی وقت حماد عجلت میں اندر داخل ہوا تھا۔

''روٹی بن گئی؟'' اس نے آتے پوچھا تو وہ سالن اتار کر چولہے پہ توا سیدھا کرنے لگی۔

''بس بنانے لگی ہوں۔''

''بہت سست عورت ہو تم...... چینی دو ادھر۔''

کرسی کھینچ کر بیٹھتے ہوئے حماد نے اسے سنایا تو وہ میز ہی پہ پڑی چینی اٹھا کر اسے پکڑاتی روٹی بیلنے لگی۔

''اب یہ دہی میں اپنے منہ میں ڈالوں کیا؟''

عائشہ نے چونک کر ٹیبل کی طرف دیکھا جس پہ

وہ پیالی اور چمچ رکھنا بھول گئی تھی۔ تیزی سے روٹی توے پر ڈال کر اس نے پیالی اور چمچ حماد کے سامنے رکھی۔ اسی وقت چولہے پہ پڑی چائے ابل پڑی۔

"او نالائق عورت...... کہاں دھیان ہے تمہارا دیکھو چولہے کا کیا حال کر دیا تم نے...... ابھی پچھلے ہفتے ہی تو ٹھیک کروایا تھا۔ اب مجھ سے کوئی امید مت رکھنا کہ اسے میں جلدی ٹھیک کرواؤں گا۔ عقل نام کی کوئی چیز نہیں۔"

عائشہ چپ چاپ اس کی باتیں سنتی جلدی جلدی روٹی پکا کر سالن نکالتی اس کے سامنے رکھتی اس کے لیے چائے کپ میں نکالنے لگی۔

"وہی رات کا جلا ہوا سالن۔ کہا بھی تھا اٹھ کے تازہ بنانا۔ مگر تمہیں خراٹے مارنے سے فرصت ملے تو تم کوئی کام ڈھنگ سے کرو نا۔"



جلے کٹے انداز سے کہتا حماد غصے سے نوالے جیسے زہر مار کرنے لگا تھا۔ اس کی چائے اس کے سامنے رکھ کر وہ اپنے چائے کا کپ نکالتی اس کے برابر بیٹھی تو وہ پھر سے بول پڑا۔

"میرے لیے فریش جوس تو تم نے نہیں بنایا ہو گا نا؟؟"

"ابھی ٹائم نہیں حماد، آپ جوس افطاری میں لے لیجیے گا۔" اس نے رسانیت سے کہا تو وہ سیخ پا ہو گیا۔

"ہاں تو جو دن کو حالت ہوتی ہے وہ تم تو چاہتی ہی ہو میں سارا دن نڈھال رہوں۔ یہیں کہیں گرا پڑا رہوں۔" وہ ابھی غصے سے بول ہی رہا تھا کہ روزہ بند ہونے کا سائرن بج اٹھا۔ عائشہ کی چائے ویسی کی ویسی پڑی رہ گئی۔ وہ ایک گھونٹ تک نہ لے سکی تھی۔

حماد نے جلدی سے اپنا دہی ختم کر کے دعا کو ہاتھ اٹھا لیے تو عائشہ، کچھ بھی کھائے بغیر صرف پانی کا گھونٹ لیتی اس کی تقلید کرتی دعا پڑھنے لگی۔

"آج پھر تمہاری وجہ سے مجھ سے کچھ بھی ٹھیک سے کھایا پیا نہیں گیا۔" اٹھتے ہوئے اس نے کھا جانے والی نظروں سے اسے دیکھتے ہوئے شکوہ بھی کر دیا۔ وہ بنا کچھ بولے اٹھ کر برتن سمیٹنے لگی۔

☆☆☆

"عائشہ، بات سنو...... میں کچھ دیر سو رہا ہوں۔ وقت پہ جگا دینا اور میرے کپڑے ابھی استری کر دو۔ یہ نہ ہو بچوں کو اسکول بھیجنے کے چکر میں مجھے لیٹ کروا دو۔ میرے بوٹ بھی چیک کر لینا اور ساتھ جرابیں نئی رکھنا۔ اور ہاں یاد آیا میری نیلی شرٹ کا اوپری بٹن ٹوٹا ہوا ہے ابھی سے لگا دینا۔ نیلا بیلٹ اگر سامنے ہو تو وہی نکالنا۔ پرانا مت رکھنا ضروری میٹنگ ہے میری۔"

نماز پڑھ کر ابھی اس نے دعا کے لیے ہاتھ اٹھائے ہی تھے کہ حماد مسجد سے نماز پڑھ کر۔ آ گیا۔

وہ تو بستر میں گھس گیا اور وہ دعا مکمل کر کے مصلا سمیٹتی سیدھی کپڑوں کی الماری کی طرف آئی اور حماد کی ہدایت کے مطابق کپڑے نکال کر اس کے ساتھ چیزیں میچ کرنے لگی۔ حماد کی بتائی ہوئی شرٹ کا بٹن واقعی ٹوٹا ہوا تھا۔ وہ سوئی دھاگا ڈھونڈنے لگی جو مل کر نہ دیا۔ ابھی پرسوں ہی اس نے کہیں رکھے تھے۔ وہ پریشانی سے دائیں بائیں ہاتھ مارتی درازیں کھنگالنے لگی تو حماد غصے سے چلا اٹھا۔

"کیا مصیبت ہے۔ مجھے سونے دو گی یا یونہی شور مچاؤ گی؟" وہ بنا سوئی دھاگا لیے باہر نکل گئی کہ اسے یاد آیا پرسوں اس نے جلدی میں کچن ہی میں یہ چیزیں رکھ دی تھیں۔ حماد کے ان کاموں سے فارغ ہو کر وہ جلدی سے بچوں کے لیے ناشتہ بنانے لگی۔ ساتھ ان کے ٹفن لازمی تھے۔ وہ بنانے میں اسے دیر ہو گئی کہ سوئی دھاگے کی تلاش نے اس کا آدھا کام خراب کر دیا تھا۔

"عالیان، شایان، ثانی جلدی سے باہر آجاؤ بیٹا، ناشتا کر لو۔ وین آجائے گی۔" جلدی جلدی ناشتہ ڈائننگ پہ رکھتی وہ بچوں کو آواز دیتی ان کے ٹفن بند کرنے لگی۔ تب ہی حماد اندر آ گیا۔

"تم یہاں کھڑی کیا کر رہی ہو۔ جاؤ دیکھو اندر جا کے بچوں نے کیا اودھم مچا رکھا ہے۔ ذرا انہیں سمجھ ہو کہ اسکول کا ٹائم ہو رہا ہے...... اور تمہیں بھی ذرا خیال نہیں کہ ان کی وین آجائے گی۔ پھر یہ ناشتہ کیا کوے بلیاں آ کے کریں گے......؟"

"مم...... میں انہیں بلا تو رہی ہوں۔" وہ بوکھلا کر بچوں کے کمرے کی طرف بھاگی۔

"ہاں، جمائیاں لیتے ہوئے۔ ساری رات خراٹے مارتے گزاری ہے۔ کیا اب بھی سونے کی کسر ہے کوئی؟" وہ غصے سے بولا تھا۔ وہ چپ چاپ بچوں کو بلا کر لے آئی۔ بچوں کو دیکھتے ہی حماد کو تپ چڑھی۔ "روشان کے تسمے میرے باپ نے بند کرنے ہیں آ کے...... اور دیکھو۔ دیکھو یہ رمل کے بوٹ کس

قدر گندے ہو رہے ہیں۔ تم رات انہیں پالش نہیں کر سکتی تھیں نالائق عورت۔"

"وہ رات ٹائم ہی نہیں ملا......"

"یہ کہو سونے سے فرصت ہی نہیں ملی......اور اب جاؤ میرا بلو کوٹ نکالو۔ ٹائی بھی پتا نہیں کہاں پھینک رکھی ہے تم نے......مجال ہے کوئی چیز بھی سنبھال کے رکھی ہو تم نے۔" حماد کا غصہ ناک پہ دھرا۔

عائشہ بچوں کو چھوڑ کر جلدی سے اندر گئی اور اس کی مطلوبہ چیزیں ڈھونڈ کر اس کے حوالے کیں۔ بچے اور حماد گھر سے نکلے تو وہ بچوں کے کمرے کا پھیلاوا سمیٹنے لگی۔ بجلی سحری کے بعد کی گئی ابھی تک نہ آئی تھی۔ آج موسم بھی خاصا گرم تھا۔

پنکھا بند ہونے کی وجہ سے اندر بہت گرمی تھی۔ حبس سے اس کا حال برا ہونے لگا۔ بمشکل بچوں کی چیزیں سمیٹ کر وہ لاؤنج کی صفائی کرنے لگی تو اسے پیاس کا شدت سے احساس ہونے لگا۔ اسے یاد آیا سحری میں اس نے پانی پیا ہی نہیں تھا۔ حماد کے غصے کے سامنے وہ بمشکل چائے کے دو گھونٹ لے سکی تھی۔

اب گھر کا پھیلاوا سمیٹنا اس کے بس سے باہر ہو رہا تھا۔ لیکن یہ کام بھی لازمی تھا کہ حماد کو گند دیکھ کر تاؤ چڑھ جاتا تھا۔ دن ڈھلے سارا کام مکمل ہوا جو اس نے بہت مشکلوں سے کیا تھا۔ اس کا دل یہی چاہ رہا تھا کہ وہ تھوڑی دیر لیٹ کر کمر سیدھی کر لے مگر بچوں کی چھٹی ہونے والی تھی۔ ان کے کھانے پینے کے لیے اس نے ابھی کچھ بھی نہیں کیا تھا۔

کچن میں گئی تو آلو مٹر کا سالن بنانے میں اسے خاصا ٹائم لگ گیا۔ بچے آلو مٹر دیکھ کر بھی ناراض کہ گوشت کیوں نہیں بنایا۔ مجبوراً وہ ان کے لیے چاول بنانے لگی۔ لائٹ نہ ہونے کی وجہ سے اسے روزہ بھی بہت لگ رہا تھا۔ پیاس اور بھوک کا شدت سے احساس ہو رہا تھا۔ بچوں کو ٹیوشن کے لیے بھیج کر وہ افطاری کی تیاری میں لگ گئی۔ ابھی پالک والے پکوڑوں کے لیے مسالہ تیار کر رہی تھی، جب حماد کی واپسی ہوئی۔

"میرے لیے فروٹ چاٹ بنانا......پھر نہ آلو چھولے ابالنے بیٹھ جانا۔"

"جی ......آپ مجھے فریج سے فروٹ نکال دیں۔" حماد کی فرمائش پہ اس نے سر ہلا کر کہا ہی تھا جب وہ اندر کی گرمی سے گھبرا کر باہر نکلنے لگا۔

"یہاں بہت گرمی ہے۔ جو کرنا ہے خود کرو۔ مجھ سے نہیں ہوتے یہ کام۔"

"گرمی تو مجھے بھی لگ رہی ہے حماد۔ مجھے چکر بھی آرہے ہیں۔" وہ کہے بغیر نہ رہ سکی تو وہ گھور کر اسے دیکھنے لگا۔

"تو تمہارا کیا ارادہ ہے۔ سب کام چھوڑ چھاڑ کر بیٹھ جاؤ اور افطاری بھی سحری کی طرح نہ ہونے کے برابر کروں میں۔" حماد کے غصہ ہونے پہ وہ اسے دیکھ کر رہ گئی۔

"جلدی سے ہاتھ چلاؤ۔ افطاری کا وقت قریب ہے۔ میں کوئی بہانا نہ سنوں گا۔ سمجھیں۔"

وہ کہتے ہوئے ابھی باہر نکلنے ہی لگا تھا، جب اسے پیچھے سے دھڑام کی آواز آئی تھی۔ اس نے مڑ کر پیچھے دیکھا۔ عائشہ نیچے گری تھی اور پکوڑوں کا آمیزہ اس کے اوپر تھا۔

"عائشہ......!"

عائشہ بے ہوش ہو چکی تھی۔ حماد کا سانس رک گیا۔

☆☆☆

ڈاکٹر آیا۔ چیک اپ کیا تو بتایا بی پی بہت لو ہو گیا ہے۔ اس لیے وہ بے ہوش ہو گئی ہے۔ حماد کو یاد آیا سحری ٹائم اس نے کچھ بھی نہ کھایا پیا تھا۔ اس کے بعد وہ سارا دن کاموں میں لگی رہی۔ ایک تو گرمی اوپر سے بجلی بند۔

وہ بے ہوش نہ ہوتی تو کیا کرتی۔ مجبور سے افطاری کرتے ہوئے حماد کو شدت سے احساس ہو رہا تھا کہ اس نے عائشہ کو کبھی پیٹ بھر کے کھاتے نہیں

دیکھا تھا۔ وہ ہر وقت اس کے آگے پیچھے رہتی اسے اور بچوں کے کھلانے پلانے کا بندوبست کرتی رہتی۔ خود کیا کھاتی کیا نہ کھاتی حماد نے کبھی اس پہ غور ہی نہ کیا تھا۔ اس کا پیلا زرد چہرہ بھی اسے کبھی اپنی طرف متوجہ نہیں کر سکا تھا۔

آج اس کی ایسی حالت پہ اسے سب یاد آ رہا تھا۔ بچوں نے جب رات کھانے کا شور مچایا تو اس سے گرمی میں کچن میں جانا ایسے ہی لگ رہا تھا جیسے گرم توے پہ بیٹھنا ہو۔ اس نے بمشکل بچوں کو دن والے سالن پہ راضی کر کے قریبی ہوٹل سے روٹیاں منگوا کے کھانا کھلایا۔ رہ رہ کر اسے احساس ہو رہا تھا کہ اس تپتے موسم میں عائشہ کیسے اس کچن میں کھڑی ہو کر سارا سارا دن کھانے پینے کا سامان کرتی ہو گی، اوپر سے اس کی اور بچوں کی فرمائشیں۔ اور آج تک وہ اس کے سامنے اف تک نہ کر پائی۔ خفت و شرمندگی سے اس کا حال برا ہوئے جا رہا تھا —— جب وہ ہوش میں آئی تو شرمندگی کے مارے اس سے بولنا ہی محال ہو گیا تھا۔

”آئم سوری...... میں نے تمہیں لوہے کا سمجھ لیا تھا۔ احساس ہی نہیں تھا تم بھی جیتا جاگتا سانس لیتا وجود ہو۔ تمہیں بھی دھوپ گرمی لگتی ہے۔ تمہیں بھی آرام و سکون چاہیے۔ میں بھول گیا تھا تم بھی انسان ہو۔“

عائشہ نے ڈبڈبائی آنکھوں سے اسے دیکھا تو اس نے اس کا ہاتھ تھام لیا۔

”مجھے معاف کر دو۔ مجھے احساس ہو گیا ہے۔ تمہارے بغیر نہ تو میرا یہ گھر چل سکتا ہے اور نہ میں۔“ عائشہ بے یقینی سے اسے دیکھ رہی تھی۔ اسے اپنے کانوں، آنکھوں پہ یقین ہی نہیں آ رہا تھا کہ وہ کیا دیکھ اور سن رہی ہے۔

”آج تم آرام کرنا۔ سحری میں خود بنا لوں گا۔ اور آئندہ تم کوئی کام اکیلے نہیں کرو گی۔ میں گھر کے ہر کام میں تمہارا ساتھ دوں گا۔“ حماد نے بہت محبت سے اسے کہا تو اس کی آنکھوں سے آنسو بہہ نکلے۔

”اوں ہوں ...... ایسے نہیں اب تمہارے رونے کے دن ختم۔ اچھا یہ جوس پی کے بتاؤ کیسا بنایا ہے؟“

وہ اس کے آنسو صاف کرتا اسے جوس پلانے لگا جو کچھ دیر پہلے اس نے اپنے ہاتھوں سے بنایا تھا۔ عائشہ ابھی بھی اس کا یا پلٹ پہ حیران تھی مگر اس کے لیے یہی کافی تھا کہ حماد کو اس کا احساس ہو گیا تھا...... اور وہ اب اسے قدر کی نگاہ سے دیکھ رہا تھا۔

عقیلہ ہاشمی

حیدرآبادی پلاؤ

"کیا ہوا منہ پر بارہ کیوں بج رہے ہیں۔"

اس نے کمرے میں قدم رکھا تو اس کا اترا ہوا چہرہ دیکھ کر وہ قریب چلا آیا۔

"بھئی ہماری بیگم کے چاند سے چہرے پر بارہ بجے کا یہ خوف ناک سائن ہمیں بالکل بھی اچھا نہیں لگتا۔ تم تو بس ہنستی مسکراتی رہا کرو۔"

وہ کچن سے سارے کام سمیٹ کر آرہی تھی تھکاوٹ سے بدن چور چور ہو رہا تھا۔ اس کی بے وقت کی بات دل پر ٹھاہ کر کے لگی تھی۔ بے مروت کمرے میں آکر کیسے گرگٹ کی طرح رنگ بدل گیا تھا۔ اس کا جی چاہا کہہ دے ظلم کی چکی میں پس کر چہرے پر تھکاوٹ اور سنجیدگی کے علاوہ کچھ اور تو چھانے سے رہا لیکن بڑے ضبط سے صرف اسے گھور کر رہ گئی۔

"کیا بات ہے نجر! بہت غصہ آرہا ہے۔ بھئی تم ایسا کرو، اب کمرے میں جی بھر کر مجھے کوسنے دو...... برا بھلا کہہ لو لیکن پلیز، اپنے چہرے پر رکی سوئی بارہ سے تھوڑی آگے لے جاؤ...... نہیں تو تمہارا عاشر ان تیروں سے گھائل ہو جائے گا۔"

وہ جانتا تھا کام کرنے سے وہ اتنی دکھی نہیں ہوتی جتنی، ڈائننگ ٹیبل پر ہونے والی باتوں سے افسردہ ہوتی ہے۔ تب ہی تو اسے بانہوں کے گھیرے میں لے کر مزاح کے جھونکوں سے طبیعت شاد کرنا چاہتا تھا۔

امی ابو نے بھی تو آج حد کر دی تھی، بات جب تک گھر کے اندر چھوٹی چھوٹی نکتہ چینیوں تک تھی تو ٹھیک تھی لیکن کسی آئے گئے کے سامنے تو ایسا نہیں ہونا چاہیے۔ سب کے سامنے تو وہ کچھ نہ کہہ سکا تھا، اب کمرے میں آئی تھی تو اس کی دل جوئی کو آگے بڑھا تھا۔

"عاشر پلیز...... مجھے اکیلا چھوڑ دیں۔"



اس کی بے وقت کی ہمدردی اسے اب قبول نہ تھی۔ اس نے پوری رکھائی سے اسے اپنے قریب آنے سے روک دیا۔

"میں کچھ دیر کے لیے آپ سے بالکل بات نہیں کرنا چاہتی۔" اس نے رندھے گلے سے بولتے ہوئے اس کے بڑھے ہوئے ہاتھوں کو جھٹک دیا۔ "کیوں بھئی...... کسی اور کا غصہ اب تم مجھ پر تو نہ اتارو۔ میرا تو اس میں کوئی قصور نہیں۔ یا کہو میں نے بھی اس وقت تمہیں کچھ کہا ہو۔"

یہ تو وہ بھی جانتی تھی اس سب میں وہ بے قصور تھا لیکن کیا بس منہ پر تالا لگا کر بیٹھے رہنا، اس کی ذمہ داری تھی۔ وہ اس سے دل میں اٹھنے والے سوال کا جواب چاہتی تھی اور وہ صفائیاں پیش کررہا تھا۔

"میں تو سر جھکا کر تمہارا بدمزا پھیکا کھانا کھارہا تھا۔ ساری باتیں تو ابوامی نے سنائی تھیں ہاں یہ ضرور مانتا ہوں کہ انہیں شائلہ باجی اور زبیر بھائی کے سامنے یہ سب نہیں کہنا چاہیے تھا۔"

اپنی صفائی دیتے ہوئے اس نے اصل پوائنٹ اٹھایا تھا۔ لیکن اب کیا فائدہ سب کے سامنے تو منہ میں گھنگھنیاں ڈالے بیٹھا تھا۔

گھر میں اس کا کردار ہمیشہ ایک نیوٹرل کھلاڑی کا رہتا تھا۔ امی ابو اس کے پھوہڑپن کی جتنی مرضی بے عزتی کرجاتے، وہ سر اٹھا کر کچھ نہ کہتا یوں لاپروائی سے ان کی باتیں سنتا رہتا جیسے اس کا اس سے کوئی تعلق نہ ہو۔ کمرے میں آکر وہ گلہ کرتی تو اسے سنانے کے لیے اس کے منہ میں زبان اتر آتی۔

"دیکھو فجر! تمہیں اب تک میرے ابو کی عادت کا پتا چل جانا چاہیے وہ کھانے کے معاملے میں بالکل کمپرومائز نہیں کرتے، اچھا کھانا ان کی کمزوری ہے۔"

اس کی بات سن کر وہ سوچتی تم بھی تو کچھ بولو عاشر...... میں تمہاری بیوی ہوں۔ مجھے تمہاری تھوڑی سی طرف داری بھی بہت ہے۔

"کاش تم نے بھی کچھ سنایا ہوتا عاشر...... اتنے لوگ مجھے بے عزت کررہے تھے۔ تم بھی اس میں اپنا حصہ ڈال لیتے۔"

وہ گلہ کرتی تو وہ ہنس کر جواب دیتا۔

"کیوں کیا باقی سب کی تعریف سے جی نہیں بھرا جو میں بھی تمہیں داد دینے بیٹھ جاتا۔ چلو اب کمرے میں مجھ سے وہ میڈل لے لو۔"

اس کے میڈل کا اس نے اچار ڈالنا تھا۔ باہر سے ملنے والی پذیرائی سنبھالی نہ جارہی تھی۔

"نہیں کھانا تھا وہ بدذائقہ، پھیکا کھانا...... نہیں کرنا تھا تم نے یہ احسان...... اٹھا کر مار دیتے میرے منہ پر۔"

اس کے سامنے، ضبط کے سارے بندھن ٹوٹ گئے تھے وہ اس پر چلاتی ہوئی واش روم میں گھس گئی تھی۔ وہ چپ چاپ کھڑا اسے دیکھتا رہ گیا۔ جانتا تھا اس کے دل میں ابلتا غبار جب تک آنکھوں کے راستے نکل نہیں جاتا۔ دل کو سکون نہیں ملنے والا تھا۔

☆☆☆

آج گھر میں شائلہ باجی کی دعوت تھی۔

وہ صبح سے کچن میں کام کررہی تھی ساری ڈشز شگفتہ آنٹی (ساس) کے کہنے کے مطابق بنی تھیں۔

"ایسا کرو فجر، مٹن کا قورمہ بنالو اور ساتھ میں حیدرآبادی پلاؤ بنانا۔ تمہارے انکل کو بہت پسند ہے۔ اور میٹھے میں پڈنگ بنالینا، اچھی بنائی ہوا اور دیکھو ساتھ میں رشین سیلڈ ضرور بنانا زبیر کو بہت پسند ہے۔"

وہ صبح ناشتے کے بعد ہی اسے کھانے کی ساری لسٹ تھما گئی تھیں۔ سارا دن کچن میں کھڑے ہو کر اس نے نیٹ سے دیکھ دیکھ کر ساری چیزیں بنانے کی کوشش کی تھی۔ شادی سے پہلے تک تو اسے سوائے چائے بنانے کے اور کچھ نہ آتا تھا لیکن اب وہ کوکنگ پر پوری توجہ دے رہی تھی۔

توقیر انکل (سسر) کی عادت تھی وہ ہر چیز میں کمال مہارت ڈھونڈتے تھے۔ کھانا کھانے بیٹھتے تو وہ وہ نکتے ڈھونڈ کر لاتے کہ اس کے وہم گمان میں بھی وہ باتیں نہ ہوتیں۔

"سالن میں پیاز زیادہ ڈال دی ہے اسی لیے شوربہ میٹھا ہوگیا ہے۔ آج لہسن کو زیادہ بھونا نہیں گیا لہسن کی مہک آرہی ہے...... ٹماٹر زیادہ ڈال دیے ہیں تب ہی تو سالن میں کھٹاس زیادہ ہوگئی ہے۔"

ان کی باتیں سن کر وہ سر پکڑ کر بیٹھ جاتی کسی مرد کو بھلا کھانوں پر بھی اتنی معلومات ہوسکتی تھیں۔ یہ تو خالص عورتوں کا شعبہ تھا۔

جب اس نے کام والی ماسی کی مدد سے سارا کچھ ڈائننگ ٹیبل پر سجادیا، تب پھر اس کی سارے دن کی محنت کا صلہ اسے باتوں کی صورت سننے کو مل گیا۔

"بھئی! یہ مٹن کا سالن کس نے بنایا ہے۔"

پوچھنے کا انداز ہی اس کی جان نکال لے گیا۔

"اتنا آئل؟" شگفتہ آنٹی کا لہجہ شگفتگی سے یکسر خالی سارا کچھ روند کر رکھ دیتا۔ نجر کی طرف دیکھنے سے ہی اس کے چہرے کا رنگ اڑ چکا تھا۔

"انہیں کیا پتا گھر کیسے چلتا ہے...... یہ تو دونوں ہاتھوں سے پیسہ برباد کررہی ہے، لہسن پیاز ٹماٹر یہ ٹھوک کر ہانڈی میں ڈالتی ہے کہ اللہ کی پناہ اور چیک کرو تو ہانڈی پھر بھی بدذائقہ۔"

توقیر انکل کا طنز شگفتہ آنٹی سے بڑھ کر ہوتا۔

"اب دیکھو ذرا۔ حیدرآبادی پلاؤ کو ہی دیکھو۔" وہ سالن سے ہٹ کر چاولوں کی ڈش میں چمچ ہلا کر بولے۔

"اسے کوئی پلاؤ کہہ سکتا ہے۔ چاول ایک دوسرے سے یوں جڑے ہیں گویا عید مل رہے ہو۔"

انکل کی بات پر زبیر بھائی کی ہنسی چھوٹ جانا کوئی بڑی بات نہ تھی۔

"واہ واہ انکل! پلاؤ کو کیا عید سے تشبیہ دی ہے۔"

وہ سسر کو اس بات پر داد دیے بغیر نہ رہ سکے۔

"بھئی برخوردار، کسی زمانے میں ہم ہر سنڈے کو خود کھانا بنایا کرتے تھے، تمہاری آنٹی پورا ہفتہ کام کرتی تھیں تو سنڈے کو ہم کچن سے ان کی چھٹی کردیتے تھے پھر ہم بناتے تھے حیدرآبادی پلاؤ۔ پلاؤ ایسا کہ پورے محلے میں جس کی خوشبو جاتی تھی۔"

توقیر انکل اپنے پلاؤ کی تعریف کرتے اور اس کے بنائے کھانوں کی ساتھ ساتھ انسلٹ۔

"تمہاری آنٹی کی سہیلیاں ان سے حیدرآبادی پلاؤ کی ریسپی پوچھنے آتی تھیں۔ اب دیکھو، ہماری بہو کے پلاؤ میں نہ نمک ہے اور نہ ذائقہ...... ایسا بدذائقہ پلاؤ میں نے تو زندگی میں نہیں کھایا۔"

انکل کی باتیں نہ تھیں زہر سے بھرے وہ تیر تھے جو سیدھے اس کے دل پر لگے تھے۔ گھر میں تو یہ ڈراما روز ہی چلتا تھا۔ انہوں نے تو شائلہ باجی اور زبیر بھائی کے سامنے بھی کوئی لحاظ نہ رکھا تھا۔

وہ سر جھکائے، ڈبڈباتی آنکھوں کے ساتھ ڈائننگ ٹیبل پر بیٹھی سب کی باتیں سنتی رہی۔ دل چاہ رہا تھا اٹھے اور دوڑ کر کسی کمرے میں چھپ جائے جہاں اسے کسی کی کوئی آواز نہ سنائی دے۔

عاشر سر جھکا کر، چپ چاپ یوں بیٹھا تھا جیسے اس کا اس سارے معاملے سے کوئی واسطہ نہ ہو۔

☆☆☆

ساس سسر کی باتوں کو ابھی تک اس نے دل پر نہ لیا تھا۔ عاشر بھی اس سے یہی کہتا تھا کہ کیا ہوا باپ ہیں ایسا کہہ دیتے ہیں تو کوئی بات نہیں برداشت کرنا سیکھو۔

لیکن کل رات، جو اس کے ساتھ ہوا اس کے لیے وہ بالکل بھی تیار نہ تھی بات گھر تک رہتی تو اچھا تھا۔

شائلہ باجی اور زبیر بھائی کے سامنے اس کی جو انسلٹ ہوئی تھی، وہ اسے دل سے نکال نہیں پارہی تھی اور سونے پر سہاگہ انسٹاگرام کھولا تو شائلہ باجی نے اس کے ہاتھ کے بنے حیدرآبادی پلاؤ کی تصویر نمک لگا کر اسٹوری پر چڑھا رکھی تھی، یہی نہیں نیچے ان کی دوستوں کے کمنٹس، پڑھتے پڑھتے وہ تو رونے والی ہوگئی۔

شام کو عاشر آفس سے آیا تب بھی وہ منہ پھلائے بیٹھی تھی، اس سے امی کے گھر جانے کی بات تو اس نے جھٹ سے گاڑی نکال کر اس کی فرمائش پوری کردی۔

"اندر نہیں آؤ گے۔" اسے باہر سے چھوڑ کر جاتے ہوئے اس نے رسماً آفر کی، ورنہ دل تو نہیں چاہ رہا تھا وہ اس کے ساتھ گھر والوں کے سامنے جائے۔

"نہیں...... تم جاؤ۔" اس کا سنجیدگی سے بھرپور انداز بتا رہا تھا، اسے منانے کے بجائے وہ خود روٹھ کر بیٹھ گیا تھا۔ اس بندے کا یہ طریقہ سب سے برا لگتا تھا اپنی غلطی مان کر سوری کرنے کے بجائے، خود منہ پھلا کر بیٹھ جاتا اور بجائے اپنے نخرے اٹھانے کے وہ اس کے پیچھے سوری کا تحفہ لیے لیے پھرتی لیکن آج اس کا ایسا کوئی ارادہ نہ تھا۔ اس نے انکار کیا تو وہ اپنا پرس اٹھا کر گاڑی سے اتر گئی۔ وہ غصے [illegible] گاڑی انتہائی تیز رفتاری سے دوڑا کر لے گیا۔

☆☆☆

"ارے بھئی فجر سے پوچھ لو، آج کیا پکانا ہے۔"

سندس بھابھی امی سے کھانے کا پوچھنے آئیں تو امی نے اس کا رخ فجر کی طرف موڑ دیا۔

"کوئی اچھی چیز پکا لو ہو سکتا ہے وہاں اس کی پسند کو اتنی اہمیت نہ [illegible]ی جاتی ہو۔" انیلا بیگم کا بھی یہی خیال تھا اس لیے اپنی بہو کو احساس دلایا کہ فجر کی پسند کا کچھ بنا لے۔

"بھابھی! آپ بچوں کو دیکھیں دوپہر میں، میں آپ سب کو اپنے ہاتھ کا حیدر آبادی پ[illegible] کھلاؤں گی۔"

اس نے سوچا تھا جب تک یہاں ہے کیوں نہ حیدر آبادی پلاؤ پر؟ ہاتھ صاف کر لے۔ حیدر آبادی پلاؤ بنانا آ گیا تو [illegible]بھو سارے مسئلے حل ہو جائیں گے۔

"حیدر آبادی پلاؤ؟" امی نے سنا تو تھوڑا حیرت سے اس کی طرف دیکھا۔

"ٹھیک ہے...... اگر تمہیں پسند ہے تو بنا لو۔"

ان کے گھر میں پلاؤ سے ہمیشہ پرہیز ہی کیا جاتا تھا۔ ابو امی دونوں کا بی پی ہائی رہتا تھا اس لیے گھر میں زیادہ تر سادہ چاول بنتے تھے، اب اسے حیدر آبادی پلاؤ کی فرمائش کرتا دیکھ، انیلا بیگم سمجھ گئی تھیں ضرور اس کے سسرالیوں کو یہ ڈش پسند ہوگی۔

☆☆☆

امی کے گھر میں، اگلے چار دن روز حیدر آبادی پلاؤ بنتا رہا روز ہی کھانے میں حیدر آبادی پلاؤ دیکھ کر آخر حبیب صاحب (اس کے ابو) بول ہی پڑے۔

"فجر بیٹا! آج عاشر کا فون آیا تھا وہ رات میں تمہیں لینے آ رہا ہے...... میرا خیال ہے ان چار دنوں میں تم نے حیدر آبادی پلاؤ بنانا سیکھ لیا ہے، رات میں پھر حیدر آبادی پلاؤ ہی بنا لینا، توقیر بھائی بھی ساتھ ہوں گے میں نے سنا ہے انہیں حیدر آبادی پلاؤ بہت پسند ہے۔"

ابو کی بات سن کر اس کی بے چینی میں اضافہ ہو گیا۔ وہ ابھی واپس نہیں جانا چاہتی تھی۔ اس نے سوچا تھا وہ یہاں رہ کر کوکنگ سیکھے گی۔ جب خوب اچھی طرح کھانا پکانا سیکھ جائے گی پھر واپسی بھی ہو جائے گی۔ یہ بات اس نے عاشر کو فون پر سنا دی تھی۔

"میڈم، پھر کب تک گھر آنے کا ارادہ ہے۔"

اسے گئے چار دن ہو گئے تھے۔ اس کے بغیر اس کا دل نہیں لگ رہا تھا۔ اس کا خیال تھا وہ بھی اسے مس کر رہی ہوگی۔ کہے گی آفس سے واپسی پر لیتے جانا۔

"ابھی نہیں...... ابھی تو میں حیدر آبادی پلاؤ بنانا سیکھ رہی ہوں۔ جب خوب اچھا سا پلاؤ بنانا سیکھ لوں گی تو اسی وقت واپس آؤں گی۔"

اس کا جواب سن کر وہ سوچ میں پڑ گیا۔ وہ اس سے کہنا چاہتا تھا فجر مجھے حیدر آبادی پلاؤ کی نہیں تمہاری ضرورت ہے۔ حیدر آبادی پلاؤ کے بغیر میں جی سکتا ہوں، تمہارے بغیر گزارہ ممکن نہیں لیکن اتنے دعوے سے وہ اس سے یہ بات کیسے کہہ سکتا تھا، اس

کے گھر والے تو بہر حال حیدرآبادی پلاؤ کے بغیر نہیں رہ سکتے تھے اور اسے یہاں آنے کے لیے اچھا حیدرآبادی پلاؤ بنانا سیکھنا ضروری تھا۔ وہ خاموشی سے فون بند کر گیا۔

☆☆☆

شام میں عاشر کے ساتھ توقیر انکل بھی اسے لینے آئے تھے۔ کھانے کی ٹیبل پر لگا کھانا دیکھ کر توقیر انکل اس کے ابو سے کہہ رہے تھے۔

"ارے واہ حبیب صاحب! یہ حیدرآبادی پلاؤ آپ کی بہو نے بنایا ہے کیا خوب کھلے کھلے چاول ہیں۔" ٹیبل پر بیٹھتے ہوئے توقیر انکل کی نظر سب سے پہلے چاولوں کی ڈش پر پڑی تھی۔

"یہ پلاؤ ہماری بہو نے نہیں توقیر صاحب، آپ کی بہو نے بنایا ہے۔" حبیب صاحب کی بات سن کر توقیر انکل نے حیرت سے پاس کھڑی فجر کی طرف دیکھا تھا۔

"اچھا واہ بھئی پھر تو ہماری بہو کا انعام بنتا ہے۔" کرسی پر بیٹھتے ہوئے وہ آج صحیح معنوں میں خوش ہوئے تھے بالآخر ان کی بہو نے ان کا فیورٹ حیدرآبادی پلاؤ بنانا سیکھ لیا تھا۔

"انعام تو ہم ضرور دیں گے لیکن ایک مسئلہ ہو گیا ہے۔ وہ کسی شاعر نے کیا خوب کہا ہے۔ بہت دیر کی مہرباں آتے آتے۔"

توقیر انکل اپنی پلیٹ میں سلاد نکالتے ہوئے مسکرائے۔

"ہماری بیٹی نے حیدرآبادی پلاؤ تو بہت اچھا بنایا ہے لیکن اسے آج ہم کھا نہیں سکتے۔ ڈاکٹر نے سختی سے منع کر دیا ہے، اگر حیدرآبادی پلاؤ کو ہاتھ بھی لگایا تو پھر زندگی سے ہاتھ اٹھانا پڑ جائے گا۔"

توقیر انکل کی بات سن کر وہاں موجود سب لوگ حیران رہ گئے تھے۔

"کیا مطلب بھائی صاحب؟"

انیلا بیگم نے حیرت سے استفسار کیا۔

"اللہ پاک آپ کو لمبی زندگی دے...... یہ کیا کہہ رہے ہیں؟"

حبیب صاحب نے بیگم کی بات میں اضافہ کیا۔

"بات یہ ہے بھائی صاحب، کل رات اسی ظالم پلاؤ کی وجہ سے ہم ایمرجنسی میں پہنچ گئے تھے۔ بی پی شوٹ کر گیا تھا۔ وہ تو اللہ کا شکر ہے فالج کے حملے سے بچ گئے ورنہ تو گئے تھے اس جہاں سے۔"

توقیر انکل کی بات پر سب حیرت سے انہیں دیکھ کر رہ گئے۔ انہیں تو کسی نے کچھ نہیں بتایا تھا۔ حبیب صاحب کے پوچھنے پر عاشر بولا۔

"جی وہ ابو نے منع کیا تھا۔ کسی کو اطلاع نہیں کرنی۔ ہم نے شمائلہ باجی کو بھی نہیں بتایا تھا۔"

"میں نے سوچا خواہ مخواہ میں کسی کو کیا ڈسٹرب کرنا، لوگ پریشان کم ہوتے ہیں اور اسٹوری پہلے چڑھا دیتے ہیں ہماری بیٹی کا بھی یہی حال ہے خاندان کی پہلی اسٹوری چڑھانے کا ریکارڈ اسی کے پاس ہے۔ اس لیے روک دیا تھا۔ اب دیکھیں نا آپ سب کے سامنے بھلا چنگا بیٹھا سلاد کھا رہا ہوں، ورنہ تو اسٹوری دیکھ کر آپ جنازے کی تیاری کر چکے ہوتے۔"

توقیر انکل کی بات سن کر سب کے سنجیدہ چہروں پر مسکراہٹ بکھر گئی۔

"اور فجر بیٹا! آپ حیدرآبادی پلاؤ سنبھال کر رکھنا، یہ پرہیز تو صرف چند دنوں کا ہے جب ذرا بی پی تھوڑا نیچے جائے گا تو ہم پھر اسی عیاشی پر لوٹ آئیں گے۔"

توقیر انکل کی بات سن کر وہ مسکرا دی تھی، اسے اب کوئی فکر نہ تھی وہ حیدرآبادی پلاؤ بنانا سیکھ چکی تھی اب تو جب وہ آرڈر کرتے وہ آنکھیں بند کر کے حیدرآبادی پلاؤ بنا سکتی تھی۔

نمرہ احمد

مالا

چالیسویں قسط

"جیسے عالیان والی بات۔ ہاں اس نے مجھے کچھ اور بھی بتایا تھا۔ آئی ایم سوری میں نے تم سے چھپایا۔ لیکن وہ میرا راز نہیں تھا۔ اس کا تعلق مالک صاحب کی بیماری سے تھا۔"

"مالک کی بیماری اس کے کسی جادو کا نتیجہ ہے؟"

"کہا نا۔ وہ میرا راز نہیں تھا۔ سچ تھا یا جھوٹ۔ میں نے اس راز کو مالک صاحب کے حوالے کر دیا ہے۔ میں اب بھی تمہیں نہیں بتاؤں گی کیونکہ اس طرح میں ایک مشکل پوزیشن میں آجاؤں گی۔ کیا تم مجھے مشکل میں ڈالنا چاہو گے؟"

وہ چند لمحے سوچتی نگاہوں سے اسے دیکھے گیا۔

"نہیں۔" پھر رک کے اضافہ کیا۔ "میں مالک سے پوچھ لوں گا۔"

"یہ تمہارا اور ان کا معاملہ ہے۔ میں اس سے دور رہنا چاہتی ہوں۔" اس نے ایک تھکی ہوئی سانس خارج کی۔ "عالیان چاہتا تھا میں وہ راز دنیا کے سامنے آشکار کر دوں۔ اس کے بدلے میں وہ بدر کو چھوڑ دے گا۔"

وہ بری طرح چونکا۔ "پھر؟"

"میں نے ایسا نہیں کیا۔ کیونکہ اتنی تگ و دو سے اغوا کیے بچے کو کوئی اتنی آسانی سے کیسے چھوڑ سکتا ہے؟"

"نہیں۔ وہ ایسے اسے نہیں چھوڑے گا۔ وہ بلف کر رہا تھا یقیناً۔"

"جانتی ہوں۔" وہ بہت دیر بعد مسکرائی، ایسے کہ آنکھیں بھیگی ہوئی تھیں۔ وہ چند لمحے اسے دیکھتا رہا۔ پھر کلائی پر بندھی گھڑی دیکھی۔

"اب مجھے واقعی آفس کے لیے تیار ہونا ہے۔ تمہارے 535 لیرا ادھار ہیں۔ واپس کروں گا۔"

وہ بے اختیار ہنس دی۔

"اگر تم مجھے میرے 535 لیرا واپس نہیں کرو گے تو میں غریب ہو جاؤں گی۔"

وہ بھی ہنس دیا۔ وہ ہلکا پھلکا ہو گیا تھا۔ ایک وزن تھا جو کندھوں سے اتر گیا تھا۔

مالا وہیں بیٹھی رہی اور ماہر واپس اپارٹمنٹ بلڈنگ میں آگیا۔

کافی کا ڈسپوزیبل کپ اور بھورے پیپر میں لپٹا ڈونٹ وہ ساتھ لایا تھا۔ جوتے اتار کے لونگ روم تک آیا ہی تھا کہ ٹھٹک کے رکا۔

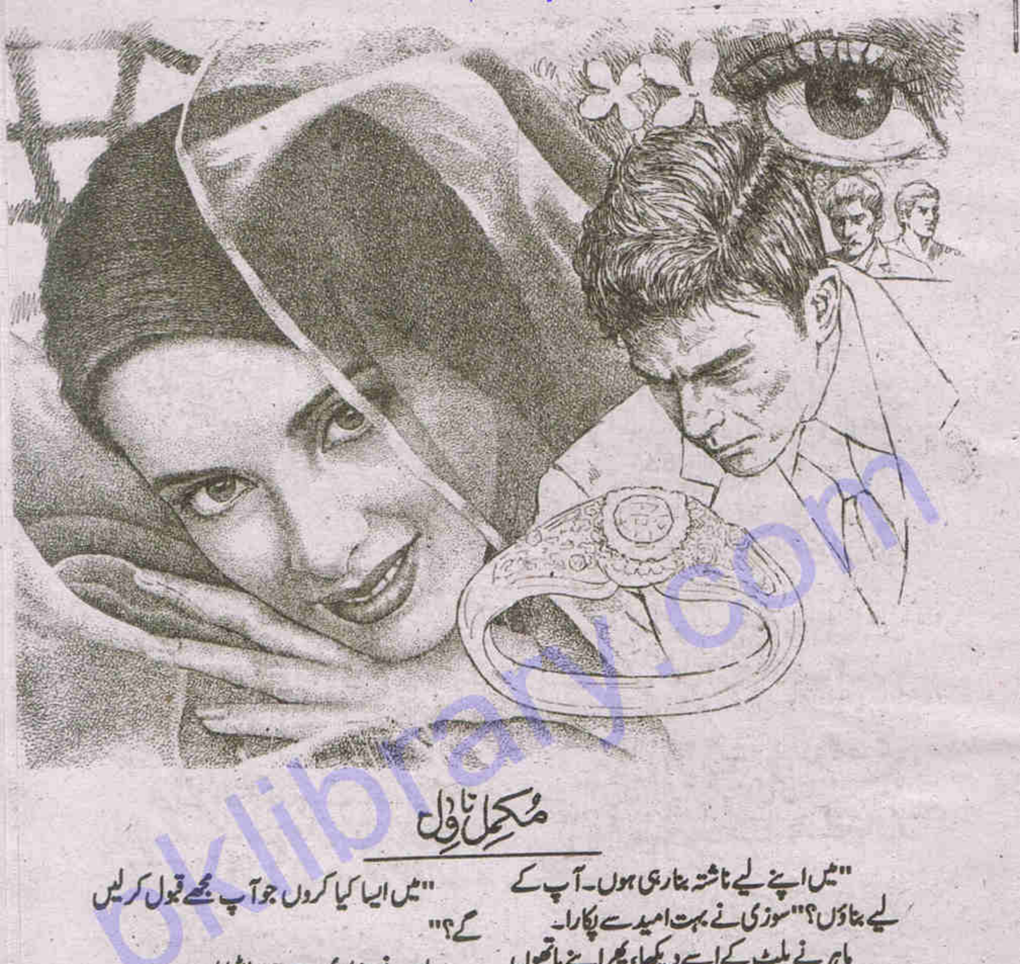
سوزین اس کی جانب پشت کیے چولہے کے ساتھ کھڑی ناشتہ بنا رہی تھی۔ ماہر نے پیر سے ڈسٹ بن کا لیور دبایا۔ ڈھکن کھلا۔ اس نے کافی کپ سمیت ڈال دی۔ ڈھکن بند ہوا۔

ٹھک کی آواز پہ سوزی پلٹی۔ اسے دیکھ کے مسکرائی۔

"گڈ مارننگ!"

وہ جواب دیے بنا آگے آیا۔ فیضی خانم پینٹری میں کھڑی پھل نکال رہی تھیں۔ اس نے ڈونٹ کا لفافہ ان کے سامنے رکھا۔

"کھا لیجیے گا۔" اور پھر فریج کی جانب بڑھ گیا۔



مکمل ناول

"میں اپنے لیے ناشتہ بنا رہی ہوں۔ آپ کے لیے بناؤں؟" سوزی نے بہت امید سے پکارا۔

ماہر نے پلٹ کے اسے دیکھا، پھر اپنے ہاتھوں کو، پھر دوبارہ اسے، اور پھر فریج کی طرف مڑ گیا۔

سوزی کے چہرے کی جوت بجھ سی گئی۔

البتہ اس نے دوبارہ کوشش کی۔

"میں بہت اچھی کافی بناتی ہوں۔"

"میرے پاس تین کافی مشینز ہیں۔" رکھائی سے کہہ کے فریج سے چند سبز چیزیں نکال کے کاؤنٹر تک آیا۔ سوزی گھوم کے اس کے سامنے آگئی۔

اب ان دونوں کے درمیان کچن آئی لینڈ کی سیاہ گرینائٹ ٹاپ کے سوا کچھ نہ تھا۔

"میں ایسا کیا کروں جو آپ مجھے قبول کر لیں گے؟"

ماہر نے بیزاری سے چہرہ اٹھایا۔

"سر یسلی؟ اس وقت؟" گھڑی کی طرف اشارہ کیا۔ پھر اپنی سبزیوں اور پھلوں کو دیکھا۔

"میں ایسا کیا کروں جو آپ میرے اوپر اعتبار کرنے لگ جائیں؟ میں اپنی صفائی دے دے کر تھک چکی ہوں۔ میں بیریل کی زندگی میں کسی ایجنڈے کے تحت نہیں آئی۔ ہم نے ایک دوسرے سے محبت کی شادی کی ہے۔ مانا کہ غلطی ہوئی۔ آپ کو بتانا چاہیے تھا۔ اعتماد میں لینا چاہیے تھا۔ لیکن کیا کریں نہیں لے سکے۔ spur of the

moment تھا۔ بس جو دل نے چاہا، وہ کر ڈالا۔ مگر تب بھی مجھے آپ کی فکر تھی۔ اسی لیے پری نپ سائن کر لیا، کہ کہیں آپ کو اعتراض نہ ہو۔ کیا میں آپ کو ایسی عورت لگتی ہوں جس کو روپے پیسے کی کمی ہے؟"

ماہر سر جھکائے کٹنگ بورڈ پر سبزیاں کاٹ رہا تھا۔ ٹھک ٹھک ٹھک۔

"ہیزل کو لڑکیوں کی کمی نہیں ہے۔ نہ مجھے مردوں کی۔ لیکن وہ پہلا آدمی ہے جس نے مجھے عزت دی۔ مجھے احساس دلایا کہ آج کے دور میں بھی مردوں میں شیوری باقی ہے، اور باقی ہے۔ اس کے ساتھ زندگی خوب صورت لگتی ہے۔ کم از کم میں اسے کبھی ہرٹ نہیں کروں گی۔ مگر آپ شاید کبھی میرا یقین نہیں کریں گے۔"

وہ اب بلینڈر کے جگ میں اپنی الا بلا سبزیاں ڈال رہا تھا۔ سوزی کی آنکھیں بھیگتی گئیں۔

"کس نے آپ کو اتنا ہرٹ کیا ہے جو محبت سے آپ کا اعتبار اٹھ گیا ہے؟ اور آپ کو ہر عورت گولڈ ڈگر لگتی ہے؟"

ماہر کے ہاتھ بلینڈر پر رکے۔ ایک تیز نگاہ اس پہ ڈالی۔ پھر دوبارہ بلینڈر کا بٹن دبایا۔ زوں کی آواز سوزی کی آواز پہ غالب آ گئی۔ جب شور تھما تو اس نے سنا وہ کہہ رہی تھی۔

"میں ایسا کیا کروں جو آپ مجھے دل سے قبول کر لیں؟"

"صرف ایک کام!"

سوزی سانس روکے اسے دیکھے گئی۔

"جب میں کچن میں آیا کروں تو مجھے ڈسٹرب نہ کیا کرو۔"

سوزی کی آنکھ سے آنسو ٹوٹ کے گرا اور گال پہ پھسل گیا۔ اس نے سر ہلا دیا۔ دھیرے سے ناشتے کی ٹرے اٹھائی اور چپ چاپ پلٹ گئی۔ ماہر اپنی سموودی گلاس میں ڈال کے پلٹا تو دیکھا، فیضی حاتم بہت افسوس سے اسے دیکھ رہی تھیں۔

"کیا؟ اس کا شوہر اندر بیٹھا سن رہا ہے۔ اسی لیے وہ اداکاری کر رہی تھی۔" نجی سے کہتے ہوئے اسٹول کھینچا اور کاؤنٹر پہ بیگ رکھا۔ پھر بیٹھنے سے پہلے ٹراؤزرز کی جیب میں موجود چیزیں نکال کے کاؤنٹر پہ رکھیں۔

موبائل۔ اور والٹ۔ جس کے اندر سے نوٹ اور کارڈز جھلک رہے تھے۔

☆☆☆

رات کے اس پہر سمندر کی لہروں کا شور لکڑی سے بنے گھر کے اندر تک سنائی دیتا تھا۔ عبدالمالک فرید کا کمرہ سیاہ سفید رنگوں سے سجا تھا۔ لکڑی کے فرش پر کھڑکی کے ساتھ آرام کرسی پر شال لپیٹے بیٹھے وہ گم صم سے شیشے کے باہر دیکھ رہے تھے۔ سامنے ایک خالی کرسی رکھی تھی۔ جیسے کسی کی منتظر ہو۔

دفعتاً دروازہ کھلا۔ ہیل کی آواز آئی۔ مالک فرید نے تب تک گردن نہیں موڑی جب تک کہ وہ سامنے آ کر بیٹھ نہ گئی۔

"کیا ہوا، بابا؟ آپ نے اتنی عجلت میں بلوایا۔" اس کی آواز میں فکرمندی تھی۔

مالک فرید نے گردن موڑی۔ چند لمحے وہ اس کو دیکھتے رہے۔

زارا کی شکل ان کی ماں جیسی تھی۔ یا شاید ان کی بیوی جیسی۔ یا شاید آج کل کی بہت سی لڑکیوں جیسی۔ انہوں نے اسے بہت دفعہ ٹوکا تھا کہ ایک کے بعد ایک پروسیجر نہ کروائے، لیکن اس کے ہر نئے پروسیجر کے بعد اس کی سہیلیاں اس کو کہتیں کہ وہ پہلے سے زیادہ حسین لگ رہی ہے، اور وہ چند ماہ بعد پھر سے سرجن کی چھری تلے لیٹ جاتی۔ انہوں نے ایک دفعہ اس سے بحث کی تھی کہ کیا ہے جو وہ ان سرجریز اور پروسیجرز میں ڈھونڈتی ہے۔ اور اس نے کہا تھا...

"جیسے آپ اپنی توانائی اور پیسہ فرید ہولڈنگ

میں صرف کرتے ہیں کیونکہ آپ کو رئیل اسٹیٹ میں کامیابیاں حاصل کرنا پسند ہے، ویسے ہی مجھے وہ خوب صورت چہرے اور جسم پسند ہیں جو میں میگزینز میں دیکھتی آئی ہوں۔ آپ جائیدادیں خریدتے ہیں اور میں جسم۔"

لیکن آج اس کے چہرے کو دیکھتے ہوئے انہیں اندازہ ہوا کہ شاید وہ اس چہرے کو نہیں پہچانتے تھے۔ بس اپنی بیمار آنکھوں سے اس کی آنکھوں کو دیکھتے رہے۔ اس کے لمبے بل دار بال کندھوں پر بکھرے تھے۔ اور وہ حیرت سے انہیں دیکھ رہی تھی۔ یا شاید تشویش سے۔ لیکن باوجود کوشش کے وہ ابرو اکٹھے نہیں کر سکتی تھی۔ کیونکہ بوٹوکس کی وجہ سے ماتھے اور ابرو کے درمیان لکیریں نہیں پڑتی تھیں۔ سو یہ بتانا مشکل تھا کہ وہ فکرمند ہے یا پریشان۔

"کیا ہوا، بابا؟"

"اس مسئلے کا نتیجہ دو صورتوں میں نکلے گا۔"

"کون سا مسئلہ؟"

"مسئلہ تم جانتی ہو۔ صورتیں بھی سن لو۔" وہ بولے تو ان کی آواز میں ٹھنڈک تھی اور آنکھوں میں گلیشیئرز۔

زارا کی ریڑھ کی ہڈی میں سنسنی خیز لہر دوڑ گئی۔

"پہلی صورت۔ ایسے راز کبھی نہیں چھپتے اور چونکہ مالا کا بیٹا اس کے پاس ہے اور ماہر کبھی نہ کبھی اسے ڈھونڈ لے گا، تو آج یا کل وہ جان ہی لے گا کہ تم اس اسکامر کی کلائنٹ تھیں۔"

بوٹوکس کے باوجود زارینہ کے چہرے پہ شاک زدہ ہونے کا تاثر اتنا شدید تھا کہ چند لمحے وہ پلک نہ جھپک سکی۔

"اگر ماہر کو یہ بات شادی کے بعد معلوم ہوئی تو وہ ایک سانس میں تمہیں طلاق دے ڈالے گا اور پھر وہ ساری عمر تمہاری شکل نہیں دیکھے گا۔ بیربل بھی وہی کرے گا جو وہ کہے گا۔ تمہاری بہنیں، ماہر اور بیربل میرے بعد تمہاری واحد فیملی ہیں۔ بہنیں معاف کر دیں گی، وہ دونوں نہیں کریں گے... اور تم اپنی فیملی سے محروم ہو جاؤ گی۔"

زارینہ کی آنکھیں گیلی ہونے لگیں۔ ہونٹ کپکپائے...

"کس نے.... کس نے کہا ہے آپ کو یہ....؟"

مالک فرید نے ہاتھ اٹھا کے اسے روک دیا۔ وہ آج بھی اتنے بارعب تھے کہ زارا کی زبان سرد ہو گئی۔

"دوسری صورت۔ تم ماہر کو یہ انگوٹھی واپس کر دو اور اپنے راستے الگ کر لو۔ کل کو اگر اسے معلوم ہو گیا اور اسے معلوم ہو جائے گا، تو وہ تمہیں معاف کر دے گا۔ اور بطور فیملی ہمیشہ تمہاری سپورٹ بنا رہے گا۔"

وہ اسی مشینی انداز میں کہہ رہے تھے۔ نگاہ زارا سے ایک لمحے کے لیے بھی نہیں ہٹ رہی تھی۔

"بابا!" اس نے نفی میں گردن ہلائی۔ ہاتھ کانپ رہے تھے۔

"یہ خیال کہ میرے بعد تم طلاق یافتہ ہو جاؤ اور سب تمہیں چھوڑ دیں، یہ میرے لیے قابل قبول نہیں ہے۔ دوسری صورت زیادہ بہتر ہے۔ اس میں تمہارا دل ٹوٹے گا لیکن فیملی نہیں چھوٹے گی۔ فیملی انسان کا پردہ رکھتی ہے۔ کل کو تم جہاں بھی شادی کرو گی، تمہاری فیملی تمہاری سپورٹ بنے گی۔ اس لیے..."

"وہ آئی تھی کیا؟ اس نے کہا ہے نا یہ سب؟" انہوں نے انگلی سے اس کی انگوٹھی کی جانب اشارہ کیا۔

"میرے لیے تمہارے دل کا ٹوٹ جانا اتنا بڑا سانحہ نہیں ہو گا جتنا تمہارا اکیلا رہ جانا۔"

"بابا..." وہ ایک دم گھٹنوں کے بل ان کے قدموں میں گر گئی۔ ان کے بوڑھے ہاتھ اپنے ہاتھوں میں لیے۔

"وہ جھوٹ بول رہی ہے۔ میں نے ایسا کچھ نہیں کیا۔"

وہ بھیگا چہرہ اٹھائے ٹوٹے پھوٹے لفظ بول پا رہی تھی۔

"چونکہ تم نے اس جادوگر کو دینے کے لیے پیسے کمپنی سے لیے ہیں، اس لیے جلد یا بدیر ان پیسوں کا حساب ماہر تک پہنچ جائے گا۔ پیسوں کے معاملے میں وہ کسی کو نرمی نہیں دکھاتا۔ تم جتنا چھپا لو، یہ بات کھل جائے گی، زارا۔ اس لیے کل تم اس کے پاس جاؤ گی۔"

"بابا... نہیں... " وہ روتے ہوئے سر دائیں بائیں ہلا رہی تھی۔ ان کے ہاتھ اسی طرح پکڑ رکھے تھے۔

"اور تم اس کو انگوٹھی واپس کرو گی۔"

"میں ایسا نہیں کروں گی۔ ہماری شادی ہونے والی ہے۔" وہ بچوں کی طرح بلک رہی تھی۔ وہ چند لمحوں کے لیے خاموش ہو گئے۔

"پھر میں ماہر کے پاس جاؤں گا اور اس کو بتا دوں گا کہ تم عالیان کی کلائنٹ تھیں اور میں تمہاری طرف سے اس سے معافی مانگوں گا۔ وہ منگنی خود توڑ دے گا لیکن وہ میری وجہ سے تمہیں معاف کر دے گا۔ اور یہ وہ صورت ہے جو مجھے قابل قبول ہے۔ تمہاری فیملی بچی رہے گی۔"

زارا کے ہاتھ نیچے گر گئے۔ بے یقینی سے انہیں دیکھے گئی۔

"آپ کیسے باپ ہیں؟ آپ میرے ساتھ کیوں نہیں کھڑے؟ کیا زندگی میں ایک دفعہ... ایک دفعہ آپ مجھے سپورٹ نہیں کر سکتے؟"

"مجھے اس وقت تم سے فادر آف دی ایئر کا ایوارڈ نہیں چاہیے، زارینہ فرید۔" وہ اتنی زور سے غرائے کہ اس کے آنسو تھم گئے۔

"تم کل اس سے نہیں ملیں تو میں اسے خود سب بتا دوں گا۔ تم مجھے جانتی ہو۔ میں اپنی بات سے نہیں پھرتا۔" ان کا چہرہ سپاٹ تھا۔ سخت۔ برف کے جیسا۔ اس پہ رحم کی کوئی لکیر نہ تھی۔

زارا نے گیلی سانس ناک سے اندر کھینچی۔ نفی میں سر ہلایا۔ اس کی ناک گلابی ہو رہی تھی۔ پھر وہ کھڑی ہوئی۔

"میں ماہر سے دستبردار نہیں ہوں گی۔"

وہ دروازے تک گئی جب مالک فرید کی آواز سنائی دی۔

"کیا میری بیماری اس جادو کا نتیجہ ہے؟"

زارا کا ہاتھ ہینڈل پر جم گیا۔ سارا وجود پتھر ہو گیا۔ وہ پلٹ سکی نہ آگے بڑھ سکی۔ اسے جیسے کسی نے الٹی چھری سے ذبح کر دیا تھا۔

"وہ... وہ جھوٹ بول رہی ہے۔ میں نے ایسا کچھ نہیں... " وہ بدقت پلٹی۔ ٹوٹے پھوٹے الفاظ سے اپنی وضاحت دینے کی کوشش کی۔ لیکن وہ اسے نہیں دیکھ رہے تھے۔ وہ کھڑکی کے باہر دیکھ رہے تھے۔ ان کا چہرہ ویسا سخت نہ تھا۔ بلکہ..... ان کی آنکھوں کے کنارے بھیگے ہوئے تھے۔

اس نے کبھی مالک فرید کی پلکوں کو بھیگے ہوئے نہیں دیکھا تھا۔ دادی کی موت پہ بھی نہیں۔ ماں کی موت پہ بھی نہیں۔ اپنی بیماری کے دوران بھی نہیں۔ ہر دفعہ جب وہ ان کے سامنے آ کر ماہر کے لیے روئی تھی، تب بھی نہیں۔

زارا کو معلوم تھا اسے کیا کرنا ہے۔

☆☆☆

"کیف" کی چھت پر بنے کیفے ٹیریا کی لفٹ کے سامنے کھڑی کشمالہ بےچین بار بار گھڑی دیکھ رہی تھی۔ کب سے لفٹ کا بٹن دبایا تھا۔ وہ اوپر ہی نہیں آ رہی تھی۔ لنچ بریک کے دوران ورکرز اوپر نیچے آتے رہتے تھے، جس کے باعث لفٹ مصروف ہو جاتی تھی۔ ماہر کو اس عمارت میں ایک دوسری لفٹ بھی لگوانی چاہیے۔ اس نے کڑھتے ہوئے سوچا۔ پھر یاد آیا کہ یہ تو کرائے کی عمارت تھی۔

دروازے کھلے تو دیکھا ماہر لفٹ میں تھا۔ ساتھ دو افراد تھے جن سے بات کرتے ہوئے وہ باہر نکل رہا

تھا۔اسے دیکھ کے ہلکا سا مسکرایا اور بنا آواز کے ہونٹ ہلائے۔(پانچ سو پینتیس لیرا)۔

مالا مسکراہٹ دبائے لفٹ میں چلی گئی۔اچھا مذاق تھا۔

اس کی مسکراہٹ عارضی تھی۔ کیونکہ اپنے مطلوبہ فلور پہ اترنے سے پہلے ہی موبائل بجنے لگا تھا۔

اسکرین پہ آتا نمبر غیر شناسا تھا۔اس نے تیزی سے فون کان سے لگایا۔ وہ اس نوجوان جادوگر کی طبیعت درست......

"کیسی ہو، کشمالہ؟" زیاد سلطان کی آواز نے اسے منجمد کیا۔لفٹ کے دھاتی دروازے کھل چکے تھے لیکن وہ باہر نہ نکل سکی۔ دروازے دوبارہ بند ہونے لگے تو اس نے چوکھٹ پہ ہاتھ رکھا۔دروازے جیسے گھبرا کے رک گئے۔

"میں تمہیں ڈسٹرب نہیں کرنا چاہتا۔بس بدر کے بارے میں پوچھنا تھا۔کچھ معلوم ہوا؟"

وہ دروازوں کو روکے وہیں کھڑی رہی۔

"میں تمہاری زندگی میں کوئی مشکل پیدا کرنے نہیں آیا۔ہم اپنے بیٹے کو ڈھونڈ لیں،اس کے بعد تم کبھی میری شکل نہیں دیکھوگی۔ مجھے اندازہ ہے کہ یہ سب کس نے کیا ہے۔اور میں بہت جلد..."

"کیا تم مجھ سے مل سکتے ہو، زیاد؟"

زیاد سلطان کو اس فقرے کی توقع نہ تھی۔وہ چند لمحے کے لیے کچھ بول نہ سکا۔

"تمہیں یہ پوچھنے کی ضرورت نہیں ہے۔" اس کی آواز میں زخمی پن تھا۔

"ایک ایڈریس بھیج رہی ہوں۔ وہاں آجاؤ۔ چالیس منٹ تک۔" قطعیت سے کہہ کے اس نے فون نیچے کیا۔اور پھر اپنی چیزیں سمیٹنے لگی۔

اس نے نہیں دیکھا کہ لفٹ دوبارہ کھلی ہے اور ماہر فرید باہر نکلا ہے۔اس کے چہرے پہ سنجیدگی تھی اور قدرے جھنجلاہٹ بھی۔ وہ کال پہ ڈرائیور کو کار تیار کرنے کا کہتے ہوئے آفس کی طرف جا رہا تھا۔

☆☆☆

یہ زارا کا پسندیدہ ریسٹورنٹ تھا۔ٹیرس میں بچھے لمبے صوفے اور رنگ برنگے کشنز۔ریلنگ سے دور تک پھیلا شہر، بوسفورس کا پانی اور اُڑتے ہوئے بگلے دکھائی دیتے تھے۔

ایسے ہی ایک صوفے پہ زارینہ بیٹھی تھی۔بازو صوفے کی پشت پہ پھیلائے، وہ دور دکھائی دیتے سرخ پل کو دیکھ رہی تھی، جس کے نیچے سے تین کشتیاں ایک ساتھ گزر رہی تھیں۔اس شہر میں ایسے پل ایک سے زیادہ تھے، لیکن سارے ایک جیسے لگتے تھے۔

ماہر دور سے اسے دیکھ کر ٹھٹکا۔بہت عرصے بعد اس نے زارا کو دھلے دھلائے چہرے کے ساتھ دیکھا تھا۔ڈھیلا ڈھالا سوئیٹر اور ٹائٹس پہنے وہ بال کچر میں باندھے، پانی کو دیکھ رہی تھی۔

خطرے کا سرخ الارم اس کے ذہن میں جلنے بجھنے لگا۔وہ تشویش سے اس کو دیکھتا قریب آیا۔

"سب ٹھیک ہے، زارا؟ تم نے اتنی جلدی میں بلایا۔"

زارا نے چہرہ اس کی طرف موڑا۔اس کی آنکھیں متورم تھیں اور ناک سرخ۔شاید وہ روتی رہی تھی۔

ماہر کا سانس رک گیا۔

"مالک ٹھیک ہے؟" اس کا پہلا دھیان اسی طرف گیا۔

زارا مسکرائی۔آنکھوں میں نمی تھی۔

"انہیں کچھ نہیں ہوا۔"

"پھر؟ خیریت؟" وہ کرسی کھینچ کے سامنے بیٹھا۔غور سے اس کا چہرہ دیکھا۔

"مجھے کچھ بات کرنی تھی۔"

"دوپہر میں؟ وہ بھی پبلک پلیس پہ؟ ہم شام کو آرام سے گھر پہ..."

"زندگی میں ایک دفعہ تم اپنا ورک ڈے میرے لیے قربان کر سکتے ہو، ماہر بے؟" وہ بھیگی آنکھوں سے مسکرا رہی تھی۔ماہر نے دونوں ہاتھ اٹھا دیے۔

"تمام۔ تم بولو۔ میں سن رہا ہوں۔"
ٹیک لگائی، ٹانگ پہ ٹانگ جما کے بیٹھا اور آنکھیں چھوٹی کیے بغور اسے دیکھنے لگا۔
کچھ تھا اس کے انداز میں۔ کچھ عجیب سا۔
"میں چاہتی ہوں کہ آج تم میری بات سنو۔ درمیان میں مت بولنا۔ کیونکہ میں ایک فیصلہ کر کے آئی ہوں۔"
ماہر نے ہونٹ کھولے، پھر بند کر دیے۔ سر کو خم دیا۔ وہ سن رہا تھا۔ لیکن سننے سے زیادہ وہ اس کا چہرہ پڑھنے کی کوشش کر رہا تھا۔
"میری فرینڈز کہتی ہیں کہ ماہر فرید تمہارے لیے ایک ریڈ فلیگ ہے۔" وہ بھیگی آنکھوں سے ہنسی۔ وہ تکلیف میں لگتی تھی۔
"مگر میں... میں یہ مان ہی نہیں سکتی تھی کہ ماہر فرید ایسا ہو سکتا ہے۔ لیکن وہ ٹھیک تھیں۔ تم شاید کسی اور عورت کے لیے گرین فلیگ ہو گے، لیکن میرے لیے تم سرخ جھنڈوں کا ایک کارنیوال ہو۔"
"ویل... تھینک یو۔" ماہر کے تاثرات نہیں بدلے۔
"ہمارا ساتھ برسوں کا ہے۔ ہم کزنز بھی ہیں اور دوست بھی۔ لیکن پتا ہے، میری ایک تھیراپسٹ کہتی تھی کہ یہ دوستی صرف میرے دماغ میں ہے۔ ورنہ تم ہمیشہ میرے پاس صرف اپنے کام کے لیے آتے تھے۔ کسی کو لوکیٹ کرنا ہے، تو زارا ہے ناں۔ کسی سے پبلک ریلیشن قائم کرنا ہے، تو زارا اس میں اچھی ہے۔ زارا میری کمپنی کا فیس ہے۔ زارا اور زارا کا سوشل نیٹ ورک۔" گردن افسوس سے دائیں بائیں ہلائی۔ "میں ایک یکطرفہ دوستی کے الوژن میں اتنے برس سے زندگی گزار رہی تھی۔ کیونکہ مجھے لگتا تھا تم ایسے ہی ہو۔ تم انسانی جذبات کے اہل ہی نہیں ہو۔ جیسے بیربل کہتا ہے مشین، روبوٹ...."
وہ پھر سے ہنسی۔ اب وہ گردن موڑ کے پانی کو دیکھنے لگی تھی۔ آنسو پلکوں پہ ٹکے تھے۔ لیکن ابھی گرے نہیں تھے۔
"بیربل کہتا ہے کہ جب بھی تمہارے اوپر کرائسز آتا ہے، میں تمہیں چھوڑ کر چلی جاتی ہوں۔ میں کرائسز سے ڈیل نہیں کر سکتی۔ وہ بھی درست کہتا ہے۔ جب تم اسائلم میں گئے، میں نے تمہیں چھوڑ دیا۔ کیونکہ میں... پتا نہیں... شاید میں یہی کرتی ہوں۔ کرائسز میں، میں ہمیشہ تم سے اسپیس لے لیتی ہوں۔"
"اور تم اب بھی یہی کرنے جا رہی ہو۔"
اسے معلوم تھا بات کس طرف جا رہی تھی۔
زارا نے اس کی بات کا جواب نہیں دیا۔ وہ اپنی رو میں کہے جا رہی تھی۔
"لیکن میں تمہارے لیے آ بھی جاتی تھی۔ اپنا شہر چھوڑا۔ اپنی کمپنی چھوڑی۔ کیف کو جوائن کیا۔ مگر پھر... پھر تم پاکستان چلے گئے۔ جب تم واپس آئے تو تم بدلے ہوئے تھے۔ میں سمجھی یہ سب کچھ ہلال کے لیے ہے۔ اور شاید یہ تب ہلال کے لیے ہی تھا۔ لیکن پھر... تم اس کے لیے جیل بھی گئے۔ اس کے شوہر سے بھی مقابلہ کیا۔ میں تب بھی سمجھی یہ سب ہلال کے لیے ہے۔ پھر تم کینیڈا گئے اور میں سمجھی تم پولیس سے بھاگ رہے ہو۔ لیکن تم ہمیشہ اس کے پیچھے جاتے تھے۔"
ماہر نے سینے پر بازو لپیٹ لیے۔ چہرہ بالکل سپاٹ ہو چکا تھا۔
"مجھے لگا یہ میرا وہم ہے۔ تم ایسے انسان ہو ہی نہیں جو کسی کے لیے ایموشنلی اویلیبل ہو سکتا ہے۔ میری دوستیں کہتی رہیں کہ تم میرے لیے دستیاب مرد نہیں ہو۔ لیکن میں نے ہمیشہ کہا کہ تم مصروف ہو۔ تم ایسے ہی ہو۔ تمہارے پاس کیف کے سوا کسی کے لیے وقت نہیں ہوتا۔ اور مجھے تم ایسے بھی قبول تھے۔ تم میرے پاس آئے۔ تم نے مجھے پروپوز کیا۔ میں نے پروپوزل قبول کیا۔ مجھے لگا شادیاں ایسے ہی ہوتی ہیں۔"
اس نے چہرہ موڑ کر ماہر کو دیکھا۔ آنسو سرخ

آنکھوں سے ٹوٹ ٹوٹ کے گرنے لگے تھے۔

"لیکن پھر میں نے تمہیں اس کے ساتھ دیکھا۔"

ماہر کی گردن میں گلٹی سی ابھر کے ڈوب گئی۔

"جب وہ کمرے میں آتی ہے، تو تمہاری شخصیت بدل جاتی ہے۔ تمہاری آنکھوں میں چمک آتی ہے۔ تم اس کو دیکھتے ہو تو تمہیں آس پاس کوئی دوسرا دکھائی نہیں دیتا۔ وہ جو کہتی ہے تم دھیان سے سنتے ہو۔ اس کے لیے تمہارے پاس وقت ہی وقت ہے۔"

"مالا کا اس سب میں..."

"میں تمہیں کنفرنٹ نہیں کر رہی۔ کوئی الزام بھی نہیں لگا رہی۔ میں جانتی ہوں تم ایسے آدمی نہیں ہو جو کسی عورت کے ساتھ چیٹ کرے۔ لیکن میں یہ بھی جانتی ہوں کہ مردوں کے دل بہت بڑے ہوتے ہیں۔ ان میں ایک ساتھ ایک سے زیادہ عورتیں سما سکتی ہیں۔ لیکن میں اب تھک گئی ہوں، ماہر۔"

آنسو آنکھوں سے بہہ رہے تھے اور گود میں رکھے ہاتھ سختی سے بھینچ رکھے تھے۔

"میں نے جب تمہیں اس کے ساتھ دیکھا تو مجھے معلوم ہوا کہ تم کوئی مشین نہیں ہو۔ تم ایک عورت کے لیے اس حد تک دستیاب ہو سکتے ہو کہ تم مجھے ڈنر پہ چھوڑ کے اس کی ایک آواز پہ چلے جاؤ۔ وہ ہمیشہ تمہیں بلائے گی اور تم ہمیشہ اس کے پیچھے جاؤ گے۔"

پھر اس نے ہتھیلیوں کی پشت سے آنکھیں رگڑیں۔

"اور اب تو میں یہ بھی جان گئی ہوں کہ تم مجھ سے شادی صرف بابا کو خوش کرنے کے لیے کر رہے تھے۔ پلیز انکار مت کرنا۔ میں دس سال کی بچی نہیں ہوں۔ مجھے سب دکھائی دیتا ہے۔"

ماہر نے ٹھوڑی جھکا دی۔ بے اختیار دانتوں سے لب کاٹے۔

"ہم غلط وجہ کے لیے شادی کر رہے ہیں۔ میں ایک الوژن کے پیچھے بھاگ رہی ہوں جو کبھی پورا نہیں ہوگا، اور تم میرے بابا کو خوش کرنے کے لیے خود پہ ایک ایسا بوجھ ڈال رہے ہو جس کو تم اٹھا نہیں سکتے۔ ہم دونوں ناخوش رہیں گے۔"

چند لمحے خاموشی سے کٹ گئے۔

"اس لیے میں نے یہ فیصلہ کیا ہے کہ..." اس نے تھوک نگلا۔ اگلے الفاظ حلق سے باہر آنے کو تیار ہی نہیں تھے۔ لیکن آج اگر اسے انگلی حلق میں ڈال کے بھی ان کو باہر کھینچ کے نکالنا پڑتا تو وہ اس کے لیے تیار تھی۔

"کہ..." زارا نے بائیں ہاتھ کی تیسری انگلی سے انگوٹھی اتاری اور میز پر رکھی۔

ہیرے کے لکڑی سے ٹکرانے کی آواز پہ وہ چونکا۔ چہرہ اٹھایا۔ انگوٹھی کو دیکھ کے چہرے پہ زخمی پن ابھرا۔

"زارا...."

"میں ایسے نہیں چل سکتی۔ میں ایسے نہیں چل سکتی۔" وہ نفی میں سر ہلا رہی تھی۔ آنسو برابر گرتے ہوئے گردن پہ لڑھک رہے تھے۔

"میں نے یہ رشتہ پوری ایمان داری سے کیا تھا، زارا۔ لیکن تم ٹھیک کہہ رہی ہو۔ میں تمہیں تکلیف دے رہا تھا۔ ہم غلط وجہ کے لیے شادی کر رہے تھے۔" پھر وہ رکا۔ جیسے ذہن نے کچھ سوچا۔

"اس سب کی وجہ صرف یہی ہے؟ میرا رویہ؟" آنکھوں کی پتلیاں سکوڑ کے اس کا چہرہ دیکھا۔

زارا کے چہرے پہ سایہ سا لہرایا۔

"کیا یہ وجہ کم ہے؟" نا چاہتے ہوئے بھی اس کی آواز بلند ہوئی۔

"یعنی... کچھ اور تو نہیں ہے جو تم...."

"میں یہ فیصلہ اپنے لیے لے رہی ہوں، ماہر۔ مجھے اپنے بابا کے ساتھ ان کی زندگی کے آخری چند مہینے گزارنے ہیں۔ میں اس وقت نہ تو شادی کر سکتی ہوں نہ کچھ اور۔ تم نے ہی کہا تھا یہ۔"

وہ سوچتی نظروں سے اسے دیکھ رہا تھا۔

"کیا تمہاری مردانہ انا کو ٹھیس پہنچی ہے؟ کہ تم نے نہیں، ایک لڑکی نے تم سے رشتہ توڑا ہے؟"

ماہر نے نفی میں سر ہلایا۔

"ایسی بات نہیں ہے۔ میں بس تمہیں تکلیف نہیں دینا چاہتا۔"

زارا نے سر جھٹکا اور میز پر رکھے باکس سے چند ٹشو نکالے۔ چونکہ چہرے پر کچھ لگا نہیں تھا اسی لیے بے دردی سے آنکھیں رگڑتی گئی۔

"اور مالک؟"

زارا نے جواب دینے کے بجائے بیگ اٹھایا اور اٹھ کھڑی ہوئی۔

"کچھ دیر بیٹھو، زارا۔ اس بات کو..."

"مجھے جانا ہے۔ تمہارے ورک ڈے سے بہت سا وقت لے لیا میں نے۔" اس نے سن گلاسز آنکھوں پہ لگا لیے اور میز کے پیچھے سے نکل کے آگے بڑھ گئی۔

اگر وہ کچھ دیر اور بیٹھی رہتی تو شاید وہ اس کے اندر تک جھانک لیتا۔

کار میں بیٹھنے سے پہلے زارا نے سیاہ شیشوں کے پار دکھائی دیتے ریستوران کو دیکھا۔

اگر بابا سمجھتے تھے کہ وہ ماہر سے اتنی آسانی سے دستبردار ہو جائے گی تو وہ بھول گئے تھے کہ وہ صرف زارا نہیں تھی۔

وہ عبدالمالک فرید کی بیٹی تھی۔ اور اس کی ضد انہی کے جیسے تھی۔

☆☆☆

اس پارک کے سارے درختوں پہ خزاں اتری تھی۔ جلی ہوئی گھاس پہ جگہ جگہ چرمر کرتے بھورے پتے گرے تھے۔ کشمالہ ان پتوں پر پیر رکھتی قدم قدم آگے بڑھ رہی تھی۔

پارک کے سرے پہ ایک سنگی میز بنی تھی جس کے دونوں اطراف بینچ تھے۔

وہ دور سے زیاد کو وہاں بیٹھے دیکھ سکتی تھی۔ وہ کہنیاں میز پر رکھے سر ہاتھوں میں گرائے ہوئے تھا۔

وہ اس سے چند میٹر دور تھا۔

ہر قدم کے ساتھ مالا کا ذہن کسی البم کی طرح یادوں کے اوراق پلٹ رہا تھا۔

وہ ٹیرس پہ کھڑی براؤنی کھا رہی تھی اور وہ نیچے اپنی ماں کے ساتھ کھڑا تھا۔

وہ نکاح نامے پہ دستخط کر رہی تھی۔

وہ مالدیپ کے ساحل پہ ننگے پیر چل رہے تھے۔

زیاد نے زور سے اس کا بازو جکڑا تھا اور اسے دیوار پہ دھکا دیا تھا۔

وہ سرد کنٹینرز کے فرش پر بیٹھی تھی اور وہ اس کے سامنے کھڑا تھا۔

وہ اس کے عین سامنے آ کے رکی۔ کوئی پتا جوتے تلے آ گیا۔ چرمر کی آواز آئی۔

زیاد نے چونک کے سر اٹھایا۔ اسے دیکھ کے بے اختیار اٹھ کھڑا ہوا۔

وہ اس کی آنکھوں میں دیکھ رہی تھی۔ زیاد نے نظریں جھکا دیں۔ ہاتھ سے سامنے بیٹھنے کا اشارہ کیا۔ وہ پہلے سے کمزور لگ رہا تھا۔ داڑھی بھی بڑھ گئی تھی۔

مالا نے کراس باڈی بیگ کندھے سے نہیں اتارا۔ نہ ہی کوٹ کا بٹن کھولا۔ بس اسی طرح سامنے بیٹھ گئی، جیسے زیادہ وقت کے لیے نہ آئی ہو۔

"آنے کے لیے شکریہ!"

"میں تمہارے کہنے پہ نہیں آئی۔ تم میرے کہنے پہ آئے ہو۔" وہ سنجیدگی سے اس کی آنکھوں میں دیکھ رہی تھی۔ زیاد نے سر اثبات میں ہلایا۔

"بدر کا کچھ پتا چلا؟"

"میں بدر کے بارے میں بات کرنے نہیں آئی۔ اس کو میں ڈھونڈ لوں گی۔ میں اپنے اور تمہارے بارے میں بات کرنے آئی ہوں۔"

زیاد کے لیے اس کے الفاظ غیر متوقع تھے۔ وہ بس ٹکر ٹکر اس کا چہرہ دیکھنے لگا۔

"کیا مطلب؟"

"تم نے اس روز مجھ سے پوچھا تھا کہ کیا میں تمہیں کبھی معاف کر سکوں گی؟ اور مجھے لگا تھا میں تمہیں کبھی معاف نہیں کر سکوں گی۔ کیونکہ تم نے مجھے اذیت دی ہے، زیاد۔"

زیاد کا سر جھک گیا۔ ایسے جیسے وہ کبھی اس کے سامنے چہرہ نہیں اٹھا سکے گا۔

"تم میری ماں کے بھی قاتل ہو اور میری سینٹی کے بھی۔ تمہارے دیے ہوئے زخموں کی وجہ سے میں پچھلے پانچ سال سے شدید ٹراما کا شکار ہوں۔ شوہر تو بیوی کو مار کے آگے بڑھ جاتا ہے، لیکن ایبوزڈ ہوئی عورت کو کئی برس لگتے ہیں سنبھلنے میں۔ تمہاری وجہ سے میں نئی زندگی شروع نہیں کر سکتی۔ کیونکہ ہر مرد کو دیکھ کر مجھے یہ خوف آتا ہے کہ کہیں وہ زیاد سلطان جیسا نہ نکل آئے۔ تمہاری وجہ سے میں کسی مرد پہ اعتبار نہیں کر سکتی۔" وہ کسی غصے یا نفرت سے نہیں۔ بہت آرام اور سادگی سے بتا رہی تھی۔

زیاد نے چہرہ اٹھایا۔ اس کی آنکھوں میں آنسو تھے۔

"میرے الفاظ تمہارے زخم نہیں بھر سکتے۔ لیکن میں دل سے پشیمان ہوں۔ میری زندگی بہت تاریک ہے۔ پچھتاووں میں گھری ہوئی۔ میں اپنے کیے کی سزا کاٹ رہا ہوں اور کاٹتا رہوں گا۔ تمہیں کبھی بھی مجھے معاف نہیں کرنا چاہیے۔"

مالا نے سر نفی میں ہلایا۔

"میں نے بھی یہی سوچا تھا کہ میں تمہیں کبھی معاف نہیں کروں گی۔ کیونکہ اتنا سب کچھ کرنے کے بعد معافی بنتی ہی نہیں ہے۔ لیکن..." وہ دھیرے سے مسکرائی۔ اس کی آنکھوں میں پانی بھرنے لگا۔

"پھر مجھے کسی نے یہ سمجھایا کہ دوسرے کے گناہ کا بوجھ میرے دل کو نہیں اٹھانا چاہیے۔ ہم پرانے زخم یاد رکھیں گے تو نئی محبتوں کی جگہ دل میں کیسے بنے گی؟"

وہ بول رہی تھی اور اس خزاں آلود دوپہر میں زیاد سلطان بیٹھا بس اسے سن رہا تھا۔

"میں تمہارے دیے زخموں کو جب تک معاف نہیں کروں گی وہ بھریں گے نہیں۔ میں پانچ سال سے تمہارے دیے بوجھ اٹھا رہی ہوں۔ اور اب میں ان کو اپنے دل سے اتارنا چاہتی ہوں۔ میری ہیلنگ کی کنجی یہی ہے۔"

آنسو زیاد کے چہرے پہ پھسل کے بڑھی ہوئی شیو میں گم ہو رہے تھے۔

"اس لیے آج میں تمہارے پاس آئی ہوں۔ مجھے نہیں معلوم تم واقعی بدل گئے ہو یا یہ بھی تمہاری کوئی نئی چال ہے۔ لیکن میں تمہارے عمل کی جواب دہ نہیں ہوں۔ میں صرف..." مالا نے ہاتھ اپنے سینے پر رکھا۔ "اپنے دل کے لیے ذمہ دار ہوں، اور مجھے اپنے دل کو خالی کرنا ہے۔ ہر قسم کے گرج سے، بغض سے، نفرت سے، دکھ سے۔"

اس نے ہاتھ نیچے گرایا۔ وہ ابھی تک اس کی آنکھوں میں دیکھ رہی تھی۔ لیکن کسی ملامت سے نہیں۔ صرف ترس سے۔ ہمدردی سے۔

"آج میں تمہیں دل سے معاف کرتی ہوں، زیاد۔ ہر اس چیز کے لیے جو تم نے میرے ساتھ کی۔ کیونکہ میرا دل پرانے دکھوں کا بوجھ مزید نہیں اٹھا سکتا۔ تم نے باقی دنیا کے ساتھ جو بھی کیا وہ تمہارا اور اللہ کا معاملہ ہے۔ لیکن جو کچھ تم نے میرے ساتھ کیا، اس کے لیے میں تمہیں معاف کرتی ہوں۔"

زیاد کا چہرہ پھر سے جھک گیا۔ آنسو تھوڑی سے نیچے گر رہے تھے۔ اسے نہیں یاد اس نے ایسے خاموش انداز میں کبھی زیاد سلطان کو روتے دیکھا ہو۔

"بس یہی بتانا تھا۔ تم میری کسی بددعا کا حصہ نہیں ہو گے۔ مجھے تمہیں کوئی سزا ملتے نہیں دیکھنی۔ نہ میں چاہتی ہوں کہ میرا اور تمہارا کوئی حساب باقی رہے۔"

پھر وہ اٹھ کھڑی ہوئی۔ وہ بالکل نارمل تھی۔ پرسکون۔ چند لمحے کے لیے بھیگی آنکھیں پھر سے خشک

ہو چکی تھیں۔

زیاد نے گیلا چہرہ اٹھا کے اسے دیکھا۔ اس کے سارے الفاظ ختم ہو گئے تھے۔

"تمہارے لیے ایک نصیحت ہے۔ اگر تم واقعی دل سے نادم ہو تو خود کو بدل لو۔ زندگی پھر سے شروع کرو۔ اور اب کی بار اسے بہتر طور پہ گزارنا۔"

ملاقات کا وقت ختم ہو چکا تھا۔ وہ پلٹ گئی تو وہ بے اختیار کھڑا ہوا۔

"میں تمہاری زندگی سے بہت دور چلا جاؤں گا۔ بدر کے ملتے ہی۔ تم مجھے کبھی نہیں دیکھو گی۔ لیکن..."

گھاس پر چلتی کشمالہ رکی۔ پلٹ کے نہیں دیکھا۔

"لیکن میں واقعی اپنی زندگی کا ایک نیا صفحہ الٹ رہا ہوں۔ کلین سلیٹ۔ میں اپنی کتاب لکھ رہا ہوں۔" وہ جیسے ہچکچایا۔

"کیا تم میری کتاب پڑھو گی؟"

"نہیں۔" کشمالہ مبین بہت سکون سے اس کی طرف پلٹی۔ انہی نگاہوں سے اسے دیکھا۔ ان نگاہوں میں کچھ بھی نہیں تھا۔

"میں نہیں پڑھوں گی۔ تمہارے زخموں کو دل سے اس لیے نکالا تا کہ تم میری کسی یاد یا کسی حساب کتاب کا حصہ نہ رہو۔"

زیاد کے چہرے سے لگتا تھا کسی نے دوسری دفعہ اسے قید خانے میں ڈال دیا ہو۔

"لوگ غلط کہتے ہیں کہ محبت کا الٹ نفرت ہوتی ہے۔ محبت کا الٹ ان ڈفرینس ہوتا ہے۔ فرق نہ پڑنا۔ ایک دوسرے کے لیے بے معنی ہو جانا۔ جب تک نفرت تھی، تم میری بد دعاؤں کا حصہ تھے۔ اب نہیں رہو گے۔ میرا دل آج سے تمہارے دیے دکھ سے خالی ہے۔ خدا حافظ، زیاد سلطان!" اور وہ پلٹ گئی۔

اب گھاس پر تیز تیز چلتی وہ اس سے دور جا رہی تھی۔ وہ اس کے پیچھے نہیں آیا۔ وہ وہیں بینچ پر بیٹھ گیا اور سر میز پر رکھ دیا۔

پارک کے کنارے کشمالہ رکی اور مڑ کے اسے دیکھا۔ وہ سر ہاتھوں میں دیے رو رہا تھا۔ اس کی آنکھوں میں پانی بھرنے لگا۔ لیکن اس نے نفی میں سر ہلایا۔

پانچ سال بعد جیسے اس کا دل آزاد ہو گیا تھا۔

اتنا آزاد کہ اس لمبے چوڑے مرد کو روتے دیکھ کر بھی اسے کچھ محسوس نہ ہوا تھا۔

☆☆☆

لکڑی کے گھر کے اس کمرے میں ایک واحد زرد لیمپ جلا تھا۔

مالک فرید آنکھیں موندے بستر پر لیٹے تھے۔ ان کے بیڈ کو حال ہی میں ہسپتال کے بیڈ سے تبدیل کیا گیا تھا۔ ہاتھ کی پشت پر آئی وی لائن لگی تھی اور اسٹینڈ سے لگی ڈرپ قطرہ قطرہ جسم میں اتر رہی تھی۔

آہٹ پہ انہوں نے چونک کے آنکھیں کھولیں۔ چوکھٹ میں ماہر کھڑا تھا۔ کوٹ بازو پر ڈالے، بنا جوتوں کے، وہ یاسیت سے انہیں دیکھ رہا تھا۔ انہوں نے ابرو سے اشارہ کیا۔ اندر آ جاؤ۔

وہ سر جھکائے اندر آیا۔ اس کے قدم سست تھے۔ جیسے نڈھال اور شکست خوردہ ہو۔

نیم اندھیر کمرے میں بھی وہ اس کے چہرے پہ پھیلی ویرانی دیکھ سکتے تھے۔

وہ ان کے قریب کرسی کھینچ کے بیٹھا۔ گھٹنوں پر کہنیاں رکھیں، اور مٹھی ہونٹوں پر رکھے سر جھکا دیا۔

وہ سامنے دیوار کو دیکھتے رہے۔

چند لمحے اسی طرح گزر گئے۔ پھر ماہر سیدھا ہوا۔

"زارا نے...."

"جانتا ہوں۔" ان کی سرد آواز پہ اس نے بے اختیار ان کا چہرہ دیکھا۔ اس چہرے پہ کوئی تاثر نہ تھا۔ سوائے ہلکی سی اکتاہٹ کے۔ جو شاید تکلیف کا نتیجہ تھی۔

"یہ فیصلہ تم لوگوں نے اپنی مرضی سے کیا تھا۔ تب بھی کسی نے مجھ سے نہیں پوچھا۔ اب بھی اپنی مرضی سے توڑ رہے ہو۔"

ماہر نے زخمی نظروں سے ان کو دیکھا۔

"یہ اس کا فیصلہ ہے۔"

انہوں نے جواباً ایک سخت نظر اس پہ ڈالی۔

"میں نے تمہیں وارن کیا تھا۔ تم جب اس کو اپنی زندگی میں دوبارہ شامل کرو گے تو تمہاری زندگی پیچیدہ ہو جائے گی۔ تم زارا سے اور کس چیز کی توقع کرتے تھے؟"

ماہر کے کندھے ڈھلک گئے۔ اس نے سر جھکا دیا۔ آنکھیں بند کیے ہاتھ سے آنکھیں مسلنے لگا۔ وہ جیسے تھک چکا تھا۔

"زارا کو یہ فیصلہ نہ کرنا پڑتا اگر تم چند مہینے پہلے ایک غلط فیصلہ نہ کرتے۔"

ماہر نے دکھتی کنپٹی سہلاتے ہوئے پوچھا۔

"ہمارے فیصلے نے تمہیں ناخوش کیا ہے، مالک؟"

"خوش تو میں اس فیصلے پہ بھی نہیں تھا جو تم لوگوں نے مجھ سے پوچھے بنا کیا تھا۔" وہ اسی تلخی سے کہہ کے سامنے دیکھنے لگے۔ وہ ناخوش نہیں تھے۔ تکلیف میں تھے۔

چند لمحے اسی پژمردہ سی خاموشی کی نذر ہو گئے۔

"میں ہمیشہ زارا کا خیال رکھوں گا۔"

مالک فرید کے آئی وی لائن لگے ہاتھ میں ہلکی سی لرزش ہوئی۔ انہوں نے زور سے مٹھی میں چادر بھینچ لی۔ چہرہ البتہ پرسکون رہا۔

"میں تم سے صرف اتنا چاہتا ہوں کہ جو بھی ہو، تم ہمیشہ اس کی فیملی بنے رہو۔"

اس نے اثبات میں سر ہلایا۔ کندھے بوجھل تھے۔ دل بوجھل تھا۔ وہ مالک کا سامنا کیسے کرے گا، یہی سوال اس کو صبح سے کھائے جا رہا تھا۔ لیکن یہ ملاقات اس کی توقع سے بہتر تھی۔ اس کے دل کا بوجھ ہلکا ہو رہا تھا۔

"زارا میری فیملی ہے اور میں اس کی فیملی ہوں۔ ہم کبھی جدا نہیں ہوں گے۔"

مالک فرید نے اس بات پہ تبصرہ نہیں کیا۔ وہ اسی طرح دیوار پہ گرتے سایے دیکھتے رہے۔

"میں زارا کے لیے..."

"میرا مسئلہ اس وقت زارا نہیں، زیاد ہے۔"

انہوں نے ایک تیز نگاہ اس پہ ڈالی۔

"کیا اس نے تم سے رابطہ کیا؟"

ماہر نے اکتا کے کندھے اچکائے۔

"ابھی تک تو نہیں۔ لیکن کرے گا۔"

پہلی دفعہ مالک فرید کی آنکھوں میں تشویش سی ابھری۔

"مالا اس کے بارے میں کیا کہتی ہے؟"

"یہی کہ وہ نادم ہے، اسے پچھتاوا ہے، وغیرہ وغیرہ۔"

"تمہیں اس کے وغیرہ وغیرہ پہ یقین ہے؟"

ماہر نے جیسے بدمزہ ہو کے ناک سے مکھی اڑائی۔

"لوگ نہیں بدلتے۔"

مالک فرید نے غور سے اس کو دیکھا۔

"لوگ بدل بھی سکتے ہیں۔ لیکن شاید تم وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ زیادہ تلخ ہوتے جا رہے ہو۔"

ماہر نے پیچھے ٹیک لگائی۔ ٹانگ پہ ٹانگ جمائی اور بہت توجہ سے ان کو دیکھا۔

"زیاد کبھی نہیں بدلے گا۔ مالا اس کی ندامت پہ یقین کر سکتی ہے۔ میں نہیں۔"

"اور اگر تم غلط ہوئے؟ جیسے شاید تم سوزین کے بارے میں ہو۔ وہ اتنی بری نہیں ہے۔"

"جیسے میں کل پیدا ہوا تھا۔ ہونہہ!" ماہر فرید کا حلق تک کڑوا ہو گیا۔

مالک صاحب نے افسوس سے سر دائیں بائیں ہلایا۔ یہ طے تھا کہ وہ خود کو ہمیشہ انسانوں کا بہترین جج سمجھتا تھا۔ وہ اس کی رائے کو نہیں بدل سکتے تھے۔

"اگر زیاد واقعی نہیں بدلا تو اپنا انتقام لیے بغیر اس شہر سے نہیں جائے گا۔"

"میں زیاد سے نہیں ڈرتا۔"

ماہر بے زاری سے کچھ کہتے کہتے رکا۔ ایک دم چونک کے مالک کو دیکھا۔

"تمہیں اس کے بارے میں فکر کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ یہ میرا اور زیاد کا معاملہ ہے۔ تم مالک... "اس نے تنبیہی ابرو اٹھایا۔ "تم زیاد والے معاملے سے دور رہو گے۔"

عبدالمالک فرید نے اکتاہٹ سے کندھے اچکائے۔

"میں کیوں اس معاملے میں پڑوں گا؟ یہ تمہاری اپنی پیدا کردہ پیچیدگیاں ہیں۔ "ساتھ ہی منہ میں کچھ بڑبڑائے۔ ان کی تکلیف جسمانی بھی تھی اور وہ بڑھتی جا رہی تھی۔

ایک گہری سانس ماہر کے ہونٹوں سے خارج ہوئی۔ کندھے نیچے گر گئے۔ پھر اسے یاد آیا۔

"تمہارا کلینیکل ٹرائل جلد شروع ہونے جا رہا ہے۔ "اس کی آواز پست ہو گئی۔

ہاں دیکھتے ہیں۔ "عبدالمالک فرید بڑبڑائے۔ اکتاہٹ۔ بیزاری۔

"ہو سکتا ہے یہ دوا ٹیومر کو شرنک کر دے۔"

"اگر مجھے دوا لگی۔ کیا معلوم وہ مجھے placebo لگا دیں۔"

پھر اچانک سے چونک کے ماہر کو دیکھا۔ ماتھے پر لکیریں ابھریں۔

"اور میں تمہیں تنبیہہ کر رہا ہوں، ماہر فرید.... تم کسی بھی طرح میرے ٹرائل میں مداخلت نہیں کرو گے۔"

"میں ایسا کیوں کروں گا؟ ایسا سمجھتے ہو تم مجھے؟ چچ... "اس نے تعجب اور افسوس سے مالک کو دیکھا تھا۔

وہ چند لمحے اسے گھورتے رہے، پھر اطمینان سے سر ہلا دیا۔

وہ کچھ دیر ان کے پاس بیٹھا رہا۔ معمول کی باتیں کرتا رہا۔ وہ زارا کے موضوع پہ بات نہیں کرنا چاہتے تھے، وہ سمجھ گیا تھا۔

جب وہ جانے کے لیے اٹھا تو انہوں نے چہرہ اٹھا کے اسے دیکھا۔ ان کی آنکھوں میں اسی تشویش کی رمق دوبارہ دکھائی دی تھی۔

"احتیاط کرنا، ماہر۔ "وہ زیاد کی بات کر رہے تھے۔

وہ ہلکا سا مسکرا دیا۔ وہ زیاد سلطان سے نہیں ڈرتا تھا۔

ماہر کی کار کے انجن کی آواز انہیں کمرے میں سنائی دی تھی۔ پھر کار دور ہوتی گئی۔ تب انہوں نے گھنٹی بجائی۔ عمار تیزی سے کمرے میں آیا۔

"جی، سر؟" عمار نے پہلے کرسی درست جگہ پہ رکھی۔ پھر مؤدب سا ان کے ساتھ آ کھڑا ہوا۔

"کیا تم زیاد سلطان کو لوکیٹ کر رہے ہو؟"

عمار نے اثبات میں سر ہلایا۔

"جلد ہمیں اس کے بارے میں معلوم ہو جائے گا۔"

"مجھے ٹرائل شروع ہونے سے پہلے زیاد سلطان اپنے سامنے چاہیے۔ زندہ سلامت۔ "وہ بے چینی سے کہہ رہے تھے۔

عمار نے سر تسلیم خم کیا۔ پھر وہ جھجکا۔

"ماہر نے جاتے ہوئے مجھے تنبیہہ کی تھی کہ اگر آپ کہیں تب بھی میں زیاد سلطان کی تلاش میں نہ نکلوں۔ وہ نہیں چاہتا کہ ہم اس معاملے میں مداخلت کریں۔"

عبدالمالک فرید نے ہلکے سے کندھے اچکائے۔

"مجھے کسی کی اجازت کی ضرورت نہیں ہے۔" پھر ہاتھ سے اسے جانے کا اشارہ کیا۔

☆☆☆

ماہر کی کار اس پہاڑی سے نیچے اتر کے سنسان سڑک پر تیز دوڑ رہی تھی۔ رات گہری ہو رہی تھی اور وہ

علاقہ ویران تھا۔
ایک مخصوص مقام پہ پہنچ کے کار رکی۔ وہاں پہلے سے ایک چھوٹی نیلی کار کھڑی تھی۔ ڈرائیور اردل باہر نکلا اور پچھلی سیٹ کا دروازہ کھولا۔ نیلی کار کے ساتھ کھڑا شخص تیزی سے ماہر کے ساتھ والی خالی سیٹ پر بیٹھا اور دروازہ بند کیا۔ باہر سردی تھی اور کار اندر سے گرم تھی۔
"تمہاری امانت۔" ماہر نے پیروں کے قریب پڑا چرمی بیگ اپنے اور نووارد کے درمیان رکھا۔ داڑھی والا نوجوان قدرے ہچکچایا۔ ایک نظر بیگ کو دیکھا جو بھرا ہوا تھا۔ اور پھر ماہر کو جو اسے دیکھ رہا تھا۔
"یہ قانوناً جرم ہے۔ میرا میڈیکل لائسنس معطل ہو سکتا ہے۔"
"لیکن اس کے بدلے میں تم ساری عمر کے لیے مجھے خرید لو گے۔"
اس نے اثبات میں سر ہلایا۔ بیگ کے اسٹریپ پر ہاتھ رکھے۔ پھر تھوک نگلا۔
"میں اس بات کو یقینی بناؤں گا کہ عبدالمالک فرید کو placebo نہیں، اصل دوا لگے گی۔ لیکن ماہر بے..... "وہ ہچکچایا۔ "یہ دوا کا ٹرائل ہے۔ کوئی گارنٹی نہیں ہے کہ یہ اثر بھی کرے گی۔"
ماہر کے چہرے پہ زخمی سا تاثر ابھرا۔
"جانتا ہوں۔ لیکن مجھے آخری کوشش کرنی ہے۔"
"اور اگر میں پکڑا گیا؟"
"کیسے پکڑے جاؤ گے؟ کیش دے رہا ہوں۔ کوئی ثابت نہیں کر سکے گا کہ ہمارے درمیان لین دین ہوا ہے۔"
میل نرس نے سر ہلایا، بیگ تھاما اور دروازہ کھولنے لگا جب ماہر نے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھا۔
وہ چونک کے پلٹا۔
"اگر دوا نے کام نہ کیا اور مالک مر گیا، تب بھی..... تب بھی میں تمہارا مقروض رہوں گا۔" وہ اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے پورے یقین سے کہہ رہا تھا۔
نرس نے اثبات میں سر ہلایا۔ اگلے ہی لمحے وہ بیگ لے کر کار سے باہر جا چکا تھا۔
"مالک بے ایسا نہیں چاہتے تھے۔" فربہ ڈرائیور اردل نے کار دوبارہ اسٹارٹ کرتے ہوئے افسوس سے بیک ویو مرر میں اسے دیکھا۔
"مجھے کسی کی اجازت نہیں چاہیے، اردل۔" وہ اب کھڑکی سے باہر دیکھ رہا تھا۔
سیاہ آسمان دھیرے دھیرے برسنے لگا تھا۔

☆☆☆

بارش ابھی ابھی تھمی تھی۔ بالکونی شدید سرد تھی۔ لیکن وہ پھر بھی ڈھٹائی سے وہاں بچھے کاؤچ پر بیٹھی تھی۔ اس روز کی نسبت آج اس نے گرم کپڑوں کی تہیں پہن رکھی تھیں۔ پیر میز پہ جما رکھے تھے اور اونی کمبل کندھوں کے گرد لپٹا تھا۔ وہ چھت پہ جھولتے بلب کی روشنی میں ایک کتاب پڑھ رہی تھی ..... جب برابر میں دروازہ سلائیڈ ہونے کی آواز آئی۔
مالا کی توجہ کتاب سے ہٹ گئی۔ رک کے آواز سننی چاہی۔ اگر آج بھی ماہر کے ساتھ کوئی تھا تو وہ پہلی آواز سنتے ہی اندر چلی جائے گی۔
دروازہ سلائیڈ کر کے بند ہوا اور خاموشی۔ کرسی کھینچنے کی آواز۔ وہ بھی شاید بارش کے بعد کا آسمان، پانی اور اس کے کنارے کھڑی کشتیاں دیکھنا چاہتا تھا۔
چند لمحے خاموشی کی نذر ہو گئے۔
وہ دونوں دیوار کے آر پار بیٹھے تھے۔ ایسے کہ ایک دوسرے کو دیکھ نہیں سکتے تھے۔ دیوار سے آگے ریلنگ تھی۔ وہ چند قدم چل کے آگے جاتی تو اس کو دیکھ پاتی۔ لیکن وہ وہاں سے نہیں اٹھی۔
"کیسے ہو؟" اونچا سا پکارا۔
کرسی دھکیلی گئی۔ اٹھنے کی آواز۔ تیز قدم۔ پھر وہ ریلنگ کے ساتھ دکھائی دیا۔ گردن نکال کے

جھانکتا۔ چہرے پہ حیرت تھی۔

"یہاں سے آواز اس طرف جاتی ہے؟ مجھے نہیں معلوم تھا۔ کوئی ہمسایہ نہیں تھا اتنے عرصے سے۔"

وہ ٹراؤزرز پہ سویٹر پہنے کھڑا خوش گوار حیرت سے بالکونی کی ساخت دیکھ رہا تھا۔ وہ کاؤچ پر یوں نیم دراز تھی کہ پیر میز پر تھے اور کمبل سارے وجود کے گرد۔

"میں نے پوچھا، کیسے ہو؟"

ریلنگ پر بازو رکھے کھڑا ماہر مسکرایا۔

"کیسا لگ رہا ہوں؟"

"افسردہ۔ دکھی۔" اس نے کتاب نیچے کی۔ پھر پیر اتارے۔

"زارا نے مجھے انگوٹھی واپس کردی۔"

وہ جو کتاب رکھ کے اٹھ رہی تھی، ایک دم ششدر رہ گئی۔ لمحے بھر کے لیے کچھ کہہ نہ سکی۔

"کیا مطلب؟"

"اس نے رشتہ توڑ دیا ہے۔" وہ اب مالا کی طرف سے پلٹ گیا تھا۔ اور ریلنگ پہ کہنیاں جمائے یوں کھڑا ہو گیا کہ پشت اپارٹمنٹ کی طرف تھی اور چہرہ سامنے پانی کی طرف۔

"کیوں؟"

وہ اسی کے انداز میں آ کھڑی ہوئی۔ کہنی ریلنگ پہ رکھی لیکن رخ ماہر کی جانب موڑ لیا۔

دونوں کی بالکونیوں کے درمیان ایک فٹ کا خلا تھا۔ ادھر پیر پھسلا اور نیچے کھائی۔

ایسا خلا جس کو پار کیا تو واپس آنا ممکن نہ تھا۔

"اس نے چند وجوہات بتائیں۔ اس وقت مجھے یقین آ گیا۔ اب سوچوں تو لگتا ہے کچھ مسئلہ ہے۔"

مالا نے تھوک نگلا۔

"اور مالک صاحب؟"

"وہ اتنا دکھی نہیں تھا جتنی مجھے توقع تھی، جس کا مطلب ہے..." ماہر نے گردن موڑ کے اسے غور سے دیکھا۔

"کچھ ایسا ہے جو میں نہیں جانتا۔ شاید اس کا تعلق اس بات سے ہے جو تم نے مالک کو کہی تھی۔ لیکن میں تم سے نہیں پوچھوں گا۔ سارے سچ اپنے وقت پہ کھل ہی جاتے ہیں۔"

مالا نے کندھے اچکائے اور سامنے دیکھنے لگی۔

پانی کے کنارے بندھے کشتیوں میں لگے قمقمے روشن تھے اور فولڈنگ چیئرز پہ دو بوڑھے آدمی بیٹھے پیالیوں میں قہوہ انڈیل رہے تھے۔

"میں آج زیاد سے ملی۔"

ماہر کے ابرو بے یقینی سے اٹھے۔

"کیا اس نے تمہیں...." تیزی سے کہنے لگا جب...

"میں نے اسے بلایا تھا، ماہر۔ مجھے اس سے بات کرنی تھی۔"

"بدر کو ڈھونڈنے کے لیے؟"

"اس کی معافی قبول کرنے کے لیے۔" وہ اب کے پوری اس کی جانب گھوم گئی۔

"اس نے پچھلی ملاقات میں مجھ سے معافی مانگی تھی۔ لیکن میں نے اسے اس کے لیے معاف نہیں کیا تھا۔ مگر آج.... آج میں نے اسے اپنے لیے معاف کر دیا۔"

ماہر فرید کے چہرے پہ کڑواہٹ سی ابھری۔

"ہاؤ سویٹ.... یعنی تمہیں لگتا ہے وہ بدل گیا ہے؟"

"وہ بدلے یا نہ بدلے۔ وہ اپنے عمل کے لیے جواب دہ ہے اور میں اپنے دل کے لیے۔ مجھے اپنا دل ہلکا کرنا تھا کیونکہ میں ایک بوجھ لیے جی رہی تھی۔ دوسروں کے لیے نفرت، غم، ان کے دیے ہوئے زخم یاد رکھنا، یہ سب بوجھ ہیں جو ہمیں موو آن نہیں کرنے دیتے۔ جب تک میں زیاد کو معاف نہیں کروں گی، میرا دل سیاہ رہے گا۔"

ماہر نے افسوس سے گردن دائیں بائیں ہلائی۔

"ٹچنگ"، لیکن وہ نہیں بدلے گا۔ یاد رکھنا۔ میں

انسانوں کے بارے میں غلط نہیں ہوتا۔

"تم ایک دفعہ اس کے بارے میں غلط ہو چکے ہو۔ جب تم نے کہا تھا کہ اس نے بدر کو اغوا کیا ہے۔ اور کوئی نیا سرکار نہیں ہے۔"

وہ مسکراہٹ دبائے اسے دیکھ رہی تھی۔

"او کے۔ ایک دفعہ غلط ہو سکتا ہوں۔ مانا کہ اس نے بدر کو اغوا نہیں کیا۔ لیکن ہر دفعہ میں غلط نہیں ہوں گا۔"

وہ دونوں اب اپنی اپنی بالکونی پہ ایک دوسرے کی طرف رخ کیے کھڑے تھے۔

"اگر تمہیں اس کو معاف کرنا خوش کرتا ہے، تو ٹھیک ہے۔ لیکن وہ نہیں بدلے گا۔"

"تمہیں ایک نصیحت کروں، ماہر؟"

"پلیز مت کہنا جو کہنے جا رہی ہو۔"

"یہ کہ تم بھی معاف کر دو....."

ماہر کی مٹھیاں بھنچ گئیں اور ماتھے پہ تیوریاں در آئیں۔

"سوری، مالا۔ لیکن میں زیاد کو کبھی معاف نہیں کر سکتا۔ میرے باپ کی تکلیف، میری ماں کا قتل، ہلال کی آنکھیں، میرے وہ اسائلم میں گزرے مہینے... میں کچھ نہیں بھولا... اور... اور اتنا سب ہونے کے بعد تم مجھے یہ نہیں کہہ سکتیں کہ میں نگینہ یا زیاد کو معاف کر دوں، کیونکہ میرا زیاد سے حساب...."

"میں ان کو معاف کرنے کے لیے نہیں کہہ رہی۔"

وہ بولتے بولتے رک گیا۔ آنکھوں میں تعجب ابھرا۔

"پھر کس کو؟"

"اپنی ماں کو معاف کر دو۔"

ایک لمحے کے لیے دونوں بالکونیاں منجمد ہو گئیں۔ جیسے ان دیکھی برف باری نے انہیں مجسم کر دیا ہو۔ وہ کتنی ہی دیر کچھ بول نہ سکا۔

"اپنی ماں کو معاف کر دو، ماہر۔" وہ اسی نرمی سے کہہ رہی تھی۔

ماہر نے چہرہ پانی کی طرف پھیر لیا۔ حلق میں گیلی گیند اکٹھی ہونے لگی جسے اس نے نیچے دھکیل دیا۔

"سب انسان اتنے عقل مند نہیں ہوتے کہ ریڈ فلیگ وقت پہ دیکھ سکیں۔ نہیں نظر آئے تمہاری ماں کو شمس کے ریڈ فلیگ۔ انہوں نے وہ کیا جو ان کو اپنے لیے بہتر لگا۔ جیسے میں نے کیا تھا۔ جیسے اکثر عورتیں اور مرد کرتے ہیں۔ مانا کہ انہوں نے تمہیں دکھ دیا۔ تمہارے باپ کو دکھ دیا۔ لیکن ... تم ان کو معاف نہ کر کے اپنے ساتھ زیادتی کر رہے ہو۔"

"مجھے ان سے کوئی گلہ نہیں ہے۔ معافی کی کیا بات ہے پھر؟"

اس نے سر جھٹکا۔ وہ اب بھی کشتیوں کو دیکھ رہا تھا۔

"گلہ ہو یا نہ ہو، تم نے انہیں معاف نہیں کیا۔ جس دن کر دو گے، تمہارا دل بھی اتنا ہلکا ہو جائے گا جتنا میرا۔"

چند لمحے خاموشی سے گزر گئے۔ وہ کچھ نہیں بولا۔ تب وہ کھنکھاری۔

"پرپل کیوں؟"

ماہر نے چہرہ نہیں موڑا لیکن وہ اس کی بے ساختہ مسکراہٹ دیکھ سکتی تھی۔

"اور میں کیوں بتاؤں گا؟"

"کیوں نہیں بتاؤ گے؟"

"مادام۔" وہ اس کی طرف گھوما اور سوچ سوچ کے لفظ ادا کرنے لگا۔ "آپ نے ابھی تک میری قرمزی عمارت کے لیے کچھ اچھا نہیں بنایا۔"

کمبل لپیٹے کھڑی سرخ ناک والی لڑکی نے ابرو بھینچ لیے۔

"ہر چیز تمہارے لیے بزنس ڈیل کیوں ہوتی ہے؟"

"اور آپ کو چاہیے کہ اپنے سائز کی ٹوپی خریدیں۔" اس کی تنگ ٹوپی کی جانب اشارہ کیا جس

کا پوم پوم ہوا میں کھڑا تھا۔ البتہ ٹیگ شاید وہ اتار چکی تھی۔

"خرید لوں گی، جب تم میرے پانچ سو پینتیس لیرا واپس کرو گے۔" آنکھیں گھما کے بولی اور گڈ نائٹ کہہ کے پلٹ گئی۔

وہ ہنس دیا اور جیب تک ہاتھ لے کر گیا۔ لیکن وہ دیکھ سکتا تھا کہ وہ واپس نہیں آنے والی۔ دروازہ سلائیڈ ہو گیا اور وہ بالکونی میں تنہا رہ گیا۔

"پانچ سو پینتیس لیرا۔" وہ مسکراتے ہوئے واپس ریلنگ پہ جھک گیا۔

بارش سے گیلا شہر اسی مسکراہٹ سے اسے دیکھ رہا تھا۔

☆☆☆

وہ کیف کی ایک بے رونق اور مصروف صبح تھی۔

آفس کیبنز میں نظر آتے سروں کی تعداد آج پہلے سے کہیں زیادہ تھی کیونکہ آج کسی کا بھی ورک فرام ہوم ڈے نہیں تھا۔ آج کے دن سب آفس آئے تھے۔

سوائے ماہر فرید کے۔

وہ کسی کو صبح سے دکھائی نہیں دیا تھا۔ کچھ چہ مگوئیاں البتہ آفس میں گردش کر رہی تھیں۔ فنانس والی اسمارا نے کہا کہ زارینہ فرید سے منگنی ٹوٹنے کے بعد وہ دل برداشتہ ہے۔ اور کچھ عرصے کے لیے دنیا سے کنارہ کش ہو چکا ہے۔ لیڈ آرکیٹکٹ بارش کا کہنا تھا کہ وہ مالک بے کی بیماری کے باعث مصروف ہے۔ البتہ کافی بوائے اوزان نے ایک ایک شخص کو دانت نکالتے ہوئے خبر دی کہ ان کے سائیکو پیتھ باس کو بیر بل کی بیکری پہ کسی لڑکی کے ساتھ زارا نے دیکھ لیا تھا اور پھر کسی ریسٹوران میں جا کے منگنی کی انگوٹھی واپس کر دی اور کہا کہ دروازہ اس طرف ہے۔ غصے میں ماہر نے ساری بیکری کے عملے کو جاب سے فارغ کر دیا۔

"اگر زارا نے اسے بیکری پہ دیکھا تھا، تو منگنی ریسٹوران میں کیوں توڑی؟"

کسی نے سنجیدگی سے اوزان سے پوچھا تو وہ ٹرے اٹھائے منہ بناتا ہوا وہاں سے چلا گیا۔

"سارے آفس کو اس کی منگنی ٹوٹنے کا کیسے علم ہوا؟" وہ جب اپنی خالی اسکرین کو دیکھ دیکھ کے بے زار ہو گئی تو کرسی کے پہیے دھکیل کے شبنم کے قریب لے گئی۔

اس نے عینک کے پیچھے سے مالا کو گھورا۔

"بادشاہ کو اپنی اتنی خبر نہیں ہوتی جتنی درباریوں کو ہوتی ہے۔" پھر سوچ کے پین دانتوں میں دبایا۔ "تمہیں معلوم ہے وہ کہاں ہیں؟"

"میں اس کی سیکرٹری نہیں ہوں۔" بدمزہ ہو کے وہ واپس اپنے ڈیسک پہ چلی گئی۔ زارا سے منگنی ٹوٹنے پہ سب کی گپ شپ اسے بری نہیں لگ رہی تھی۔ ہر قسم کی رائے اور اندازے سن سن کے وہ مسلسل مسکرا رہی تھی۔ پھر خود کو سرزنش کی۔ اُف مالا۔ کتنی بری بات ہے۔

تب ہی فون زوں زوں کرنے لگا۔ بلاکڈ نمبر۔ اس کی مسکراہٹ گہری ہوگئی۔

"یہی چاہتے تھے نا تم۔ کہ ان دونوں کی منگنی ٹوٹ جائے۔" کان میں ایئر پوڈ گھساتے ہوئے اس نے سیٹ پہ ٹیک لگائی۔

"نہیں، مالا۔ میں چاہتا تھا کہ تم اس کو بتاؤ۔"

"ایک ہی بات ہے۔ تم نے کہا تھا تم بدر کو..."

"ناں ناں ناں..." وہ جیسے مسکرا رہا تھا۔ "ایسے صلح صفائی سے منگنی نہیں تڑوائی تھی میں نے۔ مجھے کے اوس چاہیے تھا۔ ڈرامہ۔ زارا کی ہتک۔ مگر تم نے... چچ چچ... تم نے اپنے حصے کی ڈیل پوری نہیں کی۔"

"مجھے معلوم تھا تم یہی کرو گے۔ تم اسے خود سے نہیں چھوڑو گے۔"

"تم بدر کی اتنی فکر نہ کرو۔ وہ بالکل ٹھیک ہے۔ ایک نرس اور نینی اس کے ساتھ ہیں۔"

وہ تیزی سے سیدھی ہو کے بیٹھی۔ چہرے پہ بے قراری امڈ آئی۔

"وہ... کھانا کھاتا ہے ٹھیک سے؟" آنکھیں

بھیگ گئیں۔
"کھانا اتنا بڑا مسئلہ نہیں ہے۔ بس بولتا نہیں ہے۔ پیچ....."
آنسوؤں کا گولہ اس نے جبراً حلق سے نیچے دھکیلا۔ پھر آواز دھیمی کی۔
"یعنی تم اس کو نہیں چھوڑو گے؟"
"اوں ہوں۔ تم نے میری بات نہیں مانی۔"
"جب وہی ہوا ہے جو تم چاہتے تھے تو....."
"تم نے کچھ نہیں کیا۔" وہ درشتی سے کہہ رہا تھا۔ "زارا کو ڈر تھا کہ تم ماہر کو بتادو گی۔ اس نے یہ اس لیے کیا ہے تاکہ تمہارے پاس ماہر کو بتانے کی وجہ نہ رہے۔"
وہ جیسے اس سے مایوس ہوا تھا۔
اور کشمالہ مبین کے ہونٹوں پر مسکراہٹ ابھری۔
"ایک ماں کو اس کے بچے سے الگ کرنا بہت بڑا گناہ ہے، عالیان۔ جانتے ہو ماں کس تکلیف سے گزرتی ہے؟"
"اوہ پلیز..... تم مجھے کسی گلٹ ٹرپ پہ نہیں بھیج سکتیں۔"
"اور میں یہ گناہ نہیں کر سکتی۔"
دوسری جانب خاموشی چھا گئی۔
"میں ایک ماں کو اس کے بیٹے سے جدا نہیں کر سکتی۔ اسی لیے میں نے کل کبیرہ تائی کو کال کر کے بتادیا کہ میں نے ان کے بیٹے کو ڈھونڈ لیا ہے۔"
وہ سانس تک نہ لے سکا۔
"پہلے تو انہوں نے یقین نہیں کیا۔ مجھے جھوٹا اور پتا نہیں کیا کیا کہا۔ لیکن جب میں نے ان کو تمہارا اسکیچ دکھایا تو وہ پہچان گئیں۔ اور وہ اتنی خوش ہوئیں کہ میری مامتا کو بھی سکون آگیا۔ گیس واٹ.... وہ پہلی فلائیٹ سے استنبول آرہی ہیں۔"
خاموشی۔ گہری خاموشی۔ اور پھر...
"واٹ؟" اسے اس کی دبی دبی غراہٹ سنائی دی۔
"تمہارے پاس میرا بیٹا ہے تو میرے پاس تمہاری ماں ہے، عالیان۔"
مسکرا کے فون نیچے کیا اور کال کاٹ دی۔
کرسی پہ ٹیک لگائے اس نے اسے دائیں بائیں گھمایا۔ بہت دن بعد آج وہ ایسے مکمل کے مسکرائی تھی۔
اور تب ہی میسج ٹون بجی۔ ماہر فرید۔ بالآخر۔ اس نے گہری سانس لے کر میسج کھولا۔
وہ باہر اس کا انتظار کر رہا تھا۔
☆☆☆
وہ ایک خستہ حال اپارٹمنٹ بلڈنگ تھی۔ پشت پہ کھڑکیاں تھیں جہاں تاروں پہ رنگ برنگے کپڑے لٹکتے دکھائی دے رہے تھے۔ بلڈنگ کے دامن میں کوڑے کے سیاہ بورے نما شاپر بھرے ہوئے رکھے تھے اور دو تین بلیاں ان کے گرد منڈلا رہی تھیں۔ ایک گاربیج ٹرک قریب میں رکا کھڑا باری باری کچرا دانوں کو اٹھا کے اندر انڈیل رہا تھا۔
ایک سفید ایس یو وی تیزی سے باہر پارک ہوتی دکھائی دی۔ نیلے کوٹ والی سوزین تیزی سے باہر نکلی، ریموٹ سے کار لاک کی اور بھاگتے ہوئے بلڈنگ میں داخل ہوئی۔ ٹھک ٹھک ٹھک۔ وہ عجلت میں زینے چڑھ رہی تھی۔
مطلوبہ فلور تک پہنچنے سے پہلے ہی وہ پرس کھنگالنے لگی۔ ایک چابیوں کا گچھا باہر نکالا۔ تین زینے مزید عبور کیے..... اور پھر رک گئی۔
زینوں کے درمیان۔ ساکت۔ جامد۔
وہ بالائی زینے پر بیٹھا تھا۔ لمبا گرے کوٹ پہنے۔ فرصت سے۔ ایک بوٹ نچلے اور ایک بوٹ اس سے نچلے زینے پر جما تھا۔ کمر دیوار سے لگائے، انگلیوں میں سلگتا ہوا سگار تھا۔

ماہر بے؟ آپ؟" سوزین کی رنگت سفید ہونے لگی۔

"ہاں۔ میں۔ اوہ سوری۔" اس نے سگار کا جلتا حصہ مٹھی ڈبیا میں جھٹکا۔ "تمہیں شاید گیس کمپنی نے کال کی تھی۔ گیس لیکیج کی بدبو آئی تھی انہیں۔ ڈونٹ وری۔ غلط فہمی ہوئی تھی ان کو۔"

سوزین کا چہرہ گلابی ہونے لگا۔

"آپ یہاں.... کیا کر رہے ہیں؟" اس کی آواز حلق سے غراہٹ کی صورت نکلی۔

"ریئل اسٹیٹ۔" سیڑھیوں پر بیٹھا آدمی مسکرایا۔

سوزی نے لب بھینچ لیے اور سینے پہ دونوں ہاتھ باندھے۔

"تمہارے اندر بہت صبر ہے، سوزین۔ لیکن میرے بھائی کا وقت قیمتی ہے۔ اس لیے میں چاہتا ہوں کہ ہم کھل کے بات کریں۔" اس نے گردن موڑ کے پیچھے دکھائی دیتے اپارٹمنٹ کے دروازے کو دیکھا۔

"یہ تمہارا اصل اپارٹمنٹ ہے۔ کرائے کا اپارٹمنٹ، کیونکہ اس سے زیادہ تم افورڈ نہیں کر سکتی تھیں۔ تمہاری پریکٹس تمہارا لائف اسٹائل قائم رکھنے کے لیے ناکافی ہے۔ تمہارے باپ نے ساری عمر ایمان داری سے نوکری کی۔ اس نے کچھ نہیں چھوڑا تمہارے لیے۔"

سوزی آنکھیں چھوٹی کر کے اسے دیکھتی خاموشی سے سنتی گئی۔

"لیکن مجھے یقین ہے کہ تم نے یہ اپارٹمنٹ بیربل کو نہیں دکھایا۔ بیربل کو تم ہمیشہ اپنی دوست کے اپارٹمنٹ لے کر جاتی ہو۔ وہی دوست جو کمیشن پہ ہائی اینڈ بیگز بیچتی ہے۔ اس اپارٹمنٹ میں تمہارے دو بیگز ہیں صرف۔ اصلی بیگز۔ لاکھوں کی مالیت کے بیگز۔ اسی لیے تم گیس لیکیج کا سن کے چلی آئیں۔ ان بیگز کے سوا تمہارے سارے بیگز اور جیولری رینٹ کی ہوتی ہے۔"

"آپ یہ ثابت نہیں کر سکتے۔"

"مجھے ثابت نہیں کرنا۔ نہ میں اس گفتگو کو ریکارڈ کر رہا ہوں۔ مجھے صرف تمہیں یہ بتانا تھا کہ میں تمہاری اصلیت جانتا ہوں۔ کیونکہ اب میں تمہارے ڈرامے سے تنگ آنے لگا تھا۔ اور جانتی ہو مجھے کیسے معلوم ہوا؟"

وہ اسی طرح دیوار سے ٹیک لگائے بیٹھا مسکراتے ہوئے کہہ رہا تھا۔

"تمہارے باپ کی وجہ سے۔ وہ مالک کا دوست تھا۔ اچھا آدمی تھا۔ وہ تمہارا یہ لائف اسٹائل افورڈ نہیں کر سکتا تھا۔ اس کا مطلب ہے کہ اس لائف اسٹائل سے تمہیں کسی مرد نے متعارف کروایا تھا۔ بعد میں اس مرد نے تمہیں چھوڑ دیا ہوگا۔ سو تمہیں پھر سے ایک مرد چاہیے تھا جس کی وجہ سے تمہارا لائف اسٹائل قائم رہ سکے۔"

سوزین نے پرس میں ہاتھ ڈالا۔ ایک چیونگم نکالی اور منہ میں رکھی۔ پھر اسے چباتے ہوئے ماہر کی آنکھوں میں خاموشی سے دیکھے گئی۔

"انسان نہیں بدلتے۔ تم وہی سوزین ہو جس نے میرا کیس لڑا تھا۔ اور مجھے یاد ہے.... ہم کیس کے لیے کئی کئی گھنٹے کام کرتے تھے۔ لیٹ نائٹ میٹنگز۔ اگلی پیشی کی تیاری۔ میں کچھ بھی نہیں بھولا۔ تم مجھے بھی ہنٹس دیتی تھیں۔ اور میں نے بہت شائستگی سے معذرت کر لی تھی۔ کیونکہ میں وہ مرد نہیں بن سکتا تھا۔ سو تم کسی اور کی طرف چلی گئیں۔ اس وقت بیربل کے پاس اس کی دولت نہیں آئی تھی۔ تب وہ کسی کام کا نہیں تھا۔ اب ہے۔"

"سو واٹ اگر میں امیر نہیں ہوں؟" وہ چیونگم چبانا روک کے مسکرائی۔ "بیربل کو مجھ سے پیسے نہیں چاہئیں۔ اور میں نے پری نپ سائن کیا ہے۔" جیسے یاد دلایا۔

"اور اسی سے میں سمجھ گیا تھا کہ تم کیا چاہتی ہو۔ تمہیں طلاق لے کر دولت کے دو حصے نہیں کرنے۔ تمہیں اس شادی کے دوران ہی زیادہ سے زیادہ اثاثے اپنے نام کروانے ہیں۔ اگر پری نپ سائن نہ کیا ہوتا تو بیربل کو چھوڑنے کے بعد تمہیں ہر اس چیز کے دو حصے کرنے ہوں گے جو وہ بے وقوف تمہارے نام لگاتا جائے گا۔"

"کون کس کے اثاثوں کے پیچھے ہے، یہ وقت

بتائے گا۔ "وہ بہت تیزی سے سنبھل گئی تھی۔البتہ اس کا لہجہ بدل گیا تھا۔ "آپ کو اس کیس کی باتیں یاد ہیں تو مجھے بھی یاد ہے کہ کیسے آپ نے بیربل کے نام پراپرٹی خریدی ہوئی ہے ٹیکس بچانے کے لیے۔ خود اس کو بھی نہیں معلوم کہ اس کے نام کیا کیا ہے۔"

ماہر کی مسکراہٹ تھمی۔ سگار کا سرا زمین سے مسلا۔

"یقیناً شادی سے پہلے تم نے اس کی تمام پراپرٹی کی تفصیلات نکلوائی ہوں گی۔"

"آ گرل ہیز ٹو ڈو ہر ہوم ورک" اس نے مسکرا کے کندھے اچکائے۔

"اور وہ میرا شوہر ہے۔آپ ہمیں الگ نہیں کر سکتے۔ وہ مجھ سے محبت کرتا ہے اور میرے لیے کچھ بھی کر سکتا ہے۔اور جانتے ہیں وہ سب سے پہلے کیا کرے گا؟"

"کیا؟"

"اگلے ہفتے میری برتھ ڈے ہے۔اور اس نے مجھ سے کچھ دن پہلے پوچھا تھا کہ مجھے کیا چاہیے۔" وہ اب ایک لٹ کو انگلی پر لپیٹ رہی تھی۔ "اور میں نے اسے بتایا کہ مجھے نشاطی میں ایک پریمیم لوکیشن پہ اپنا آفس بنانا ہے۔میری اپنی لاء فرم۔"

ماہر نے تحسین سے ابرو اٹھائے۔ "ویل ڈن۔اسی لیے اسے بیکری کے اسٹاف کو فارغ کرتے ہوئے ہچکچاہٹ نہیں ہوئی۔"

سوزی نے مسکرا کے کندھے اچکائے۔وہ دونوں ابھی تک زینوں کے درمیان کھڑے تھے۔

"اس میں غلط کیا ہے، ماہر بھائی؟ وہ اپنی بیکری مجھے گفٹ کر رہا ہے اور میں اس میں اپنی لاء فرم بنانے جا رہی ہوں۔اب صرف انٹیریئر کے لیے مجھے ایک اچھا سا نقشہ چاہیے۔آپ کی فرم کا کوئی آرکیٹیکٹ ہیلپ کر دے گا نا؟ فیملی ڈسکاؤنٹ؟" دو دفعہ پلکیں جھپکائیں۔

وہ چند لمحے اسے دیکھتا رہا۔اس کی ٹون، اس کے کھڑے ہونے کا انداز سب بدل گیا تھا۔یہ وہی عورت تھی جو اس کی وکیل تھی اور جس کی شخصیت کو وہ بہت اچھی طرح سے سمجھ چکا تھا۔

"تم نے کبھی ان اٹینشنل بلائنڈ کے بارے میں سنا ہے؟"

"آپ بتا دیں۔"

"جب انسان دور کی چیزوں پہ اتنا فوکس کرے کہ سامنے کی شے دکھائی نہ دے۔ "وہ سگار قریب رکھے ٹریش کین میں اچھالتا اٹھ کھڑا ہوا۔کوٹ جھاڑا۔

"میں جانتا تھا شادی سے پہلے تم نے بیربل کے نام موجود تمام اثاثوں کی لسٹ نکلوائی ہوگی۔ساری کیلکولیشن کر کے شادی کی ہوگی۔لیکن تمہاری inattentional blindness (عدم توجہی کے باعث اندھے پن) نے تمہیں ایک چیز کے بارے میں بھی سوچنے ہی نہیں دیا۔"

زینے اتر کے وہ اس سے ایک زینہ نیچے جا رکا۔اب وہ دونوں برابر کھڑے تھے۔

"کیا کہنا چاہ رہے ہیں؟"

"بیکری بیربل کی نہیں ہے۔"

سوزین کے ابرو ناچھی سے اکٹھے ہوئے۔

"کیا مطلب؟ وہ اس کی بیکری..."

"بیکری میرے نام پہ تھی کیونکہ وہ بیربل نے اس وقت بنائی تھی جب اس کو اس کے حصے کی جائیداد نہیں ملی تھی۔اس میں ابتدائی انویسٹمنٹ میں نے کی تھی اور اسے اپنے نام پہ رکھا تھا۔اس کا خسارہ بھی کئی دفعہ میں نے پورا کیا تھا۔"

سوزی پلک تک نہ جھپک سکی۔

"تم نے ہر چیز چیک کر لی سوائے بیکری کے۔کیونکہ اس کا نام "بیربل کی بیکری" ہے۔تمہیں لگا وہ قانونی طور پہ بھی اسی کے نام ہوگی۔"

سوزی نے تھوک نگلا۔جبراً مسکرائی۔

"پھر کیا ہوا؟ آپ بیربل کے سامنے برے نہیں بننا چاہیں گے۔آپ کے ایک دستخط سے وہ اس کی ہو جائے گی۔"

"اچھا؟"

"ہاں نا۔وہ آپ کے سامنے کاغذات رکھے گا اور اگر آپ نے سائن نہ کیے تو اس سے کیا ثابت

ہوگا؟ یہی کہ بیریل کی دولت کا لالچ آپ کو ہے۔"

"میں نے بیکری بیچ دی ہے۔"

سوزین کا منہ کھل گیا۔ شاک۔ صدمہ۔

"کیا مطلب؟" اس کی آواز کسی کھائی سے آتی سنائی دی۔

لیکن وہ زینے اترتا نیچے جا رہا تھا۔

"وہ.... وہ اتنی پریمیئم لوکیشن پہ تھی۔ آپ اسے ایسے کیسے بیچ سکتے ہیں؟" وہ تیورا کے گھومی۔

"بیچ دی۔ بات ختم۔ خلاص۔" اس نے مکھی اڑانے والے انداز میں ہاتھ ہلایا اور زینے اترتا گیا۔

وہ بے جان سی اسی زینے پہ بیٹھتی گئی۔ آنکھیں آنسوؤں سے بھر رہی تھیں۔ سر بار بار نفی میں ہلا رہی تھی۔

وہ اپنی سیاہ کار کا ڈرائیونگ سائڈ کا دروازہ کھول رہا تھا جب احساس ہوا کہ پیچھے کوئی ہے۔ ایک دم سے وہ گھوما۔

بلڈنگ کے ٹریش کین کے ساتھ دیوار سے ٹیک لگائے زیاد سلطان کھڑا تھا۔ جیکٹ کی جیبوں میں ہاتھ ڈالے، سر پر پی کیپ پہنے، بڑھی شیو کے ساتھ وہ مختلف لگ رہا تھا۔

"فائنلی۔" وہ ہلکا سا مسکرایا۔

"مجھ سے بھی معافی مانگنے آئے ہو؟" طنزیہ اونچا سا پکارا۔

زیاد دھیمے قدم چلتا اس کے عین سامنے آ رکا۔ پھر مسکرادیا۔ وہ اس مسکراہٹ کو پہچانتا تھا۔

"وعدہ یاد کروانے آیا ہوں، ماہر بے۔" ایک ایک لفظ پہ زور دیا۔ وہ ان آنکھوں کی چمک بھی پہچانتا تھا۔

"کون سا وعدہ؟" وہ ادھ کھلے کار کے دروازے پر ہاتھ رکھے کھڑا تھا۔

"برسوں پہلے اس کالج کے کنارے میں نے تم سے ایک وعدہ کیا تھا کہ تمہاری زندگی میرے ہی ہاتھوں ختم ہوگی۔ یاد رکھنا۔" اور اسی مسکراہٹ کے ساتھ پلٹ گیا۔

"تمہیں میرے سارے ایڈریس معلوم ہیں زیاد! میں یہیں ہوں۔ جو کرنا ہے کرلو۔" اس نے پیچھے سے پکارا تھا۔ زیاد رکا نہیں۔ تیز تیز قدم چلتا آگے بڑھ گیا۔

وہ زخمی سا مسکرادیا۔

"کہا تھا نا، مالا۔ ماہر فرید لوگوں کے بارے میں غلط نہیں ہوتا۔"

اب اسے مالا کو میسج کرنا تھا۔

☆☆☆

وہ نیچے لابی میں آئی اور دائیں بائیں دیکھا۔ ماہر وہاں نہیں تھا مگر وہ اسے جلد ہی دکھائی دیا۔ شیشے کی دیوار کے پار اس کی سیاہ کار پارکڈ تھی اور وہ اس سے ٹیک لگائے کھڑا آسمان کو دیکھ رہا تھا۔ ہاتھ سرمئی کوٹ کی جیبوں میں تھے اور آج شیو قدرے بڑھی ہوئی تھی۔

"ماہر؟" وہ کوٹ پہنتے ہوئے باہر نکلی۔ بال پیچھے سے کوٹ کے اندر چھپ گئے۔

ماہر نے چونک کے اس کی طرف دیکھا پھر مسکرایا اسے ہاتھ سے قریب آنے کا اشارہ کیا۔

"کیا ہوا؟" وہ مفلر کو گردن کے گرد لپیٹ رہی تھی۔ آج دھوپ نہیں نکلی تھی اور دوپہر کے باوجود شام کا گمان ہوتا تھا۔ اوپر سے سردی۔

"آج میں ایک دن میں دو دفعہ درست ثابت ہوا ہوں۔"

"اور یقیناً اس وقت تمہاری ایگو آسمان کو چھو رہی ہوگی۔"

وہ ہنس دیا۔ پھر سر جھٹکا۔ "نیور مائنڈ۔"

"مجھے باہر کیوں بلایا؟ میں اندر اتنی اچھی گوسپ انجوائے کر رہی تھی۔"

"ہوں... معلوم ہو گیا ان سب کو؟" افسوس بھری نگاہ کیف کی عمارت پہ ڈالی۔

"کیا تم بھی سارے عملے کو اب معطل کر دو گے؟"

اس نے ہنس کے سر جھٹکا۔ "مجھے فرق نہیں پڑتا۔ خیر... میں نے تمہارے پانچ سو پینتیس لیرا

دینے تھے۔"

"اُف، ماہر۔ بہت ہو گیا۔ اب بس..."

وہ کہتے کہتے رک گئی۔ وہ کار کا دروازہ کھولے ڈیش بورڈ سے کچھ نکال رہا تھا۔

ایک ربن میں لپٹی فائل۔

"یہ کیا ہے؟" اس نے اچنبھے سے فائل پکڑی۔

"میں نے پانچ سو پینتیس لیرا کے بدلے تمہیں بیکری بیچ دی ہے..."

مالا نے کرنٹ کھا کے اسے دیکھا۔ آنکھیں بے یقینی سے کھلی رہ گئیں۔

"کیا؟"

"میرے ایک دستخط نے تم سے تمہاری بیکری کا خواب چھین لیا تھا۔ میں تمہیں وہ واپس کر رہا ہوں۔"

وہ سنجیدہ تھا۔

وہ یخ ہوتے ہاتھوں میں فائل پکڑے ششدر سی کھڑی تھی۔

اس فائل کا رنگ جامنی تھا۔

☆☆☆

کہتے ہیں کہ
انسان کو
خوش رہنے کے لیے
چاہیے ہوتی ہیں
صرف تین چیزیں
کوئی انسان محبت کے لیے
(کوئی کام کرنے کے لیے
اور کوئی شے امید دلائے رکھنے کے لیے
ٹام بوڈیٹ)

سرمئی بادل چاروں اطراف سے تیرتے ہوئے آسمان پہ جمع ہو رہے تھے۔ عین اس کے سر کے اوپر۔ وہ گردن اوپر اٹھائے انہیں دیکھ رہی تھی۔ طویل سیڑھیوں کے وسط میں بیٹھی۔ گھٹنے ملائے۔ ان پر جامنی فائل رکھے۔ مالا کی پشت پہ زینے اوپر جا کے مڑ جاتے تھے۔ ہر زینہ مختلف رنگ کا تھا۔ سرخ، زرد، فیروزی، نیلا۔

یہ بلت کی مشہور رنگ برنگی سیڑھیاں تھیں۔ دو پتھریلی دیواروں کے درمیان بنی سیڑھیاں۔ اوپر تار سے رنگین لالٹینیں لٹک رہی تھیں۔ یہاں عموماً سیاحوں کا رش ہوتا تھا۔ آج بھی اوپر نیچے دائیں بائیں لوگ تصاویر بنوا رہے تھے۔ البتہ بادلوں کے اکٹھے ہوتے ہی رش ماند پڑنے لگا۔

ماہر کے دن کی طویل داستان سننے کے لیے انہیں یہاں آنا پڑا تھا۔ وہ واپس آفس نہیں جانا چاہتا تھا کیونکہ آج کے دن کیف میں گوسپ اور افواہیں عروج پہ تھیں۔ اس وقت وہ کافی لینے قریبی کیفے کی طرف گیا تھا اور وہ زینوں کے رنگ دیکھتے ہوئے سوچ رہی تھی کہ نہ جانے ان پر کتنے لوگوں کی تکلیفوں کا رنگ تھا۔ بلت کی رنگ برنگی عمارتوں کے درمیان واپس آ کے مالا کو شدت سے احساس ہو رہا تھا کہ اس نے اس جگہ کو بہت مس کیا تھا۔ مانا کہ ماہر بے کی اپارٹمنٹ بلڈنگ میں دنیا کی ہر سہولت میسر تھی اور وہ شہر کا ایک بہت پوش علاقہ تھا جہاں امرا، رؤسا اور سفارتی اہلکار بستے تھے۔ لیکن بلت کی پتھریلی گلیوں، رنگین عمارتوں اور پر رونق کیفے ز میں عام زندگی کی خوشبو قہوے اور قہقہوں کے درمیان سے کہیں اٹھتی تھی اور اس خوشبو جیسا کچھ نہ تھا۔

"تم نے سوچا بھی کیسے کہ میں یہ فائل رکھ لوں گی؟"

وہ نیچے گلی کی سمت سے آتا دکھائی دیا، یوں کہ ہاتھ میں دو پیپر کپ تھے تو مالا کی خفگی واپس آ گئی۔

"تم نے سنا نہیں جو میں نے بتایا؟ کہ سوزی بیکری کے ساتھ کیا کرنے جا رہی تھی؟"

ایک گرم کپ مالا کو تھمایا اور دوسرا لیے مالا کے زینے پر دوسری طرف آ بیٹھا۔ وہ دونوں ایک ہی زینے پر مخالف دیواروں سے ٹیک لگائے یوں بیٹھے تھے کہ درمیان میں سات آٹھ فٹ کا رنگین فاصلہ تھا۔

"سوزین کچھ غلط کرنے جا رہی تھی۔ مگر تم نے بھی ٹھیک نہیں کیا۔ تم اپنے بھائی کو کھو دو گے، ماہر۔"

"میں اسے پہلے ہی کھو چکا ہوں۔ وہ بچا رہا ہوں جو بچا سکتا ہوں۔"

اوپر سے دو چینی خدوخال کے سیاح تیز قدموں سے اترتے نیچے آئے اور ان کے درمیانی خلا کو کاٹتے ہوئے گزر گئے۔

"تم کسی دوسرے طریقے سے بھی بیکری کو بچا سکتے تھے۔ وہ تمہارے نام تھی۔ مجھے درمیان میں لانے کی کیا ضرورت تھی؟ اب بیربل میرے بارے میں کیا سوچے گا؟"

مالا اپنی آواز سے جھلکتی پریشانی چھپا نہیں سکی۔

"ہر بات میں میرا کوئی چھپا ہوا ایجنڈا نہیں ہوتا، مالا۔ میں تمہیں واقعی یہ بیکری دینا چاہتا تھا۔ یہ تمہارا خواب تھا اور میری وجہ سے..."

"تمہاری وجہ سے میری بیکری کا خواب چکنا چور ہوا وغیرہ وغیرہ والی جسٹی فکیشن مجھے مت دو۔ تمہیں معلوم ہے میں یہ بات نہیں مانوں گی۔" پھر گرم کپ ہونٹوں سے لگایا۔ تازہ کافی۔ چینی اور دودھ کا مناسب توازن۔ بلتستان کی رنگین خوشبو اور بارش سے پہلے کا موسم۔ اس کی خفگی جیسے خود بخود ہلکی ہونے لگی۔

"اگر تم یہ رکھ لوگی تو مجھے خوشی ہوگی۔" ماہر نے کہنے کے بعد گھونٹ بھرا۔ مسکراہٹ مٹی۔ ماتھے پر لکیریں ابھریں۔

"اب یہ مت کہنا کہ تمہیں کافی پسند نہیں آئی۔" اس نے پہلے ہی ٹوک دیا۔ ایک تو اس کے کافی سنوبس والے تاثرات وہ الفاظ میں ڈھلنے سے پہلے ہی پہچان جاتی تھی۔

ماہر فرید اس وقت کشمالہ کو ناراض کرنے کا خطرہ مول نہیں لے سکتا تھا۔ اس لیے اس نے بدقت اس کافی کی شان میں بہت کچھ کہنے سے خود کو روکا۔ بینز اچھی کوالٹی کے نہیں تھے نہ ہی ان کا روسٹ اس کے معیار کے مطابق تھا۔ وہ متوقع بارش کے باعث زیادہ دور نہیں جانا چاہتا تھا اسی لیے اس کیفے پہ سمجھوتا کر لیا۔ لیکن آئندہ وہ یہاں سے کافی نہیں لے گا۔ اس نے ذہن میں اس کیفے کو ان تمام کیفے ز کی لسٹ میں ڈال دیا جنہیں وہ کینسل کرتا آیا تھا۔

"تم نے بیربل کو بتایا ہے اس بارے میں؟"

"ابھی نہیں۔" وہ گردن اٹھائے لالٹین دیکھ رہا تھا جو ہوا سے جھولنے لگی تھیں۔ ماہر نے سرمئی کوٹ کے کالر کھڑے کر لیے۔ وہ زیادہ دیر یہاں نہیں بیٹھ سکیں گے، وہ جانتا تھا۔

"وہ مجھے ایک ولن سمجھے گا۔ میں نے پہلے اس کے اپارٹمنٹ پہ قبضہ کیا پھر اس کی بیکری پہ۔"

"اس سے کیا فرق پڑتا ہے کہ وہ کیا سمجھتا ہے؟"

"تم سوزی کے بغض میں بھول رہے ہو کہ وہ ایک جیتا جاگتا انسان ہے جو اس عمل سے ہرٹ ہوگا۔"

"اب تو ہو گیا جو ہونا تھا۔" اس نے مسکرا کے کندھے اچکائے۔ مالا آنکھوں کی پتلیاں سکوڑ کے چند لمحے اسے دیکھے گئی۔

"یعنی تم سوزین کے ارادے کو ناکام کرنے کے لیے مجھے استعمال کر ہی چکے ہو تو اب ہر جگہ یہی کہو گے کہ بیکری تو میں نے مالا کو دے دی ہے۔"

"بالکل۔" وہ ڈھٹائی سے مسکرایا۔ کپ اب زینے پر رکھ دیا تھا۔

"او کے۔" وہ کچھ دیر بعد سوچ کے بولی تھی۔

"او کے کیا؟"

"میں بیکری کو رکھنے پہ تیار ہوں۔"

اب کے ماہر نے غور سے اسے دیکھا۔

"واقعی؟"

"اگر میں نے نہ رکھی تو تم کسی اور کو بیچ دو گے۔ بیربل کے سامنے بری میں بن چکی ہوں۔ اس لیے ٹھیک ہے۔ میں جب تک یہاں ہوں، اس بیکری کا خیال رکھوں گی جیسے اسے اون کرتی ہوں۔"

کچھ تھا جو ماہر کے دل میں چبھ گیا۔

"جب تک تم یہاں ہو؟"

"ہاں۔ ہماری ڈیل ہوئی تھی نا۔ دو ماہ کی۔" مالا نے کلائی پہ بندھی اسمارٹ واچ دیکھی۔ "اور دو ماہ مکمل ہونے میں چند دن ہی رہ گئے ہیں۔ اس کے بعد میں یہاں سے چلی جاؤں گی۔" وہ رکی اور اضافہ کیا۔ "بدر کو لے کر۔" جیسے وہ ماہر سے زیادہ خود کو یقین دلا رہی تھی کہ تب تک اسے بدر مل جائے گا۔

آسمان پہ بادل زور سے گرجے لیکن ماہر نے گردن نہیں اٹھائی۔ وہ اسے دیکھ رہا تھا۔ حقیقت اسے اپنی طرف متوجہ کر رہی تھی۔

"تم... کیا واقعی چلی جاؤ گی؟"

"ظاہر ہے ماہر! یہی طے ہوا تھا۔ میں جانے سے پہلے بیکری تمہیں واپس کر دوں گی۔ یہ فائل تم رکھ لو۔ مجھے اس کی ضرورت نہیں ہے۔" مالا نے کھڑے ہوتے ہوئے فائل اس کی جانب بڑھائی۔ وہ اپنا کپ اٹھائے ڈھیرے سے اٹھا اور دوسرے ہاتھ سے فائل تھام لی۔ ایک دم سے بلت کی سیڑھیاں، اور وہ تمام عمارتیں بے رنگ ہو گئی تھیں۔ سیاہ سفید۔ سرمئی۔ پھیکی۔ اس کے اپارٹمنٹ کے جیسی۔ مالا کے پودوں کے آنے سے پہلے والی کیف کی عمارت کے جیسی۔

یہ طے تھا کہ وہ چلی جائے گی۔ اور یہ بھی طے تھا کہ وہ اپنی زندگی مزید پیچیدہ بنا دے گا۔ جب سب طے تھا تو حیرت کس بات کی؟ ملال کیسا؟

"تمہیں یاد ہے نا، تم نے قرمزی عمارت کے لیے آرٹ ورک بنانا تھا۔" وہ دونوں ساتھ ساتھ زینے اتر رہے تھے۔ اور وہ ہر اس وجہ کو یاد کر رہا تھا جس سے وہ اسے اس شہر میں روک سکے۔

"میں اس پہ کام کر رہی ہوں۔"

"مجھے دکھائی نہیں دے رہا۔"

"آرٹسٹ اگر خاموشی سے بیٹھا ہو، تب بھی وہ کام کر رہا ہوتا ہے۔"

"یہ رائٹرز کے بارے میں کہتے ہیں۔"

وہ بے ساختہ ہنس دی۔ ماہر نے گلی میں قدم رکھتے ہی ٹریش کین میں اپنا بھرا ہوا کپ خاموشی سے گرا دیا۔ ٹریش کین کے دہانے پر دو بلیاں ڈھٹائی سے کھڑی تھیں۔ انہیں دیکھ کر بھی اپنی جگہ سے نہ ہلیں۔

"رائٹر سے یاد آیا، زیاد ملا تھا آج مجھے۔"

کشمالہ چونک کے اس کی طرف گھومی۔

"زیاد؟ کیوں؟ کہاں؟"

خطرے کی گھنٹی دور کہیں بجنے لگی تھی۔

"وہ میرا تعاقب کر رہا تھا۔ ایک جگہ بالآخر سامنے آیا اور اس نے مجھے وہ دھمکی یاد کروائی جو اس نے کئی سال پہلے مجھے دی تھی۔ مجھے قتل کرنے کی دھمکی۔" وہ زخمی سا مسکرایا تھا۔ اس مسکراہٹ میں لاپروائی بھی تھی۔

"مگر... وہ اس دن مجھے ملا تھا۔ اور... اور وہ کہہ رہا تھا کہ وہ بدل گیا ہے۔"

"زیاد نہیں بدلے گا، مالا۔"

کشمالہ نے افسوس سے سر دائیں بائیں ہلایا۔

"وہ رو رہا تھا۔ مجھے لگا وہ واقعی... شاید... کوئی ایک امید..." اس نے سر جھٹکا۔

"کیا تمہیں یقین نہیں آیا؟"

ماہر نے غور سے اس کے چہرے کو دیکھا۔

"نہیں نہیں۔ آف کورس مجھے... مجھے تمہارا یقین ہے۔ میں بس حیران ہوں۔"

"کبھی کبھی مجھے لگتا ہے کہ تم زیاد کو جاننے کے باوجود اس کے ایول پن کی انتہا پہ یقین نہیں کرتیں۔ تمہیں لگتا ہے وہ ایک حد سے آگے نہیں بڑھے گا۔ لیکن یاد رکھنا، وہ ہمیشہ تمہیں غلط ثابت کرے گا۔"

"فی الحال تو تم غلط ثابت ہوئے ہو۔ عالیان کے معاملے میں۔ پہلے تم اس کی موجودگی سے انکاری تھے۔ اور اب بھی تم اس پہ فوکس نہیں کر رہے۔" ماہر کی بات اسے زور سے لگی تھی۔ زیاد کی حد کیا ہو سکتی تھی، مالک فرید اسے باور کروا چکے تھے۔ اسی لیے موضوع بدل دیا۔

"تم نے عالیان کی ماں کو اس کے بارے میں کیوں بتایا؟"

وہ دونوں گلی میں آگے بڑھتے جا رہے تھے۔ اور اوپر بادلوں کا رنگ گہرا ہو رہا تھا۔

"وہ مسلسل مجھے ستا رہا تھا۔ میں نے سوچا کیوں نا اسے ستایا جائے۔ ڈیفینسو کی بجائے اوفینسو ہو کے کھیلا جائے۔"

"اور وہ تمہیں کس طرح ستا رہا تھا؟"

"میں پہلے ہی بتا چکی ہوں کہ وہ میرا راز نہیں تھا نہ میں اسے بنا تصدیق کے کسی کو بتا سکتی ہوں۔ وہ

مالک صاحب کی بات تھی، ان کو بتادی۔ قصہ ختم۔"
پھر رک کے غور سے ماہر کو دیکھا۔

"اور تم مجھ سے وعدہ کرو کہ تم مالک صاحب سے اس بارے میں کچھ نہیں پوچھو گے۔"

ماہر فرید نے دونوں ہاتھ اوپر اٹھادیے۔ جامنی فائل ایک ہاتھ میں تھی۔

"وعدہ! میں مالک سے اس بارے میں کچھ نہیں پوچھوں گا۔ خوش؟"

مالا نے اطمینان سے سر کو جنبش دی اور قدم آگے بڑھادیے۔

"تمہیں سوزین کو کنفرنٹ کرنے کی کیا ضرورت تھی؟" وہ ابھی تک جیسے بیکری والے معاملے پہ ناخوش تھی۔

"وہ بہت وقت لگا رہی تھی۔ میری خوشامدوں میں، میرے ساتھ اچھا تعلق استوار کرنے میں۔ میں چاہتا تھا حالات فاسٹ فارورڈ ہو جائیں۔ وہ جلدی خود کو ایکسپوز کردے۔"

"تمہارے اس عمل سے بیربل تم سے مزید بددل ہوگا۔"

"میرے اس عمل سے سوزین خود کو ایکسپوز کرے گی۔"

وہ دونوں گول پتھروں والی گلی میں آگے بڑھتے جارہے تھے اور ماہر کی آواز مدھم ہو رہی تھی۔

(نیلے کوٹ میں ملبوس سوزین تیز تیز قدموں سے اپارٹمنٹ بلڈنگ کی سیڑھیاں اتر رہی تھی۔ اس کا چہرہ سرخ تھا اور آنکھوں میں پانی۔)

"لوگ شادی کے بعد نہیں بدلتے۔ جو وہ ہوتے ہیں، مزید وہی بنتے جاتے ہیں۔ اس نے بیربل سے شادی صرف اس کی دولت کے لیے کی ہے۔ اسے وہ ساری دولت چاہیے۔ کمپنی میں حصہ بھی۔ بیکری بھی۔"

(سوزی نے ڈرائیو کرتے ہوئے چہرہ دائیں جانب موڑا۔ سڑک کنارے بیکری کی عمارت دکھائی دی۔ بلائنڈز بند تھے اور دروازے پر کلوزڈ کا سائن لگا تھا۔ آنکھیں پھر سے بھیگنے لگیں اور پیشانی کی رگیں تن گئیں۔)

"جس چیز کو ہم اپنی طاقت بناتے ہیں، اسی کے چاہنے والے ہماری طرف کھنچ کے آتے ہیں۔ بیربل نے اپنی شخصیت کو ہمیشہ پیسے سے سجایا ہے۔ اس کی طرف جو بھی کھنچے گا، وہ امارت کا چاہنے والا ہوگا۔ اور میں سوزی کو جانتا ہوں۔ وہ ایسی لڑکی نہیں ہے جو بیربل کی کسی دوسری خوبی کی وجہ سے اس کی طرف متوجہ ہوئی ہو۔"

(سوزین دھاڑ سے دروازہ کھول کے بیڈروم میں داخل ہوئی۔ بیربل بیڈ کے ایک کنارے لیٹا موبائل پہ بٹن دبا رہا تھا۔ چونک کے اسے دیکھا جس کا چہرہ گلابی ہو رہا تھا۔)

"چونکہ وہ دولت کے لیے آئی ہے، اس لیے وہ جلدی جلدی نقب لگانے کی کوشش کرے گی۔ میرے اس عمل نے چیزوں کو صرف فاسٹ فارورڈ کیا ہے تاکہ ان کا ہنی مون فیز ختم ہو اور حقیقت سامنے آئے۔"

(بیربل بیڈ کے کنارے بیٹھا تھا اور سوزین ڈریسنگ مرر کے سامنے کھڑی کانوں سے نوچ کے ائیر رنگز اتار رہی تھی۔ ساتھ ہی ہاتھ ہلاتے ہوئے وہ تیز تیز کچھ کہہ رہی تھی۔)

"اس کا پہلا قدم تھا مجھے شیشے میں اتارنا تاکہ بیربل اس سے خوش ہو جائے۔ لیکن وہ یہ نہیں کرسکی۔ اب وہ اپنا پینترا بدلے گی اور بیربل کو میرے خلاف کرے گی۔ میں نے صرف اسے اپنے خلاف بولنے کی وجہ تھمائی ہے۔"

(وہ اب اسٹول پر بیٹھی بیربل کی طرف رخ کیے بھیگے سرخ چہرے کے ساتھ اونچی آواز میں بول رہی تھی۔ سنگھار میز کے آئینے میں بیربل کا عکس دکھائی دے رہا تھا۔)

☆☆☆

(باقی آئندہ ماہ ان شاءاللہ)



آمدِ بہار

آمدِ بہار ہے
مگر
وہ راہیں جن پر جاتے تم سے
تیرے نقشِ پا بنے
وہ راستے ابھی تک ویران ہیں
جن پر ہم ساکت
نظریں جمائے ہزاروں دیپ
انتظار کے جلائے
خالی نظروں سے تک رہے ہیں
کہ شاید
تیرے لوٹ آنے کی نوید۔آ جائے
اور من کے وہ پھول
جن پر محبتوں کی آبیاری ہوئے
سالوں بیت گئے
شاید وہ کھل جائیں

ماریہ خان

کب کہاں کیا مرے دل دار اُٹھا لائیں گے
وصل میں بھی دلِ بے زار اُٹھا لائیں گے

چاہیے کیا تمہیں تحفے میں بتا دو ورنہ
ہم تو بازار کے بازار اُٹھا لائیں گے

یوں محبت سے نہ ہم خانہ بدوشوں کو بلا
اتنے سادہ ہیں کہ گھر بار اُٹھا لائیں گے

ایک مصرعے سے زیادہ تو نہیں بارِ وجود
تم پکارو گے تو ہر بار اُٹھا لائیں گے

گر کسی جشنِ مسرت میں چلے بھی جائیں
چن کے آنسو ترے غم خوار اُٹھا لائیں گے

کون سا پھول سجے گا ترے جوڑے میں بھلا
اس کشش و پنج میں گلزار اُٹھا لائیں گے

عطا تراب

رنگ رنگ کے پھول

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"جو مومن لوگوں سے ملتا جلتا ہے اور ان سے ملنے والی تکلیف پر صبر کرتا ہے، وہ اس مومن سے ثواب حاصل کر لیتا ہے جو لوگوں سے ملتا جلتا نہیں اور ان کی طرف سے آنے والی تکلیف پر صبر نہیں کرتا۔"

فوائد و مسائل:

1۔ لوگوں سے میل جول میں اچھے برے ہر قسم کے آدمی سے واسطہ پڑتا ہے۔ برے آدمی کی برائی سے بچنے کی ہر ممکن کوشش کرنی چاہیے لیکن خود نیکی پر قائم رہنا چاہیے۔

2۔ معاشرے میں برائی زیادہ ہو جائے تو بھی سب سے الگ تھلگ ہو کر راہبوں کی طرح جنگلوں یا غاروں میں چلے جانا جائز نہیں بلکہ معاشرے میں رہ کر اصلاح کی کوشش کرنا ضروری ہے۔

3۔ جب ایمان کو خطرہ ہو، تب خلوت نشینی جائز ہے۔

اعلا درجہ

گیہوں کا چھنا ہوا آٹا اعلا درجہ ہے اور بغیر چھنا اس کا ادنیٰ درجہ ہے اور جو کا آٹا چھنا ہوا درمیانی درجہ ہے۔

بہتر سالن گوشت کا شوربا اور شیرینی ہے اور ادنیٰ درجہ کا سالن سرکہ اور نمک ہے اور درمیانی درجہ روغنی روٹی کا ہے۔

سچ

وہ دن آج بھی یاد ہے جب میں نے گھر والوں کو آٹھویں کلاس کی مارکس شیٹ دکھائی۔ جس میں ...

تھے۔ گھر والوں نے یہ بول کر مجھے اتنا مارا کہ یہ کب سے اتنا سمجھ دار ہو گیا۔ اس کو صرف "9" نمبر ملے ہوں گے، نو کے آگے زیرو بڑھا کر "90" کر دیے ہوں گے۔ میں نے قسم کھائی "میں نے زیرو نہیں بڑھایا۔" مگر گھر والوں نے کچھ نہیں سنا اور جم کر دھلائی کی۔

آج اتنے سالوں بعد بھی کہوں گا، قسم سے میں نے زیرو نہیں بڑھایا تھا۔ میں نے تو صرف "9" بڑھایا تھا۔

تبدیلی

ایک لڑکی نے بچپن کی منگیتر سے یہ کہہ کر منگنی توڑ دی کہ وہ خوب صورت نہیں، کچھ دنوں بعد اچانک اس نے لڑکے کو خط لکھا۔

میرے پیارے اسد......

جس دن سے میں نے منگنی توڑی ہے۔ یقین مانو، ایک پل بھی سکون سے نہیں گزار سکی۔ دل میں ایک کسک رہتی ہے اب مجھے محسوس ہوا ہے کہ میرے دل میں صرف تم ہو، پتا نہیں مجھے کیا ہو گیا تھا کہ اتنی بڑی بے وقوفی کر دی۔

پلیز اپنی محبت کے طفیل میری اس غلطی کو معاف کر دو اور لوٹ آؤ۔ یقین مانو میرے لیے اس دنیا میں تم سے خوب صورت کوئی بھی نہیں۔ پلیز مجھے معاف کر دو۔"

فقط تمہاری نگہت

"اور ہاں لاٹری میں دو کروڑ کا انعام پانے پہ خصوصی مبارک باد۔"

موقع شناس

کہتے ہیں کہ ایک بیوہ نے شادی کی عمر کو پہنچی ہوئی اپنی حسین و جمیل بیٹی کے لیے حق مہر کا مطالبہ مبلغ پانچ لاکھ ریال رکھا تھا۔ کئی خواہش مند اتنا حق مہر سن کر ویسے ہی دست بردار ہو چکے تھے۔ اپنی ضد کا پکا

ایک کر کا۔ بس تین لاکھ ریال اکٹھے کر پایا۔

پیسے لے کر مزید کی مدد مانگنے کے لیے سیدھا اپنے باپ کے پاس پہنچا۔

"ابا جی! میرا کچھ کرو، میں اس کا کی پر فدا ہو گیا ہوں مگر اس کی ماں ہے کہ پانچ لاکھ ریال حق مہر سے ایک فلس کم پر بھی بات کرنے کو تیار نہیں۔ اب آپ ہی کچھ کیجیے۔"

باپ نے بیٹے کی سنجیدگی کو دیکھا اور کہا۔

"ٹھیک ہے پھر چل لا پیسے۔ کچھ کرتے ہیں تیرا بھی۔"

دونوں باپ بیٹا پیسے لے کر بیوہ کے گھر پہنچے۔

سلام دعا کے بعد باپ نے خاتون سے کہا۔

"میں آپ سے بات کرنے کے لیے حاضر ہوا ہوں۔ میری آپ سے گزارش ہے کہ جب تک میں اپنی بات مکمل نہ کرلوں، آپ میری بات نہ کاٹیں۔"

خاتون نے کہا، "جی بسم اللہ کہیے۔"

لڑکے کے باپ نے کہا۔ "میرا بیٹا آپ کی بیٹی سے شادی کرنا چاہتا ہے اور یہ ایک لاکھ حق مہر ساتھ لایا ہے۔"

خاتون نے گڑبڑاتے ہوئے کہا۔ "مگر مجھے اپنی بیٹی کے حق مہر میں پانچ لاکھ ریال سے ایک فلس کم بھی قبول نہیں ہے۔"

لڑکے کے باپ نے کہا۔ "آپ بذات خود انتہائی خوب صورت اور جوان جہان عورت ہیں، میں آپ کو بھی ایک لاکھ ریال حق مہر ادا کرنا چاہتا ہوں۔ آپ میری زوجیت میں آجائیے۔"

خاتون کی خوشی سے باچھیں کھل کر کانوں کو جا لگیں۔ بمشکل اپنے جذبات کو دباتے ہوئے کہا، اللہ آپ کا آنا مبارک کرے۔ مجھے آپ کی دونوں شرطیں قبول ہیں۔"

باپ بیٹا خوشی خوشی باہر نکلے تو لڑکے نے ہلکا سا گلا صاف کرتے ہوئے باپ سے کہا۔

"ابا جی! وہ ایک لاکھ ریال جو بچ گئے ہیں پھر وہ تو مجھے واپس دے دیجیے۔"

باپ نے کہا۔ ... ابھی ایک بڑا اور اہم مرحلہ تو باقی پڑا ہے، یہ ایک لاکھ ریال جا کر تیری ماں کو دینا پڑے گا تاکہ وہ بھی تو راضی ہو۔"

کون گالیاں دیتا ہے

میاں بیوی کے درمیان جھگڑے کی نوعیت جاننے کے لیے ان کے ایک بزرگ نے بیوی سے پوچھا۔

"آخر تمہیں اپنے خاوند سے کیا شکایت ہے؟"

"یہ بات بات پر گالیاں دیتے ہیں اور کنجوس اتنے ہیں کہ گزارا کرنا بہت مشکل ہے۔"

بیوی نے شکایت کی تو خاوند تلملا کر بولا۔

"کون کم بخت اس بدذات، کمینی، اور گھٹیا عورت کو گالیاں دیتا ہے۔ بکواس کرتی ہے۔ سارے پیسے اس کو دیتا ہوں، خواہ جیب میں پھوٹی کوڑی نہ ہو۔"

عقل مند

ایک اسکول ٹیچر کا کہنا ہے کہ امتحانی مرکز میں میری ڈیوٹی لگی ہوئی ہے۔ میرے ایک دوست نے مجھ سے کہا۔ اس کا بیٹا بھی اسی سینٹر میں امتحان دے رہا ہے۔ اس کا خیال رکھنا۔ میں نے کوشش کی کہ کسی طرح رازداری سے اسے ایسے جواب لکھوا دوں کہ کسی کو پتا بھی نہ چلے اور کام بھی ہو جائے ورنہ اچھی خاصی بدنامی ہو جاتی تھی وہ بھی اسلامیات کے پیپر میں۔

پرچے میں سوال تھا کہ تین پیغمبروں کے نام لکھیے۔

میں نے جواب میں کہا اپنے تین ماموؤں کے نام لکھ دے۔

کیونکہ میں جانتا تھا کہ اس کے تین ماموں ہیں جن کے نام، ابراہیم، موسیٰ اور عیسیٰ ہیں۔

اگلے راؤنڈ میں جب میں نے پیپر دیکھا تو لڑکے نے جواب میں لکھا تھا۔ "ماموں گڈو، ماموں ٹونی اور ماموں چیکو۔"

☆☆

امت الصبور

خاتون کی ڈائری

سحر احمد کی ڈائری سے

مجھے اپنی ڈائری میں لکھی نامعلوم شاعر کی یہ نظم بہت پسند ہے۔ یقیناً آپ کو بھی پسند آئے گی۔

اسے کہنا!
مکمل کچھ نہیں ہوتا
ملن بھی نامکمل ہے، جدائی بھی ادھوری ہے
یہاں اک موت پوری ہے۔
اسے کہنا!
بساط عشق میں بھی مات ہوتی ہے
کسی کے شہر میں بھی رات ہوتی ہے۔
اسے کہنا!
مکمل بس "خدا" کی ذات ہوتی ہے۔

صوبیہ مون کی ڈائری سے

ذکریا شاد کی یہ غزل میری دوست نے بھیجی تھی۔ اچھی لگی۔ اس لیے آپ سب کی نذر کر رہی ہوں۔

ہم تجھ سے کوئی بات بھی کرنے کے نہیں تھے
امکان بھی حالات سنورنے کے نہیں تھے

بھر ڈالا انہیں بھی مری بیدار نظر نے
جو زخم کسی طور بھی بھرنے کے نہیں تھے

اے زیست ادھر دیکھ کہ ہم نے تری خاطر
وہ دن بھی گزارے جو گزرنے کے نہیں تھے

کل رات تری یاد نے طوفاں وہ اٹھایا
آنسو تھے کہ پلکوں پہ ٹھہرنے کے نہیں تھے

ان کو بھی اتارا ہے بڑے شوق سے ہم نے
جو نقش ابھی دل میں اترنے کے نہیں تھے

اے گردش ایام ہمیں رنج بہت ہے
کچھ خواب تھے ایسے کہ بکھرنے کے نہیں تھے

حمدہ خان کی ڈائری سے

شعیب تنویر کی اس غزل میں شاعر کے لہجے میں جو تلخی ہے، وہ حالات کی دین ہے وہ محبت کا منکر نہیں لیکن غم دوران نے اس سے لطیف جذبات چھین لیے ہیں۔

بہت فرسودہ لگتے ہیں مجھے اب پیار کے قصے
گل وگلزار کی باتیں، لب ورخسار کے قصے

یہاں سب کے مقدر میں فقط زخم جدائی ہے
سب ہی جھوٹے فسانے ہیں وصال یار کے قصے

بھلا عشق ومحبت سے کسی کا پیٹ بھرتا ہے
سنو تم کو سناتا ہوں میں کاروبار کے قصے

مرے احباب کہتے ہیں یہی اک عیب ہے مجھ میں
سر دیوار لکھتا ہوں پس دیوار کے قصے

کہانی قیس ولیلیٰ کی بہت ہی خوب ہے لیکن
مرے دل کو لبھاتے ہیں رسن ودار کے قصے

میں کیسے خون روتا ہوں وطن کی داستانوں پر
کبھی تم بھی تو سن جاؤ مرے آزار کے قصے

شعیب اکثر میں لوگوں سے اسی کارن نہیں ملتا
وہی بے کار کی باتیں، وہی بے کار کے قصے

زرینہ خانم لغاری کی ڈائری سے

ظہور نظر کی یہ غزل آپ سب کے لیے۔

دیپک راگ ہے چاہت اپنی کاہے سنائیں تمہیں
ہم تو سلگتے ہی رہتے ہیں کیوں سلگائیں تمہیں

ترک محبت، ترک تمنا کر چکنے کے بعد
ہم پہ یہ مشکل آن پڑی ہے کیسے بھلائیں تمہیں

دل کے زخم کا رنگ تو شاید آنکھوں میں بھر آئے
روح کے زخموں کی گہرائی کیسے دکھائیں تمہیں

درد ہماری محرومی کا تم تب جانو گے
جب کھانے آئے گی چپ کی سائیں سائیں تمہیں

سناٹا جب تنہائی کے زہر میں گھلتا ہے
وہ گھڑیاں کیوں کر کٹتی ہیں کیسے بتائیں تمہیں

جن باتوں نے پیار تمہارا نفرت میں بدلا
ڈر لگتا ہے وہ باتیں بھی بھول نہ جائیں تمہیں

روحیلہ خان کی ڈائری سے

آج پرانی کتابوں کے ڈھیر سے ایک ڈائری ملی اعتبار ساجد کی یہ نظم پہلے صفحے پر تحریر تھی محبت کو پانے اور کھو دینے کے تاثرات سے گندھی، خوب صورت نظم۔

پہلی محبت یاد آتی ہے
دور افق کی تاریکی میں
بجلی جب بھی لہراتی ہے
شمع جلاتے لمحے اکثر
کمرے کے گھپ اندھیارے میں
پہلی محبت یاد آتی ہے
آٹوگراف طلب کرنے جب
کوئی حسینہ گھر آتی ہے
بڑی بڑی آنکھوں سے جب وہ
دیکھ لے مجھ کو شرماتی ہے
ماضی میں کھو جاتا ہوں میں
چھوٹا سا ہو جاتا ہوں میں
پہلی محبت یاد آتی ہے
شام خزاں جب تنہا تنہا
باغ میں سیر کو جاتا ہوں میں
کسی اداس سی لڑکی کو جب
بینچ پہ تنہا پاتا ہوں میں
جانے کیوں یاد آ جاتا ہے
ایک خزاں کی شام کا منظر
جب ہم دونوں جدا ہوئے تھے

حمنہ بیگ کی ڈائری سے

میری ڈائری میں تحریر یہ غزل یقیناً آپ لوگ بھی پسند کریں گے۔

وفا کی راہ میں سینہ سپر ایسے بھی ہیں
سر سے در گزریں گے، شوریدہ سر ایسے بھی ہیں

زندگی سے بھاگ کر، چھپ کر حصار ذات میں
خود سے بھی سہمے ہوئے ہیں، خودنگر ایسے بھی ہیں

جس طرح بے فیض ہی رہتے ہیں اکثر خود پسند
پھولتے پھلتے نہیں ہیں، کچھ شجر ایسے بھی ہیں

تو کبھی دیکھے تو گزرے ان پہ صحرا کا گماں
جگمگاتے جاگتے شہروں میں گھر ایسے بھی ہیں

جن سے مل کر زندگی سے عشق ہو جائے وہ لوگ
آپ نے شاید نہ دیکھے ہوں مگر ایسے بھی ہیں

وادر زنداں ہوا ہے اور نہ ہو شاید سرور
سر سلامت ہے تو دیواروں میں در ایسے بھی ہیں

☆☆

روحیلہ خان

تیری یاد سے

رضوانہ وقاص.......... ہری پور
جوق در جوق تمناؤں کے دھوکے کھا کر
دل اگر اب بھی دھڑکتا ہے تو حد کرتا ہے

سائرہ قریشی.......... امریکہ
ورنہ کیا کچھ میسر نہ تھا تیرے بعد مجھے
میں نے دیکھی ہی نہیں آنکھ اٹھا کر دنیا

ناہید اسماعیل.......... کراچی
اپنی مرضی سے دو چار قدم چلنے دے
زندگی ہم تیرے کہنے پہ چلے ہیں برسوں

آمنہ سعد.......... کراچی
عظیم لوگ تھے ٹوٹے تو ایک وقار کے ساتھ
کسی سے کچھ نہ کیا، بس اداس رہنے لگے

طیبہ شوکت.......... مریدکے
نہ سونا میرے مقدر میں ہے نہ شب بھر جاگنا خالد
میں آنکھیں کھولتا اور میچتا رہتا ہوں بارش میں

ارم ظاہر.......... کراچی
آپ کے بعد ہر گھڑی ہم نے
آپ کے ساتھ ہی گزاری ہے

روبینہ.......... فیصل آباد
یہ دکھ نہیں کہ اندھیروں سے صلح کی ہم نے
ملال یہ ہے کہ اب صبح کی طلب بھی نہیں

اقرا نمرہ.......... گلستان جوہر
زندگی اتنی غنیمت تو نہیں جس کے لیے
عہد کم ظرف کی ہر بات گوارا کر لیں

شائستہ نسرین.......... اسکیم 33
میری تلاش کو بے نام و بے سفر کر دے
میں تیرا راستہ چھوڑوں تو در بدر کر دے
اور بکھرتے ٹوٹتے رشتوں کی عمر بھی کتنی
میں تیری رات ہوں آ جا میری سحر کر دے

شہلا عباس.......... کراچی
اب کے ہم نے بھی دیا ترک تعلق کا جواب
ہونٹ خاموش رہے آنکھوں نے بارش نہیں کی

انیقہ مرید.......... شہر کالا
ہم بھی وفا کریں گے، ہے جب تک کہ دم میں دم
وہ بھی جفا سے باز نہ آئے خدا کرے

شاہ اقصیٰ سید.......... اسلام آباد
میں تجھے ٹوٹ کر چاہوں تو میری فطرت ہے
تو بھی ہو میرا طلب گار یہ ضروری تو نہیں

خدیجہ خان.......... لاہور
میں یہ ہی سوچ کے آیا ہوں تیری چوکھٹ پہ
در بدر ہونے کے بعد اک یہی در بچتا ہے

نوال افضل کمسن.......... بحریہ ٹاؤن لاہور
ابھی تو عشق میں ہونا کمال باقی ہے
کہ ہجر کاٹ لیا ہے وصال باقی ہے
تیری تلاش میں آدھی صدی بتائی
جنوب ڈھونڈ لیا اب شمال باقی ہے

زینب.......... اسلام آباد
محبت زندگی کے فیصلوں سے لڑ نہیں سکتی
کسی کو کھونا پڑتا ہے، کسی کا ہونا پڑتا ہے

ارم کمال.......... فیصل آباد
مجھے کسی سے کوئی غرض نہیں، مجھے کام ہے اپنے کام سے
تیرے ذکر سے تیری فکر سے تیری یاد سے تیرے نام سے

☆☆

آپ کا باورچی خانہ

رضوانہ وقاص...... کرلاں ہری پور

"آپ کا باورچی خانہ" میں سب کا پڑھتی ہوں لیکن کبھی لکھا نہیں کیونکہ میں اب کام نہیں کر سکتی، لیکن آج دل کیا لکھوں۔

ہم گاؤں میں رہتے ہیں۔ میں زیادہ زیادہ امی کے پاس ہی رہتی ہوں جب امی بہت تھک جاتی ہیں۔ بولتی ہوں۔

امی آپ کو کام والی کوئی لڑکی رکھ دوں یا ہفتے والے دن کپڑے دھونے کے لیے تو امی آگے سے جواب دیتی ہیں۔

مجھے کپڑے کسی کے ہاتھ کے دھلے پسند ہی نہیں آتے۔

اب جب گھر چلی جاتی ہوں۔ مطلب سسرال میں۔ چچی کو بولا فل ٹائم کام والی رکھ لیتے ہیں۔" لیکن چچی نے کہا۔

"ہاں ساتھ میں تمہارے شوہر اور بیٹے کو ہی لے اڑے۔ (ہاہاہاہا)"

"کہا جب تک ان بوڑھی ہڈیوں میں دم ہے کروں گی نہیں تو اللہ مالک۔"

"یہ ہیں کام والی رکھنے کے متعلق ساس چچی اور امی کے نادر خیالات کہ کام والی پسند ہی نہیں رکھنا تو کجا کام کیا پسند آئے گا (ہاں ناں) میری کوئی بات نہیں ڈ... ہے سب لکھنا ہے شکریہ اور اب جواب دیتی ہوں۔

س: کھانا پکاتے وقت کن باتوں کا خیال رکھتی ہیں پسند ناپسند غذائیت؟

ج: غذائیت اور برکت ...اے زمانے چلے گئے۔ امی ہر ایک کی پسند کا خیال رکھتی ہیں۔ میرے بچے خاص کر نانو سے فرمائش کر کے بنواتے ہیں۔ ایک کو نوڈلز اچھے لگتے ہیں، ایک کو بریانی سب کی اپنی اپنی پسند اور جو بچوں کی پسند وہی میری پسند۔

س: کھانے کے وقت گھر میں اچانک مہمان آگئے۔ کوئی ایسی ڈش جو فوری تیار ہو جائے تاکہ تواضع کر سکیں؟

ج: مہمان تو اللہ پاک کی رحمت ہوتی ہے۔ گاؤں والے ویسے بھی مہمان نواز ہوتے ہیں۔ وہ بھی کیا زمانے تھے، مہمان اچانک آجاتے تھے۔ تو آسان ڈش انڈے بنا لینا، پیاز ٹماٹر ڈال کر جو جلدی بن جاتا ہے۔ اور اتنا سالن روٹی ضرور بنتی ہے کہ اچانک مہمان آجائیں کھانے کے ٹائم تو کوئی پریشانی نہیں ہوتی تھی۔ اور روٹیاں تندور کی جو گھر میں ہوتا ہے اس کی خمیری روٹی۔ اب بھی آتے ہیں مہمان زیادہ تر مجھے دیکھنے کے لیے تو فون کر کے آتے ہیں تو امی میری زندہ باد، اب زیادہ تر دعوت کر لیتے ہیں۔ شادی والوں کی عمرہ والوں کی اور رمضان میں افطاری کی۔

س: کچن عورت کی سلیقہ مندی کا آئینہ دار ہوتا ہے، آپ کچن میں کیا اہتمام کرتی ہیں۔

ج: میں جو بھی لکھ...ی جھوٹ نہیں بولتی... لے اندر کمروں میں ہوتی تھی۔ لیکن اس دفعہ سردی میں امی اپنے پاس باورچی خانے میں سے ...یں کہ انگیٹھی میں آگ جلاتے ہیں۔ تو گرم ہوتی ہے۔ تو ویسے بھی امی باورچی خانے کا خاص خیال رکھتی ہیں لیکن اب اور زیادہ صفائی کا خیال رکھتی ہیں کہ میری بیٹی کو کوئی نہ کوئی دیکھنے آجاتا ہے۔ جو سبزی وغیرہ کے چھلکے ہوتے ہیں، وہ ارسلان اور عالیان کی ڈیوٹی تایا ابو کے بکروں کے آگے ڈال آتے ہیں کہ ضائع کرنے سے، مطلب کچرے والی بالٹی میں ڈالنے سے جانوروں کے آگے ڈال دینا۔ اور امی کے

باورچی خانے میں ایک پرانا [illegible] خانہ تھا [illegible] میں نمک، مرچیں، مسالہ وغیرہ رکھتے تھے۔ لکڑی کی تھی۔ لیکن اب اس کے اوپر نیچے سے خراب ہوگئی ہے تو دیوار کے ساتھ لگادی امی نے۔ تو وہ اب چھوٹی الماری کا کام کرتی ہے۔ اس میں ماچس، موم بتی اور چھوٹی چھوٹی بوتلوں میں سوڈا، اجوائن، وغیرہ ڈال کر رکھی ہوئی ہے اور سوئی دھاگہ مجھے امی کا سادہ سا باورچی خانہ بہت اچھا لگا جو میں نے تقریباً چھ سات سال بعد دیکھا ہے۔

س: صبح ناشتے میں کیا بناتی ہیں، خصوصی ڈش کی ترکیب بتائیں؟

ج: ناشتے میں زیادہ تر چائے پراٹھا بناتی ہیں امی کیونکہ بچوں کو صبح جلدی ہوتی ہے۔ تو جلدی [illegible] ناشتا کرنا ہوتا ہے کیونکہ گاؤں میں بہت سردی ہوتی ہے۔ لکڑیاں آگ بہت دیر سے پکڑتی ہیں۔ تو امی کہتی ہیں بچوں کو دیر نہ ہو۔ بچوں کو امی کے ہاتھ کی مانی بہت پسند ہے اور پیاز ٹماٹر والا انڈا، بچے بولتے ہیں کہ نو یہ [illegible] بڑا مزہ دیتا ہے۔ اور آپ بنائی بہت اچھا ہیں، یہ زیادہ چھٹی والے دن بناتی ہیں۔ امی۔

س: آپ مہینے میں کتنی بار باہر کھانا کھانے جاتی ہیں؟

ج: میں پہلے بہت جاتی تھی۔ اپنے شوہر کے ساتھ لیکن اب بہت مشکل ہوگیا ہے لیکن [illegible] شہر [illegible] ہیں۔ بچوں کا جس وقت [illegible] اپنے ابو۔ [illegible] چلے جاتے ہیں۔ مہینے میں [illegible] چار [illegible] کبھی [illegible] زیادہ بار بھی چلے جاتے ہیں۔ [illegible] بڑا بیٹا احمد یہ چاہتا ہے [illegible] لازمی ساتھ ہونی چا[illegible] تو ہوٹل میں کھانا کھاتے ہیں اور بچوں کو پارک لے جاتے ہیں۔

میرے بچے ماشاءاللہ بہت زیادہ گھومتے رہتے ہیں، کبھی ایبٹ آباد، کبھی [illegible]، کبھی ہری پور، 19 جنوری اتوار والے دن شاہ زیب لے کر گیا گرین پارک جھولوں پر رات ہوگئی۔ کھانا ہوٹل میں کھایا۔ نہاری مجھے پسند نہیں، ماش کی دال اور چائے تیز میٹھے والی میری فیورٹ بچوں نے خوب انجوائے کیا۔ بچے خوش ہوگئے۔ میں خوش ہوگئی۔

س: کھانا پکاتے ہوئے موسم کا خیال رکھتی ہیں؟

ج: موسم کا خیال تو لازمی رکھا جاتا ہے۔ سردی میں زیادہ تر ساگ، گاجر کا حلوہ، مچھلی اور [illegible] پھلی مجھے مونگ پھلی اچھی لگتی ہے۔ اور گرمی میں لیموں کا شربت بہت پسند ہے۔ لیموں ہمارے گھر میں لگے ہوئے ہیں وافر مقدار میں۔

کچن ٹپ؟

ج: امی ہر کھانا شوق اور لگن سے بناتی ہیں۔ اور بسم اللہ تو لازمی پڑھنی چاہیے اور درود شریف پڑھ کر پکانا چاہیے۔

بتانا ہے کیسا لگا، میرا باورچی خانہ، شکریہ

موسم کے پکوان

واصفہ سہیل

کالے چنے

ضروری اجزاء:

کالے چنے	ایک پاؤ
چاٹ مسالہ	حسب پسند
نمک	حسب ذائقہ
آلو	دو عدد
املی کا رس	حسب ذائقہ
کھانے کا سوڈا	ایک چمچہ

ترکیب: رات میں چنے صاف کر کے دھولیں اور زیادہ پانی ڈال کر بھگو دیں۔ صبح پانی پھینک کر نیا پانی لیں، کھانے کا سوڈا اور نمک شامل کر کے ہلکی آنچ پر پکائیں جب گل جائیں اور پانی کم رہ جائے تو ابلے آلو چھوٹے ٹکروں میں کاٹ کر اور املی ڈال کر اچھی طرح ملا کر اتار لیں۔ اب اس میں چاٹ مسالہ شامل کر کے کسی پیالے میں نکالیں اور اسے ہری مرچوں، ٹماٹر اور ہرے دھنیے سے گارنش کر لیں۔ اس کے ساتھ اگر پاپڑی بھی شامل کر دیں تو چنوں کا مزہ دوبالا ہو جائے۔

سونٹھ کی چٹنی

ضروری اشیاء:

املی	ایک پاؤ
سفید زیرہ	ایک چمچہ
سونٹھ	دو کھانے کے چمچے
چینی	دو چمچے
نمک	ایک چمچہ
لال مرچ	آدھا چمچہ

ترکیب: املی رات کو بھگو دیں اور صبح اسے پانی میں اچھی طرح مسل کر گٹھلیاں نکال دیں اب اس میں نمک، زیرہ، سونٹھ، (سوکھی پسی ادرک) اور چینی ڈال کر پکانے رکھ دیں (اگر آپ کے پاس لال کوٹی مرچ ہے تو چٹکی بھر ڈال دیں) جب اچھی طرح پک جائے چینی گھل جائے اور چٹنی مناسب گاڑھی ہو تب چولہے سے اتار لیں۔

مزے دار سونٹھ کی چٹنی، دہی بڑوں، سموسوں اور رول، پکوڑوں کے ساتھ کھائی جا سکتی ہے۔

قیمہ بھرے اسکوائر

ضروری اشیاء:

قیمہ	ایک پاؤ
پیاز	ایک عدد
سویا ساس	تین کھانے کے چمچے
ادرک	ایک کھانے کا چمچہ
تیل	دو کھانے کے چمچے
میدہ	دو کپ
نمک	حسب ذائقہ
چینی	آدھا چائے کا چمچہ
خمیر	ایک کھانے کا چمچہ
انڈے کی سفیدی	ایک عدد
پانی	حسب ضرورت

ترکیب: کسی برتن میں تیل گرم کریں۔ اس میں پیاز، ادرک ہلکا بھونیں۔ قیمہ ڈال کر بھونیں۔ سویا ساس ڈال کر بھونیں اور پلیٹ میں نکال لیں۔

ایک پیالے میں میدہ چھان کر ڈالیں۔ خمیر، چینی، نمک، انڈے کی سفیدی مکس کریں گنگنے پانی سے گوندھ لیں گیلے کپڑے سے ڈھک کر ایک گھنٹہ رکھیں۔

آٹے کے پیڑے بنائیں اور روٹی بیل لیں چوکور کاٹ لیں۔ اس پر قیمہ رکھیں اس پر روٹی کا دوسرا ٹکڑا رکھ کر اسٹیمر کو تیل کا برش کر کے اس پر رکھیں اور بیس سے پچیس منٹ اسٹیم دیں۔ سرونگ پلیٹ میں نکال کر چلی گارلک ساس کے ساتھ سرو کریں۔ (چاہیں تو تل لیں)

ویجی ٹیبل سینڈوچ

ضروری اشیاء:

چکن	آدھا کلو

بند گوبھی	ایک عدد
شملہ مرچ	دو عدد
ہری مرچ	تین عدد
نمک	حسب ذائقہ
لال مرچ	حسب ذائقہ
کالی مرچ	ایک چائے کا چمچہ
تیل	دو کھانے کے چمچے
چاٹ مسالہ	آدھا چائے کا چمچہ
ڈبل روٹی	ایک پیکٹ

ترکیب: چکن ابال کر اس کے باریک باریک ریشے کر لیں۔ اس کے بعد بند گوبھی، شملہ مرچ، پیاز، ہری مرچیں باریک باریک ٹکڑوں میں کاٹ لیں۔

فرائی پین میں تیل گرم کر کے اس میں یہ تمام سبزیاں، چکن اور نمک، لال مرچ، سیاہ مرچ اور چاٹ مسالہ ڈال کر فرائی کر لیں۔ اس کو ٹھنڈا ہونے دیں۔

جب سبزیاں ٹھنڈی ہو جائیں تو اس کو تھوڑا تھوڑا کر کے ڈبل روٹی کے سلائس پر رکھ دیں اور دوسری ڈبل روٹی اس کے اوپر رکھ دیں۔

اس کو سینڈوچ میکر میں رکھیں اور جب وہ تیار ہو جائے تو نکال لیں۔ کیچپ اور دہی کے رائتہ کے ساتھ افطار میں نوش کریں۔

دال مونگ کے دہی بڑے

ضروری اشیاء:

دال مونگ	ایک کپ
لال مرچ	ایک چمچہ
پیاز	ایک عدد
لہسن	چھ جوے
کھانے کا سوڈا	چٹکی بھر
نمک	حسب ذائقہ
دہی	آدھ کلو
چینی	دو کھانے کے چمچے
تیل	تلنے کے لیے

اس کے بعد نمک، مرچیں، پیاز، لہسن، سوڈا اور بہت کم پانی کے ساتھ اسے گرائنڈ کریں دال کو باریک نہیں بلکہ دردرا رکھنا ہے۔ اس طرح پوری دال پیس کر اچھی طرح مکس کریں۔

اب تیل گرم کر کے اس کی پکوڑیاں تل لیں، آنچ ہلکی رکھیں تاکہ اندر تک پک جائیں ورنہ سخت رہ جاتی ہیں۔

پکوڑیاں پانی میں بھگو دیں۔ نرم ہو جائیں تو ہلکے ہاتھ سے پانی نچوڑیں تاکہ پکوڑیاں نہ ٹوٹیں۔

دہی میں نمک، چینی اور تھوڑا سا پانی ڈال کر دہی اچھی طرح پھینٹ لیں پھر اس میں پکوڑیاں شامل کر دیں۔ مونگ کی دال کے مزے دار دہی بڑے تیار ہیں۔ سونٹھ کی چٹنی کو چاٹ مسالہ ڈال کر افطار میں نوش کریں۔

چکن کرسپ فرائیڈ

ضروری اشیاء:

مرغی کا گوشت	ایک کلو
نمک	حسب ذائقہ
سفید مرچ	ایک چائے کا چمچہ
لہسن	آدھا چائے کا چمچہ
مسٹرڈ	ایک چائے کا چمچہ
لیموں	ایک عدد
انڈے	دو عدد
میدہ	حسب ضرورت
ڈبل روٹی کا چورا	حسب ضرورت
تیل	تلنے کے لیے

ترکیب: گوشت میں نمک، سفید مرچ، لہسن، مسٹرڈ پاؤڈر، لیموں کا رس مکس کر کے لگا دیں اور دو، تین گھنٹے کے لیے فریج میں رکھیں۔

گوشت کو میدے میں رول کریں۔ انڈے میں ڈپ کر کے دوبارہ میدے میں رول کریں۔ انڈے میں ڈپ کر کے ڈبل روٹی کے چورے سے کوٹ کر کے تھوڑی دیر کے لیے فریج میں رکھیں۔ کڑاہی میں تیل گرم کر کے گوشت کو ڈھک کر درمیانی آنچ پر فرائی کریں کہ گوشت اندر تک گل جائے اور سنہری کلر آ جائے۔ سرونگ پلیٹ میں نکال کر سرو کریں۔

آسمان سے زمین تک چھائی ہوئی ہے میں نے کھڑکی سے پردے ہٹائے۔ تو شیشوں پہ پانی کی لکیریں بہہ رہی ہیں۔ جنوری اور دسمبر کی راتیں بہت خوب صورت ہوتی ہیں۔ بہت خوب صورت منظر ہے۔ کمرے میں کھڑے ہو کے دیکھیں۔ باہر جانے پر کپکپی طاری ہو جائے گی۔ (ہاہاہا)

ج: پیاری جویریہ! خاموشی، تنہائی اور دور سے آتی ڈھول کی آواز آپ لے کتنی خوب صورت یادیں جگا دی ہیں دل میں، بہت کچھ یاد آ گیا۔ ماضی بہت خوب صورت اور دور کے ڈھول ہمیشہ سہانے لگتے ہیں۔ آپ کا خط لیٹ ملا۔ اس لیے اس ماہ شامل کر رہے ہیں۔ سروے میں شرکت ضرور کریں ہم باقی آئندہ ماہ شامل کر لیں گے۔

زاہدہ شوکت......ساہیوال

السلام علیکم! فروری کا خواتین ٹائٹل بہت پیارا تھا کرن کرن روشنی میں نماز کی اہمیت پڑھی تو ایمان تازہ ہو گیا، مجھے تو خود نماز کے بغیر سکون نہیں آتا۔ اپنے بچوں کو بھی نماز کا عادی بنایا ہے۔

سمیرا احمید نے عورت کی کہانی بہت خوب لکھی۔ دل واقعی مردہ نہیں ہونا چاہیے۔ بچوں کی شادی کے بعد ہی تو عورت آزاد ہوتی ہے۔ اپنی مرضی کر سکتی ہے شکر الحمدللہ اپنی پنشن خود خرچ کرتی ہوں۔ کیونکہ ریٹائر، ٹیچر ہوں، میرا خاوند اور بیٹے گھر کا تمام خرچا اٹھاتے ہیں، راحت جبیں کا ناول بہت اچھا رہا۔ نمرہ احمد کا ''مالا'' کی قسط بھی کافی اچھی تھی۔ تمام افسانے بھی اچھے تھے۔ تمام بہنوں کا شکریہ۔ جو اچھی اچھی تحریریں پڑھنے کا موقع دیتی ہیں۔ امت العزیز شہزاد سے ملاقات خوب مزے کی تھی۔ آئندہ رسالے کا انتظار رہے گا۔

تمام بہنوں سے گزارش ہے۔ رمضان سے پہلے گھر کی صفائی کے ساتھ دل کی صفائی بھی ضروری ہے تمام دوست احباب سے تعلقات بہتر کریں۔ تاکہ آپ کی عبادت قبول ہو۔

زاہدہ! آپ نے بہت اچھی بات کی ہے۔ دل میں کینہ، نفرت حسد جلن ہو تو ہماری نیکیاں بھی ضائع ہو جاتی ہیں، اللہ تعالیٰ صاف دل کی دعائیں قبول کرتا ہے۔

عشرہ مومن......کراچی

اس خواتین ڈائجسٹ کے نام، جس نے مجھے سمیرا حمید سے ملوایا۔ آپ کی قاری عشرہ مومن آپ سے ہم کلام ہے۔ بے شک یہ مکتوب آدھی ملاقات ہے مگر محبت سے بھرپور ہے اور سچے جذبات سے مزین ہے۔ سمیرا حمید کی ''نیا سال'' دل کی بنجر زمین پر، امید کا بیج بونے والی تحریر۔ ست رنگی زندگی کا عکس، خواتین ڈائجسٹ گھروں میں مقید اداس روحوں کو پورے جہان کی سیر کروا دیتا ہے۔ خاص طور پر سمیرا احمید کی متحرک کرتی تحریریں جذبات کے سمندر میں ہاتھ ڈال دیتی ہیں۔ زندگی ہارتے لفظ، پھر زندگی کی آس پکڑ لیتے ہیں اور محبت کی خوشبو کی مانند ایک نامہ بر، تتلی بنا رقصاں ہو جاتا ہے۔

فروری کے خواتین میں امت العزیز شہزاد سے ملاقات ایک بہت بڑی خوشی ثابت ہوئی میرے لیے، کئی سالوں سے اندھیروں میں گم ہو چکی میری تحریروں کو سیلن زدہ الماری سے نکلوانے کا موجب بنی۔ ان کو پڑھ کر ایک امید سی جاگی کہ میری تحریریں بھی ایک دن لگ جائیں گی۔ ان شاء اللہ تعالیٰ، امید پر دنیا قائم ہے ہاں مگر میں اپنی دنیا یقین پر قائم کرتی ہوں اور میری ایک چھوٹی سی دنیا ہے جس میں مجھے افسانہ نگار بننا ہے اور ڈائجسٹ میں بطور افسانہ نگار چھا جانا ہے۔ اور چھا جانا آسان تھوڑی ہوتا ہے چھا جانے کے لیے قدموں سے زمین نکل جاتی ہے اور آسمان میں معلق رہنا پڑتا ہے۔

قانتہ رابعہ کا مختصر افسانہ ''ماں'' پڑھ کر دل پر ہاتھ پڑا، باقی کا شمارہ پڑھا جا رہا ہے پڑھنے کے دوران موصوف کو لکھنے کا دورہ پڑ جاتا ہے سو یہ کام موقوف کر دیا جاتا ہے۔ اب تک اس آرزو کے ساتھ رخصت چاہتی ہوں کہ میں بذریعہ ای۔ میل ہر ماہ اپنے افسانے اور تبصرہ بھیجا کروں گی۔

پیاری عشرہ! آپ کے با صلاحیت ہونے میں

[illegible]
تعارف ہے۔ آپ ہمیں اپنی تحریریں بھجوائیں اور اطمینان رکھیں اچھی ہوئیں تو ضرور شائع ہوں گی۔ جو کہانی آپ نے بھجوائی ہے۔ وہ شائع ہو جائے گی۔

مونا علی......کراچی

میرا نام مونا علی ہے۔ خواتین ڈائجسٹ اور شعاع کی گزرے کئی سالوں (تقریباً پچیس سال) سے قاری ہوں۔ یہ شمارے محض رسالے نہیں میرے لیے استاد، ماں، بہن سب ہی کچھ رہے۔ پردیس کی تنہائیوں میں بھی ان رسالوں نے مجھے وطن سے دور ہونے کا احساس بھلائے رکھا۔ میں دل سے آپ کی کاوشوں کو خراج تحسین پیش کرتی ہوں۔ جو معیار آپ نے اپنے رسالوں کا برقرار رکھا ہے اس کی نظیر ملنی مشکل ہے۔

میرے گھر میں کبھی کبھار دوسرے ڈائجسٹ بھی آتے ہیں مگر میں باقاعدگی سے خواتین اور شعاع ہر ماہ شدت کے انتظار کے بعد خریدنے جاتی ہوں۔ وہ پیار کسی اور ڈائجسٹ کے حصے میں نہیں آسکتا۔ مجھے آپ کی مصنفین سے ایک پرزور گلہ ہے۔ خواتین ڈائجسٹ نے کئی ذروں کو آفتاب بنایا۔ مگر افسوس! الیکٹرانک میڈیا کو پیارے ہوتے ہی یہ مصنفین اپنے قارئین کو بھول گئیں۔ مہربانی فرما کر اپنی تمام پیاری مصنفین کو پیغام دے دیں کہ سب قارئین ان کی واپسی کی شدت سے منتظر ہیں۔

آپ کو یہ جان کر حیرت ہوگی کہ سائرہ رضا کی ہر تحریر میں نے ایک نہیں کئی بار پڑھی اور دل سے پڑھی۔ وہ میری نہایت ہی پسندیدہ مصنفہ ہیں۔ چاہے خالی آسمان ہو، یقین کامل ہی بندگی ہے، سیدھی سڑک، آہ، حسن الماب اور، ہیر نہ اکھے کوئی یا ان کی کوئی اور تحریر، وہ مجھے اتنا پسند ہیں کہ الفاظ کم ہیں، خالی آسمان کی بے بے کا دکھ مجھے کئی بار رلا گیا۔ یقین کامل کی عدینہ، بشائر اور مامون غرض ان کا ہر کردار بے مثال! پلیز سائرہ جلد از جلد ڈائجسٹ کی طرف واپس آجائیں۔

سمیرا احمید کا نہایت شکریہ کہ وہ اب نظر آنے لگی ہیں۔ سمیرا احمید دریا کو کوزے میں بند کرنے کا ہنر بخوبی

[illegible]
لفظوں کی جادوگر ہیں، ایسا فسوں پھونکتی ہیں کہ قاری آخری لمحے تک ان کے قلم کی گرفت سے باہر نہیں آسکتا غرض ایک طویل فہرست ہے جو احاطہ تحریر میں آہی نہیں سکتی!۔

پیاری مونا......ایک طویل عرصہ سے آپ خواتین اور شعاع پڑھ رہی ہیں۔ اس کے باوجود کبھی رابطہ نہیں کیا، ایسا کیوں؟ آپ جیسی باشعور خواتین کو تو اپنی رائے سے ضرور آگاہ کرنا چاہیے۔ آپ باقاعدہ خط لکھیں گی تو ہمیں بہت خوشی ہوگی۔

آپ کا افسانہ پڑھا نہیں لیکن تحریر کی روانی سے لگتا ہے آپ اچھا لکھ سکتی ہیں۔

ثناء کنول......لاہور

جیسے ہی فروری کا پرچہ ہاتھ میں آیا تو جلدی سے کمرے میں آکر ہمارے نام کھولا جہاں اپنا خط دیکھ کر یقین جانیں کتنے لمحے بس دیکھتی رہی پھر تو جلدی سے اپنے دونوں بھائیوں کے پاس گئی۔ شکر کہ وہ اکیلے تھے۔ جلدی سے انہیں اپنے خط کے بارے میں بتایا۔ دونوں میرا نام اور خط دیکھ کر حیران ہوئے اس کے بعد تو سارا دن مسکراہٹ ہمارے ہونٹوں پر جمی رہی۔

اب آتے ہیں شمارے کی طرف میرا پسندیدہ ناول مالا سب سے پہلے پڑھا، آخرکار ماہر فرید نے اپنے دل میں چھپے جذبوں کو مالا کے سامنے ظاہر کر دیا پر وہیں مالا کے دوٹوک جواب پر بہت افسوس بھی ہوا۔ نا چاہتے ہوئے بھی مالا نے ایک بار پھر اپنے لفظوں سے ماہر کا دل توڑا۔

پردیس بھی اچھا جا رہا ہے اجالا ان انسانوں میں سے ہے جنہیں اپنی تکلیف سے زیادہ دوسروں کی تکلیف درد کا احساس ہوتا ہے۔ کرن کرن روشنی میرا پسندیدہ سلسلہ ہے اور نفسیاتی الجھنیں بھی۔

پیاری ثناء! آپ کی کہانی ابھی پڑھی نہیں۔ مطمئن رہیں قابل اشاعت ہوئی تو ضرور شائع ہوگی۔

☆☆

نفسیاتی ازدواجی الجھنیں

رے

س۔عدنان بھائی میرا نفسیاتی مسئلہ نہیں ہے۔ میں ایک بیوی ہوں اور اپنے شوہر سے بہت محبت کرتی ہوں لیکن میرے ساتھ ایک مسئلہ ہوا ہے۔ میں اب چارپائی پر ہی ہوتی ہوں۔ چل پھر نہیں سکتی۔ میرے ماشاء اللہ پانچ بچے ہیں۔ جب سے بیمار ہوئی، سب نے مجھے بولنا شروع کر دیا۔ تم اپنے شوہر کی دوسری شادی کروادو۔

یہ بہت مشکل ہے۔ لیکن جب بار بار سب نے کہا تو میں نے کہا ''آپ شادی کر لیں۔'' شوہر نے کہا ''میں نے دوسری شادی نہیں کرنی۔''

میں خوش تھی کہ میرے شوہر دوسری شادی نہیں کریں گے، کبھی بھی نہیں۔ لیکن میرے شوہر نے میرا اعتبار، بھروسا توڑ دیا جو اتنا پیار کرتی تھی۔ ہم آپس میں چچازاد کزن ہیں۔ اور ان کو اپنی ایک کزن سے پیار ہو گیا۔ اب اس کی شادی ہو گئی تب یہ بات کھل گئی۔ میں بہت روتی رہتی ہوں کہ جب آپ کو میں نے بولا۔ دوسری شادی کر لیں۔ لیکن آپ نے کہا میں نے نہیں کرنی، اس لڑکی نے ان کو بدنام کر دیا بہت زیادہ، لیکن میں بہت سمجھاتی ہوں کہ جب آپ نے محبت کی، کسی کو پتا نہیں چلا آپ دونوں نے مجھے دھوکا دیا۔ اب بھول جائیں اس بے وفا کو لیکن وہ ایک ہی بات بولتے ہیں۔ اس نے مجھے بدنام کر دیا۔ میری ضد، انا کا مسئلہ بن گیا ہے۔ میں ایک بار حاصل کر کے رہوں گا۔ جس طرح بھی ہوا۔

پلیز عدنان بھائی آپ ہی بتائیں، میں کیا کروں۔ میں اپنے شوہر سے بہت محبت کرتی ہوں۔ کسی اور کا ہوتے ہوئے نہیں دیکھ سکتی۔

ج: اچھی بہن! آپ کے جذبات، آپ کے احساسات آپ کا دکھ سمجھ میں آتا ہے۔ آپ نے یہ نہیں لکھا کہ ڈاکٹر آپ کی بیماری کے بارے میں کیا کہتے ہیں۔ کیا آپ کی بیماری کا علاج ممکن ہے؟ ڈاکٹر امید دلاتے ہیں؟

عزیز بہن! آپ کا دکھ اپنی جگہ بجا ہے لیکن ایک مرد جب باہر سے تھک ہار کر گھر آتا ہے تو اس کے لیے گھر سنبھالنا مشکل ہوتا ہے۔ پھر دیگر اپنے کام بھی کرتے ہوں گے۔ آپ کے شوہر اگر یہ سب سنبھال رہے ہیں اور دوسری شادی کا نہیں کہہ رہے تو یہ ان کی آپ سے محبت ہے۔ جو غلطی ان سے ہوئی اس کو بشریت کا تقاضا سمجھ کر بھول جائیں۔ اس لڑکی نے ان کو بدنام کیا ممکن ہے آپ کے شوہر نے اس سے کچھ وعدے وعید کیے ہوں۔ جس کی بنا پر اس لڑکی نے غصہ میں آ کر آپ کے میاں کو بدنام کر دیا ہو۔

ایک بات بہت جی کڑا کر کے لکھنا پڑ رہی ہے، آپ کے شوہر دوسری شادی کے بارے میں بھی سوچ سکتے ہیں۔ آپ اس کے لیے ذہنی طور پر تیار رہیں۔ البتہ اپنے اور بچوں کے تحفظ کے لیے گھر اپنے نام کرالیں۔ تا کہ کسی بھی ناگوار صورت حال میں آپ کے پاس سر چھپانے کا ٹھکانا موجود رہے۔

اللہ تعالیٰ آپ کے بچوں کو سلامت رکھے۔ آپ ان کی طرف توجہ دیں۔ شوہر کی بے وفائی یا دوسری شادی کی طرف سے اپنی توجہ ہٹالیں۔ ویسے بھی آپ کو اپنے شوہر سے محبت ہے تو محبت تو بڑی خطا پوش ہوتی ہے۔

نزہت بانو......سمہ سٹہ

میں دو چھوٹے بچوں کی ماں ہوں، میرے شوہر ڈرائیوری کرتے ہیں، اس کے لیے انہیں شہر سے دور کئی کئی روز کے لیے جانا پڑتا ہے۔

میرے سسر اور ساس بوڑھے ہیں، میں ان کی پورے دل سے خدمت کرتی ہوں، وہ اور میرے سب سسرال والے مجھ سے خوش ہیں۔ ابھی ڈیڑھ مہینے پہلے میرے پاس ایک اجنبی نمبر سے کال آئی، پتا نہیں کون تھا۔ میں ہر بار کاٹ دیتی پھر پتا نہیں کیا ہوا۔ میں نے اس کا فون اٹینڈ کرلیا۔ اس طرح یہ سلسلہ بڑھتا گیا اب یہ نوبت ہے کہ اس کا فون نہیں آتا تو مجھے گھبراہٹ ہوتی ہے۔ اس کے بنا کسی کام میں جی نہیں لگتا۔ یہاں تک کہ اپنے شوہر سے بھی چڑ ہونے لگی ہے۔

میری بہن نے جب یہ سب سنا تو اس نے کہا کہ وہ آدمی تم پر جادو کررہا ہے۔ مجھے لگتا ہے کہ اس کا جادو سر چڑھ کر بول رہا ہے، وہ مجھ سے ملنا بھی چاہتا ہے۔ اس کی باتیں، محبت کے دعوے میں کیا بتاؤں اس سے پہلے کسی نے مجھ سے ایسی باتیں نہیں کیں۔ کیا میں واقعی اس کے جادو میں مبتلا ہوگئی ہوں یا مجھے اس سے محبت ہوگئی ہے۔ میں سخت ذہنی اذیت میں ہوں۔

ج۔ نزہت بہن! نہ جادو نہ محبت یہ صرف ذہنی بے راہ روی ہے۔ آپ کے شوہر گھر پہ نہیں ہوتے۔ آپ کو تنہائی محسوس ہوئی تو آپ نے فون پر یہ سلسلہ شروع کردیا۔ صنف مخالف میں ایک دوسرے کے لیے کشش ہوتی ہے اور کچھ شیطان بہکاتا ہے۔ انسان نہ چاہتے ہوئے بھی آگے بڑھتا جاتا ہے۔ اس لیے جادو کا خیال دل سے نکال دیں۔

آپ اس لڑکے کے بارے میں کچھ بھی نہیں جانتی ہیں۔ عین ممکن ہے وہ بھی شادی شدہ ہو، اس کے بچے ہوں فون پر اچھی اچھی باتیں کرکے دل موہ لینا بہت آسان بات ہے لیکن حقیقتوں کی تیز دھوپ میں آئیں تو سارا رومانس بھاپ بن کر اڑ جاتا ہے۔

اپنی آنکھیں کھولیے۔ آپ کے دو بچے ہیں۔ آپ کا شوہر آپ کے لیے کن مشکلوں سے پیسے کمارہا ہے اور آپ اپنے آپ کو نہیں سنبھال پارہی ہیں۔ جو کچھ آپ کررہی ہیں، اس میں دین اور دنیا دونوں میں خسارہ ہے۔

بہتر ہے کہ اپنے قدم یہیں روک لیں۔ اپنے بچوں کے بارے میں سوچیں۔ انہیں ماں اور باپ دونوں کی ضرورت ہے۔ ایک گھر ٹوٹتا ہے تو کتنا کچھ بکھر جاتا ہے۔ اس کا ابھی آپ کو اندازہ نہیں ہے۔

ثمرین جبار......لاہور

میری حال ہی میں شادی ہوئی ہے میں بچپن سے ہی روزہ رکھنے کی چور ہوں۔ ہمارا جوائنٹ فیملی سسٹم ہے۔ یہاں رمضان کے آمد کی تیاریاں چل رہی ہیں اور میں شرم سے گڑے جارہی ہوں کہ کیا کروں۔ ہمیشہ رمضان میں دو ایک روزے مشکل سے رکھنے والی ہوں۔ بس عادت نہیں ہے۔ صحت بھی اچھی ہے، کیا کروں، شوہر سے شیئر کروں تو ڈر لگتا ہے کہ پورے کنبے میں شور مچ جائے گا۔

ج: عزیز بہن! بعض لوگوں کو روزہ رکھنا بہت مشکل لگتا ہے۔ عموماً جن گھروں میں روزے پابندی سے نہیں رکھے جاتے۔ وہاں روزے کی اہمیت اجاگر نہیں ہوتی۔ جب دل چاہا رکھا۔ جب دل چاہا چھوڑ دیا آپ کے ساتھ بھی یہی مسئلہ لگتا ہے۔ آپ کھانے پینے کی پابندی سے گھبرائی ہیں جبکہ یہ کوئی بڑا مسئلہ نہیں ہے۔ سوچیں ناشتا کی جگہ ہم سحری کھاتے ہیں اور خوب ڈٹ کر کھاتے ہیں جبکہ ناشتا ہلکا پھلکا بھی ہوسکتا ہے۔ دوپہر کا کھانا نہیں کھاتے اس کے بعد ہمیں صرف مغرب تک صبر کرنا ہوتا ہے۔ مغرب کی اذان تک روزہ کھل جاتا ہے۔ آپ صحت مند ہیں، بہت اچھی بات ہے۔ اطمینان سے روزہ رکھیں۔

☆☆

بیوٹی بکس

شمع اکرم...... کراچی

س: پہلے میرا چہرہ صاف چمکتا نظر آتا تھا ابھی میں تیس سال کی ہوئی ہوں کہ مجھے لگتا ہے کہ میرے چہرے پر جھریاں پڑ رہی ہیں کوئی گھریلو ٹوٹکا ہو تو بتایئے؟

ج: چہرے پر جھریوں کے لیے انڈے کی سفیدی کا ماسک بہترین ہے ایک انڈے کی سفیدی لے کر اسے اچھی پھینٹ لیں، اس میں ایک چمچہ لیموں کا رس ملائیں، چہرے پر لگائیں دس منٹ تک لگا رہنے دیں پھر تازہ پانی سے دھولیں، اس کے علاوہ دو چمچہ دہی میں ایک چھوٹا چمچہ شہد ملا کر چہرے پر لگائیں بہترین ماسک ہے۔

فرح خان...... کراچی

س: میری عمر چوبیس سال ہے رنگ گہرا ہے جبکہ میرے نقوش تیکھے ہیں، دو تین بار میرے رنگ کی وجہ سے لڑکے والے انکار کر گئے۔ میری سہیلی کی کزن نے اپنا رنگ گورا کرنے کے لیے انجکشن لگوائے اور اس کی اب شادی ہونے والی ہے۔ آپ کسی اچھے پارلر کے بارے میں بتائیں یا کوئی بیوٹیشن جو میرا یہ کام کردے؟

ج: پیاری بہن شادی ہونے یا نہ ہونے کا تعلق نصیب سے ہے۔ جب جہاں لکھی ہے ان شاء اللہ ضرور ہوگی۔ ہم سب کے بارے میں تو نہیں کہہ سکتے لیکن بڑے پیمانے پر رنگ گورا کرنے کے لیے گلوٹو تھائیون کا انجکشن استعمال کیا جا رہا ہے۔ اسے مختلف اجزاء کے ساتھ ملا کر کیپسول اور ڈراپس کی شکل میں بھی لگایا جا رہا ہے۔ جس کا استعمال انسانی صحت کے لیے خطرناک ہے پھر یہ مستقل بنیادوں پر بھی

ڈاکٹرز کی فیس اور علاج بھی خاصا مہنگا ہے۔

آپ یہ آسان گھریلو نسخہ استعمال کریں۔

ایک چمچہ دہی میں چٹکی بھر ہلدی اور اگر دستیاب ہو تو دو قطرے بادام کا تیل اچھی طرح ملائیں اور اس ماسک کو اپنے چہرے پر لگائیں، پندرہ بیس منٹ بعد نیم گرم پانی سے دھولیں۔ یہ عمل آپ روزانہ کر سکتی ہیں۔ دن میں ایک سے دو بار ہی صابن کا استعمال کریں زیادہ صابن اسکن کی ساخت پر اثر انداز ہوتا ہے۔ پانی زیادہ پئیں۔ روزانہ ناریل کا پانی پینا بھی جلد کے لیے بہترین ہے۔ خوب صورت چمکتی اسکن چہرے کا نکھار لاتی ہے۔ اور سب سے ضروری بات اپنی غذا میں پھل اور سبزیاں ضرور شامل کریں۔

شمیم بانو...... حیدرآباد

س: میری آنکھوں میں چبھن ہوتی ہے۔ ڈاکٹر کہتے ہیں۔ آپ کی آنکھیں خشک ہو گئی ہیں۔ انہوں نے مجھے دوا دی ہے جو مجھے صبح شام ڈالنا ہوتی ہے۔ کوئی علاج بتائیں۔

ج: آنکھوں کے معاملے میں غفلت نہ کریں۔ فوراً کسی اچھے اور مستند ڈاکٹر کو دکھائیں۔ اور اس کے مشورے پر عمل کریں۔ یہ سلسلہ حسن وخوب صورتی کے مسائل کے لیے ہے۔

آنکھوں کے خشک ہونے کی ایک بنیادی وجہ یہ بھی ہوتی ہے کہ لیپ ٹاپ، کمپیوٹر یا موبائل پر بہت دیر تک کئی گھنٹے نظریں جما کر کام کیا جائے۔ اس دوران پلکوں کو جھپکانے کا موقع بہت کم ملتا ہے۔ کوشش کریں کہ ہر گھنٹے بعد دو منٹ کا وقفہ لیں۔

تاہم ایک برطانوی ڈاکٹر کا مشورہ نظر سے گزرا لکھ رہی ہوں اس سے قدرے فرق پڑے گا۔ روئی کی پھریری (کاٹن بڈ) یا سوتی کپڑے کو گرم پانی میں ڈبو کر نچوڑ لیں اور اس کو آنکھوں پر رکھیں اور ہلکا سا دبائیں۔ اس عمل کو دن میں ایک بار کریں۔ فرق محسوس کریں گی۔